

آدم کا پاپ



آدمی کا باپ

وہ میرا باپ تھا۔

میں اس کا باپ بن گیا

پھر وہ اس کا باپ بننے لگا

ایک شرمناک سوال کہ

ہم آدمیوں کا باپ کون ہے؟

عظیم مدنی جانتا تھا کہ بڑے یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ شے می نہیں
مرے گی۔ پھر بھی اس نے اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کی تمام کوششیں کر ڈالیں۔ پہلی کوشش
یہی کہ اسے ایک نہایت ہی زرد و اثر نہر ملا انجکشن دیا تھا۔ شے می نہیں جانتی تھی کہ اس کا خاندان اس
کی جان کا دشمن ہے اس نے چپ چاپ انجکشن لگوا لیا۔ ذرا اس کے جلاو جسم کے اندر سرایت
کر گیا۔ چند لمحوں کے بعد اسے اپنے اندر کچھ گرد و مٹی محسوس ہوئی۔ پھر اس نے ہاتھ روم میں جا کر تھکے
گردی۔ اس کے بعد اس نے پانی منڈ میں لے کر کھلی کا اور منہ پر فختی ہوئی کھانا پکانے کے لئے پکین
میں چل گئی۔ عظیم مدنی یقین پریشانی سے سوچتا رہا کہ اپنی شریک حیات کو اپنی حیات سے ہمیشہ
کے لئے الگ کر دینے کا بہترین طریقہ کی ہوگا؟

شے می کا اصل نام شمیم بیگم تھا وہ نیچلے طبقے سے تھی کہ لڑائی لڑتی تھی۔ ڈاکٹر عظیم
مدنی نے دو مقاصد کے تحت اس سے شادی کی تھی۔ پہلا مقصد تو یہ تھا کہ شمیم سترہ سال
کی ایک حسین و شیزہ تھی۔ کئی کئی عرصہ میں سال کا بڑھ چکا تھا۔ اس عمر میں آئی حسین بڑکی اس سے عشق
نہیں کر سکتی تھی لیکن شمیم اس سے شادی کے لئے راضی ہو گئی کیونکہ وہ ڈاکٹر تھا اور یہ سلطان
کے مہلک مریض میں مبتلا تھی۔

ڈاکٹر کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی پیار محبوبہ پر ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ
اس تجربے سے صحت مند ہو جائے تو یوم آخر تک زندہ سلامت رہتی ورنہ اس کے مرے
کا انورس نہ ہو گا کیونکہ اسے بلڈ کیفر ہو گیا تھا اور اس کا مزاج یقینی تھا۔

خوش قسمتی سے ڈاکٹر کا تجربہ کامیاب ہو گیا اور بد قسمتی سے اس پر ایک جوان بوری ہمیشہ
کے لئے مستعد ہو گئی۔ پہلے پہل اس کی جوانی کا آئنا دیدار اس میں ہوا کیونکہ ان دونوں وہ اپنے
کامیاب تجربہ کے آثار و شواہد تھا۔ جب سے پہلے اس نے خوش ہو کر شمیم بیگم کا نام بدل دیا اور اسے
پرائے سے شے می کہنے لگا۔ انسان کے طبقوں کی طرح ناموں کے بھی طبقے ہوتے ہیں۔ نیچلے طبقے
میں جو شمیم اور خیر ہوئی تھی وہ اپنے طبقے میں پہنچ کر شے می اور راضی ہو جاتی ہیں۔

شے کی زندگی بدلی گئی۔ نام بدل گیا۔ حتیٰ کہ بیار اور لاغری جسم میں ڈبل روشنی کا طبع
 صحت مند ہو گیا۔ پس اس مقام پر اگر جوان بیوی اور بوڑھے خاندان کا فرق نمایاں ہو گیا۔ کئی
 بار ایسا ہوا کہ وہ بڑاری سے دوا نہ ہو۔ کہہ کر خاندان کے بزرگوں سے منگی لیا جانے پر بڑوں
 میں اگر ذرا اکتاہٹ ہو کر ہو گئی۔

کوئی مرد اپنی صورت کی نظروں سے گزرا پسند نہیں کرتا حالانکہ اس میں مغزات کی ترقی
 کا پتہ نہیں نکلتا۔ اگر کوئی سفید بوڑھا کسی جوان چھوڑی سے شادی کر لے کی حماقت کہے تو
 یہ مرد بے ادبی کی نہیں، بوڑھے بڑا دی کی غلطی ہے۔

وہ بوڑھے کو سوچا کہ ابھی کہ نہیں بگڑا ہے جو وہ اس نے شے میں پر ازمانی ہے اور
 دوا خود استعمال کرے گا اور شے کی طرح جوان اور زندہ جاوید ہو جائے گا۔ دوا کا دوا
 اس کے پاس محفوظ تھا لیکن اسے تیار کر کے لے کر سکون و تحمل کا دور یعنی بھوٹی کی ضرورت تھی اور
 اس کا تمام سکون شے نے دور میں پریم کر لیا تھا۔ جب بھی وہ بچی ہوئی فصل کی طرح اس کے
 سامنے نہ آتی اور شہید اس کتر میں مبتلا ہو جاتا۔ ایسی حالت میں وہ چلنے سے تکیہ جات
 کیسے تیار کرتا؟ اگر مختلف دواؤں کے اوزان اور ترکیب میں کوئی مڑا ہو جاتی یا غامی رہ جاتی
 تو وہ کیا آپ حیات اس کے لیے ہم قائل بن جاتا۔

اس نے جھنجھاکر یہ فیصلہ کیا کہ پہلے شے کی موت کا سامان کرنا چاہیے۔ نہ کہ
 بانس شہجہ گاہنسیا، پھر وہ عینان سے اپنے فذو لے پر عمل کرے گا۔ شے کی کیا چیز
 اہلی زندگی حاصل کرنے کے بعد اس کو حسیات میں مل جائیں گی۔

لیکن پہلی کوشش میں وہ ناکام ہو گیا۔ وہ نہ تو ٹھیک شے کی جسم میں گیا جہاں وہ
 نکلا گیا۔ دوسری بار ایسا ہوا کہ شے کی آدھی رات کو تھپا نیچے میں چل دی تھی ڈاکو نے ایک دست
 کے پیچے چپ کر دیا اور میں ماسٹر لکھا۔ پھر ایک ماسٹر نشانہ جڑی کی طرح پوری چھوڑ دی اس
 کے جسم میں آکر دیں شے کی حلق سے چھین نکلیں۔ پھر وہ لاکھڑا کر گھاس پگھڑی۔

ڈاکو نے یہ واقعہ کو ایک جھاڑی میں چھپایا، اس کے بعد تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب
 آیا اس وقت تک شے کی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی بعد اپنے بدن سے دیوار کی ایک گولی بولی نکلا
 رہی تھی جیسے پاؤں میں جھاڑی کا ٹکڑا نکلا رہا ہے۔ بدن کے دوسرے حصوں میں کئی سوراخ ہو گئے
 تھے چل جہاں سوراخ تھے وہاں خون کے دھبے نظر آ رہے تھے اگرچہ زیادہ مقدار میں خون بہنا
 چاہیے تھا لیکن وہ تمام سوراخ آپ ہی آپ بھر جاتے تھے۔ فوج کے بستر میں اٹھ کر روٹھے
 سے وہاں اگلے کا نشان نہیں پڑتا، فوج جلدی کی صحیح حالت میں آجاتا ہے۔ یہی حال اس کے
 فوج میں چلنے کے بدن کا تھا۔ ڈاکو اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھ رہا۔

شے کی اس کے بدن میں ایک کاغذ میں گئی۔ جیسے جیسے دن گذرنے لگے شے کی
 کارن بننے لگا۔ وہ اس لئے بیاہ کر نہیں آتی کہ ایک خوبصورت ڈیکوریشن میں کی طرح اس
 کے گھر میں بھی ہے اور خاندان سے دور سے دیکھا جائے۔ آخر وہ عورت تھی اس کی اپنی ضروریات
 اور جذبات تھے اور سب ہم بات یہ کہ اس کی نظر ایک جگہ جم گئی تھی۔ ڈاکو کے بڑھاپے میں مزید
 پاؤں سال کا اضافہ ہو گیا تھا اس کے چہرے کی جھریاں کچھ گہری ہو گئی تھیں اور شے کی کے چہرے
 پر بون کے شگوفوں پر وہی سترہ سال کا تازگی اور رعنائیاں تھیں۔ لہذا اس کا پسینہ نظری
 اس قدر دوسروں کے بازوؤں میں کلک کی طرح چھٹنے اور پھول کی طرح جھٹکے لگی۔

ڈاکو کا صبر کا پانہ لبر نہ ہو گیا۔ اس نے خوب سوچا کہ ایک بہت ہی مضبوط شیشم کی
 ٹوکری کا بوت بنائے والے بڑھتی کو اچھی خاصی رقم دیکر اس کا دانا بنایا۔ کیونکہ آئندہ اس
 جوت کو قبر کی تہ میں پہنچانے کے لئے ایک معادن کی ضرورت تھی۔

جب وہ باتوت تیار ہو گئی تو ڈاکو شے کی کو باتوں سے بہلا رہا تھا مکان کے تہ خانے
 میں لکھا۔ باتوت کھلا ہوا تھا اور شے کی کے حین جو کا انتظار کر رہا تھا۔ قریب ہی بڑھتی
 کھڑا ہوا تھا۔ ڈاکو نے شے کی کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ کر کہا۔
 "چلو اب اس میں لیٹ جاؤ۔"

”نہیں! وہ گھر کر لی۔“ کی تم مجھے اس میں بند کر دینا چاہتے ہو؟

وہاں میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اپنی قبر میں بھی زندہ رہو گے یا مر جاؤ گے؟

”نہیں۔ میں جیسے ہی قبر میں نہیں جاؤں گی۔ چھوڑ دو۔“ جانے دو۔

وہ خود کو چڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ برصغیر نے بھی آگرا سے پکڑ لیا۔ وہ

دو طرفہ شیکون میں تڑپنے لگی پھلنے لگی۔ اگر چاس میں جوانی کا زور تھا۔ اس کے باوجود وہ

توڑتی تھی اس میں اس وقت تھی اور جلد ہی خائف ہو کر نکست نکست جانے والی کمزوری تھی۔ ان

دو بڑھوں نے اسے پکڑ کر زبردستی تابوت کے اندر ٹھونس دیا۔ پھر اس کے ڈھکے کو بند کر کے

اسے ہر طرف سے لاک کر دیا۔

تبوت کے اندر سے کٹ کٹ کا آواز آ رہا تھا۔ آواز سے تہ چل رہا تھا کہ وہ اندر پھر پھرتا

رہا ہے اور کچھ کرتا جا رہا ہے لیکن اس کی آواز منمنہ منمنہ کی طرح باہر آ رہی تھی۔

وہ دونوں تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ آئینہ کل تک ڈاکٹر کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا مگر اس نے

بٹکے بے چینی سے کوٹ بدل بدل کر اتار گئے۔ دوسرے دن وہ تہہ خانے میں گیا۔ دوسرے

تابوت بالکل خاموش نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلا ہوا قریب آیا اور تابوت سے کان لگا کر سننے لگا مگر

خاموشی تھی۔

خوش سے اس کی باجھیں کھل گئیں۔

لیکن دوسرے دن کے اس کا منہ ٹپک گیا۔ اندر سے کچھ ایسی سرسبز سناٹا مٹا دیا جیسے وہ

منازلہ جنگ کے آخری بلستر پر کڑی بل رہی ہو۔

ڈاکٹر نے ناگوار سے تابوت پر دستک دی۔ دستک دیتے ہی جیسے اندر کھلبلی مچ گئی۔

وہ بھی اندر سے تابوت کی دیوار پر تھک مارتے لگی۔

وہ جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر تابوت پر ایک زوردار کلات مارتے ہوئے ہو لگا۔

دو سال کی جان کا عذاب بن گئی ہے لیکن میں بھی خدا کا پکارتوں۔ اسی میں مجھے تیرے خدا کا

دیکھنا کہ کب تک زندہ رہے گی۔ تڑپ تڑپ کر مرنے لگی۔

یہ کہ وہ پاؤں پٹختا ہوا تہہ خانے سے باہر آ گیا اور بے چینی سے پنے کمرے میں پہنچ گیا۔

شاہ کو بڑھتی س کے پاس آیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔

”اس عورت کے اس طرح بیچنا نہیں چھوڑے گا ہم آج رات اس تابوت کو جنگل میں لے جا کر

ایک گہرے گڑھے میں دفن کر دیں گے کسی کو تہہ خانے میں لے جا کر جنگل کے کسی حصے میں زمین کے اندر وہ پھینک کر

رکھ دی گئی ہے۔ کسی کو معلوم ہوگا اور نہ ہی کوئی اسے کھود کر باہر نکالے گا۔“

وہ بہت دیر تک اسے اپنی پلاننگ سمجھا رہا تھا جب رات گہری ہو گئی تو ڈاکٹر کی رات میں گیا

وہاں سے اپنی دین میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرنا چاہا کہ اس کے پچھلے دھڑکنے پر آیا۔ برصغیر کھلا اور

پھولیکر آیا۔ وہ دونوں دین کا پچھلا اور فائدہ کھول کر کوٹھی کے اندر آئے۔ پھر وہاں سے تہہ خانے میں

پہنچے۔ تابوت پہلے کی طرح بظاہر خاموش نظر آیا تھا مگر جب وہ دونوں اسے کھینچتے ہوئے تہہ

خانے سے نکالتے تھے تو اس تابوت میں پھر جان پڑ گئی وہ اندر ہاتھ مار کر دستک لگانا میں التجا

کر رہی تھی کہ اسے باہر نکالا جائے۔

مگر وہ دونوں اس کی التجا سے دم چھوٹے ہوئے تھے، اسے خاموشی سے گھیر کر لے

جائے تھے اس دن فی تابوت کو تہہ خانے کی سیڑھیوں سے اوپر چڑھانے وقت انہیں پسینے لگے لگا

وہ ہانپتے تھے اور زور لگاتے تھے۔ یقینی طور پر دیر میں تھک کر سائیں درست کرنے کے

لے رُک جاتے تھے۔ آخر بڑی عرق دیزی کے بعد وہ اسے تہہ خانے سے نکال لائے۔

کوٹھی سے باہر لا کر اسے دین میں دیکھتے وقت بھی خاصی دشواری پیش آئی لیکن وہ

مرحلہ ہی طے ہو گیا۔ انہوں نے دین کے پچھلے دروازے کو ابھی طرح بند کیا پھر اگلی سیٹ پر آ کر

بیٹھ گئے۔

اندھیری رات کی خاموشی میں دین تیز رفتاری سے بجائے لگی۔ اس خاموشی میں

دین کے پچھلے حصے سے کبھی کبھی کٹ کٹ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے غصے سے کہا۔

۱۰ سال کے ہاتھ بھی نہیں نکلتے، جلد بڑھتی جا رہی ہے ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔ اسے تابوت میں بڑکے سے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کو ریش سے اچھی طرح بھردینا چاہیے تھا۔ سوچے ڈر لگ رہا ہے کوئی کارڈی نہیں اور ایک کرتے وقت اس پہلے کی آواز نہ سن لے۔
برسی گیارہ گھر کے سے باہر سر نکالتے ہوئے دھڑ دھڑ دیکھنے لگا۔

دھڑ بادی سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ آگے بچے کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی ہے اور تین رات کو صبح اس دیران راستے میں کون آئے گا؟ کوئی نہیں آئے گا۔ ہاں کوئی نہیں آئے گا۔ مگر مجھے بھی ڈر لگ رہا ہے۔

وہ دونوں ڈرتے جا رہے تھے اور ایک دوسرے کو تسلیاں بھی دیتے جا رہے تھے دو گھنٹے کے بعد جھل کے اپنے نیچے راستوں پر ان کی دین ڈنگ لگ جاتی تھی پھر وہ گھنے درختوں کے درمیان آکر ٹک گئی۔

ڈاکٹر نے اپنی رست مایوس میں وقت دیکھا۔ ڈیڑھ بج رہا تھا۔ برصی چھپنے دروازے کو کھول کر کمال اور بیٹے کو نکال رہا تھا۔ پھر وہ دونوں دین سے دور آکر گڑھا کھودنے لگے۔ برصی کے ہاتھوں میں کمال تھی وہ کھود رہا تھا اور ڈاکٹر پہلے سے مٹی اٹھا کر ایک طرف ڈھیر کر رہا تھا۔
ایک زندہ عورت کینے قبر کھودی جا رہی تھی پہلے سے مٹی مٹاتے وقت ڈاکٹر مسرور رہا تھا ایک قبر میں وہاں ان کے سونے کی گٹھائش ہو سکتی ہے مٹی تو وہاں تاحیات پڑی ہے گی لیکن اس کے ساتھ دھڑ بڑی ہی قیامت کی غیند سوئے گا تھے بڑے جسم کے ایک راز دار کو زندہ چھوڑنا دلائل مندی نہیں ہے اس قبر میں تمام راز دفن ہو جائیں گے۔ تب ہی وہ اطمینان سے اپنے لئے آپ حیات تیار کر سکے گا۔

پھوٹ کی گہری قبر تیار ہو گئی۔ وہ دونوں دین کے پچھلے حصے سے تابوت کو کھینچتے ہوئے قبر کے کئی کئی ٹکڑے آگے پھرا کر لے کر ان میں دھکیل دیا۔ وہ دھڑکتا ہوا نیچے جا کر قبر کی تہ میں جم گیا۔ ڈاکٹر نے پہلے کو اٹھا کر ہونے بڑھتی سے کہا۔

۱۱ ذرا جھجک کر دیکھو اور سنو، کیا وہ جلد بڑھ رہی ہے؟
وہ تھکے کتے کی طرح تھک گیا اور توجہ سے سننے لگا۔ آواز آرہی تھی۔ صاف پہل پہل تھا کہ تھے تابوت کی دیواروں پر ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔

برصی نے صرف چند لمحوں تک وہ آواز سنی۔ وہ چند لمحے ڈاکٹر کے لئے کافی تھے اس کے پاس میں وہ پہلے بلند ہوا اور برصی کی گھوڑی آواز بن گئی۔ اس کے حلق سے ایک جھج جھج کی آواز آ رہی تھی۔ دوسری بار پہلے کا پھیل اس کی گڑبڑ میں آ گیا۔ گڑبڑ آ رہی تھی مٹی وہ تڑپ رہا تھا اور مٹی اس کے پورے پیچھے ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ ڈاکٹر نے جلدی سے وہ لاش قبر میں لٹھکادی۔

”دھپ“ کی آواز کے ساتھ وہ لاش تابوت پر جا کر اونٹن کا ہو گئی، وہاں توئی کی گٹھائش نکل آئی ایک بورت کے اندر زندہ تھی، دوسرا تابوت کھل کر مردہ تھا اور ڈاکٹر پہلے سے مٹی کا ٹھاٹھا کر تھکے خالی پیٹ کو بھر رہا تھا۔

گڑھا بھر گیا۔ زمین پہلے کی طرح ہموار ہو گئی۔ وہ پہلے کو ایک طرف مگر زمین پر بیڑی لاد رہا تھا کہ وہ زمین سے کان لگا کر سننے لگا۔ آواز نہیں آ رہی تھی۔ مٹی مٹی کی تہ بھی چوٹی تھی اس نے وہاں قبر مافڈ پروف چھوٹی تھی سب اس دنیا کا کوئی فرد شے ہی کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔

وہ صبح پانچ بجے تک وہاں بیٹھا رہا پھر ملٹن ہو کر وہاں سے چلا آیا۔
ڈاکٹر عظیم صمدی کے مٹی تجویز کو وہ تینوں بڑی توجہ سے دیکھ رہے تھے اس وقت تینوں کے ذہن میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔

”کیا عظیم صمدی اپنی آپ حیات تیار کر سکے گا؟“

”شوق شگ“ کی ہانگی آواز کے ساتھ سفید دھڑکی ایک جھپک جھپک سے اٹھ کر بیڑی کے صاف ستھری نقائص میں تحلیل ہونے لگا۔ شیشے کی صراحی سے دو فٹ کے فاصلے پر عظیم صمدی

۲۸۲
میں سے لکھتا تھا اس کی نگاہیں مہر کے چہرے پر مرکوز تھیں، جہاں زرد رنگ کا منسلک نظر آتا تھا۔ آہستہ آہستہ مہر کی سی سے وہ سفید و سبب غائب ہونے لگا شاید زرد رنگ کے محلول میں جنب ہو رہا تھا۔

وہ تینوں اس عمل کو ایک کئی گنے کے برابر تھے صرف وہی نہیں بلکہ لیبارٹری کے ایک گوشے میں آجی ملا علی کے پیچھے بیٹھا ہوا ایک بندہ بھی اس عمل تجربے کو محو کر دیکھنے جا رہا تھا۔ ایک بندہ کو بھلا سانس تجربات سے کیا لپی ہو سکتی ہے؟ لیکن کہتے ہیں کہ آدمی اور بندہ کی عادتیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ یہ دونوں اس تلاش کے کو خاص طور سے دیکھتے ہیں جو وہی سمجھ میں نہیں آتا۔

بندہ عظیم مدیقی کے تجربے کو سمجھنا نہ سکے لیکن وہ بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ شاید یہ سوچ رہا تھا کہ عظیم مدیقی ہیئت کا طرح اس دو کو بھی اس پر آزمائے گا۔ وہ کبھر سے کہانی سنانے کے پیچھے تقریباً ستر سال سے بیٹھا ہوا اس لیبارٹری کو دیکھ رہا تھا۔ ایک بندہ کا طبع عمر ستر سال کی نہیں ہوتی، کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا کہ وہ اتنی طویل مدت سے اس لیبارٹری کے کھڑے ہیں انھوں کو درہم ہے اور اپنی بندہ کے ساتھ اس ایرکنڈائٹ لیبارٹری میں پیش کر رہا ہے۔

اس نے سرگھما کر اپنی بندہ کی طرف دیکھا وہ بے چاری ایک جانب چپ چاپ لیٹی ہوئی تھی اس کے پٹوے پٹوے پیٹ کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ وہ حال بننے والی ہے بندہ دانت نکال کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے اپنے بننے پر خوشی کا اظہار کر رہا ہو۔ یہ اس کی زندگی میں پہلی بندہ یا نہیں تھی ستر سال کے طبع میں کتنی ہی آئی تھیں اور اپنی نال علم گزار کر چلی گئی تھیں۔ بندہ سمجھتا تھا کہ وہ جو حال بننے والا ہے وہ بھی کسی دن ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جائے گی اور اس کی جگہ پھر ایک نئی بندہ یا اس کا دل پہلا ستہ آجائے گی۔

اس نے سرگھما کر ڈاکٹر عظیم مدیقی کو دیکھا اسے یہ طویل عیش و عشرت کی زندگی عظیم مدیقی

کے دادا نے اپنے تجربات سے دی تھی اس کے دادا عظیم مدیقی نے آپ حیات تیار کرنے کی کوششیں کی تھیں ان کا نزل سے لیکر زندگی کا تلاش میں جھجک رہا ہے اور اس کے لئے طبعی سانس میں نہ تھے جو بنیاد بننے والے تجربات کر رہا ہے خوش قسمتی سے عظیم مدیقی نے آپ حیات تیار کرنے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی تھی۔ ان دونوں جدید طبعی دواؤں کے بعد اسٹافولا کے آلات اور مشینیں وغیرہ نہیں تھیں اور ایسی ایرکنڈائٹ لیبارٹری بھی نہیں تھی عظیم مدیقی چٹائی پر بیٹھ کر مومن مٹے میں دواؤں پیستے اور حل کرتے تھے کبھی وہ چٹائی پر بیٹھنے کا ذمہ اندازہ کرتے کہیں یہ لیبارٹری کی ایرکنڈائٹ نہ دیا۔ اس بندہ نے انسان کے دماغ کو اور اس کی تہذیب کو کتنی ہی کر دیکھ دیکھ کر دیکھ دیکھ رہا تھا۔

بہر حال عظیم مدیقی نے آپ حیات تیار کر لیا تھا اور اسے اس بندہ پر آزمایا کہ اس بات کا یقین کر لیا تھا کہ اگر اس دوا میں انسانی جسم کی خاصیت سے کچھ تبدیلیاں کر لی جائیں تو وہ اسے پی کر بندہ کی طرح ابدی زندگی حاصل کر سکتا ہے اس خیال کے تحت اس نے مختلف ذرا ذرے سے اس آپ حیات میں تھوڑی سی تبدیلیاں کیں۔ اسے اپنے تجربات پر بڑا اطمینان تھا اور اعتماد سے وہ اس آپ حیات کو نوش کر گیا۔

بندہ نے اس لیبارٹری میں بیٹھ کر عجیب عجیب تلاشیں دیکھتے تھے بلکہ مدیقی نے اس کے سامنے ہی اس آپ حیات کو نوش کیا تھا۔ فردی طور پر اس کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن ہر بندہ جب وہ لیبارٹری میں آتا تو پہلے سے زیادہ کمزور اور بیمار سا نظر آتا۔ وہ اندر ہی اندر کھوکھلا ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی تمام صلاحیتوں کو بڑھا کر اس آپ حیات کے رد عمل سے بچنے کی کوششیں کیں لیکن ایک روز ناسی لیبارٹری میں خون متحرک کر مر گیا۔

اس کے بعد عظیم مدیقی کے باپ عظیم مدیقی کی باری آئی۔ عظیم مدیقی نے اپنے باپ عظیم مدیقی سے پورے والی غلطیوں کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا تو اس آپ حیات میں کچھ ایسی غلطیاں نظر آئیں جنہیں دور سے دیکھ کر ابدی زندگی حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔

پھر بندہ نے عظیم مدیقی کو اس لیبارٹری میں تجربے کرتے اور آپ حیات میں رہ جانے

والی کو پورا کرتے دیکھا۔ اسی یار شری میں اسے خوش سے مغلوب ہو کر آب حیات کا جام چڑھاتے اور اپنے باپ کی طرح دم توڑتے دیکھا تھا۔

اور عظیم صدیق کی باری تھی یکن وہ آتا جلد باز نہیں تھا اور اس دعا کو سب سے پہلے خود پر آزمایا کرتے تھا اور باپ کے عزیز ناک انعام ایک نیکو بیٹا چاہتا تھا۔

وہ بیس برس کی عمر سے اپنے باپ اور دادا کے ساتھ اسی یار شری میں کام کر رہا تھا یعنی اسے تجارت سے گنتے ہونے پر پیش کر دی ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے باپ اور دادا کی ذہانت اور تجارت میں اپنے پیسے میں ہر تجارت کو سمجھ کر نئے سرے سے آب حیات تیار کیا تھا پھر اسے اپنی جوانی اور حسین بیوی شے می پر آڑ لایا تھا۔

اس آب حیات کو شے می پر آزمائے گا و جیرہ تھی کہ وہ اپنے باپ دادا کی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر شے می اسے خوش کر کے مر جائے تو دوسری بیوی آسکتی تھی اور اگر زندہ جاوید ہو جائے تو تودلے ٹھکانے لگا چکا تھا۔ شے می دیر بہت دور کسی جنگل میں منوں منوں تلے دلی پڑی تھی وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اب بھی زندہ ہوگی یا مر چکی ہوگی۔

وہ عظیم صدیق نے بڑی احتیاط سے کام کیا تھا اسے دفن کرنے کے بعد بھی وہ ہر دوسرے تیسرے دن وہاں جا کر مانتا تھا اور اس جگہ کو دیکھتا تھا کہ وہاں کھلی مٹی بھاٹی تو نہیں گئی ہے؟ ہر بار وہاں پہنچ کر ہی اطمینان ہوا کہ گڑھا بد طور مٹی سے بھرا ہوا ہے اس جنگل سے کسی کا گزر نہیں ہوا تھا۔ کبھی کسی جانور کے پھون کے نشان بھی نظر نہیں آتے تھے۔ ڈاکٹر نے کئی بار اس زمین کے حصے سے کان لٹاکر سنا سنا دیا اسے اس کا آواز سنائی نہیں دی پتہ نہیں وہ قبر کی تہ میں وہ طبلہ بجا رہی تھی یا نہیں۔ اس گڑھے کو کھود کر طبلہ سننے کا جرأت نہ ہوئی۔ پھر دفن کے بعد اس حصے میں جری پھری گئی اس آگے لگی پھر زمین کا وہ ٹکڑا جھکی کھریالی کا ایک حصہ بن گیا۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ جگہ کبھی کھود گئی تھی۔

بند نے ٹھہرے کا ملاخون کو تمام عظیم صدیق اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا۔

عظیم صدیق شیشے کی ٹنگی کو پڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا اس کے تیز ساتھی بھی اس تجربے کو لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ بے زبان بندہ اس یار شری میں آنے والے ہر شخص کو جانتا تھا ان میں سے ایک جو سفید صرغ کا سوٹ پہنے ہوئے تھا، اس کا نام بارڈی مین تھا وہ کسی مغربی ملک سے عظیم صدیق کے باپ دادا کی شہرت سن کر وہاں آیا تھا۔ بندہ کی اہل عمری نے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ عظیم صدیق کے خاندان کا کوئی فرد ایک دن آب حیات پانے میں کامیاب ہو جائے گا اور اسی کامیابی کو دیکھنے اور سمجھنے کیلئے بارڈی مین اکثر خاص موقعوں پر عظیم صدیق کے ساتھ رہتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ کس طرح وہ کامیاب قرار ملا اس کے ہاتھ آجائے۔ وہ خود کو بہت ہی ذہین اور عظیم سمجھتا تھا۔ اب یہ دیکھ کر اس کے دل کو عینیں پہنچ رہی تھی کہ آج عظیم صدیق اس دنیا کی عظیم عظیم اور سب سے بڑے الز کے تجربے میں کامیاب ہو رہا ہے۔

بارڈی مین سے تھوڑے فاصلے پر بیوی کی جیس کھڑا تھا۔ جب کہ مشہور ہے بیوی بہت زیادہ دولت مند ہوتے ہیں وہ بھی دولت کے اعتبار سے رئیس اعظم تھا۔ رئیس اعظم ہونے کے باوجود اس دنیا میں تھا تھا تنہا اس لیے تھا کہ تو اس نے جوانی میں شادی کی تھی اور نہ ہی بڑھاپے میں کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ جتنا دولت مند تھا اتنا ہی کنجوس بھی تھا اس کے سوچنے کا انداز یہ تھا کہ اگر شادی کرے گا تو بیوی کا خرچ بڑے گا پھر اولاد ہوگی اور جوان ہونے تک بیٹوڑ کھاٹے گی۔ خا ہرے کہ باپ کا خرچ اولاد میں لاپی ہوگی لہذا اتنی ساری دولت حاصل کرنے کیلئے اپنے باپ کو بھی قتل کرنے سے باز نہیں آئے گی۔

جیس موت سے بہت ڈرتا تھا اور موت سے زیادہ اپنی دولت سے ڈرتا تھا کہ موت کے بعد یہ پرانی ہو جائے گا اس لیے وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ کس طرح اس کی زندگی طویل سے طویل تر ہوتی چلی جائے۔ وہ کنجوس صرف تھا یکن دائمی زندگی کے لالچ میں اس کی دولت ڈاکٹر وڈ کی جھولی میں جاتی نظر تھی۔

پھر وہ عظیم صدیق کی شہرت سن کر یہاں آیا اور اس سے دوستی لگائے لگا۔

اس نے ستر مالہ بند کو دیکھا تھا اور شے ہی جیسی بڑے گنبد کی مریضہ کی حیرت انگیز صحت مندی کی روایت پر بھی ادب اس کے سامنے جو آپ حیات نادر ہو رہا تھا اسے وہ بڑی سے بڑی قیمت دیکر خریدنا چاہتا تھا۔

زندگی۔۔۔ ابدی زندگی۔۔۔ وہ شے کی شفاف صراحت کو اس طرح گھور رہا تھا اور شہنائی جوش اور جذبے کے تحت اس طرح اٹکے پیچے جھول رہا تھا جس طرح سانپ ڈسنے سے پہلے جھومتا ہے اس کی نگاہوں کا لاش نہ ٹھیکہ صراحت پر تھا۔

بارڈی اور جیس کے درمیان مسکن ہارڈ نے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ جوان تھی، حسین تھی اور اس کا جسم شرم سے بھری ہوئی بونل کی طرح نشا انگیز تھا۔ وہ بارڈی کی سیکرٹری تھی اس وقت وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں بالکل تنہا کھڑی تھی اس کے اس پاس کوئی نہ تھا صرف ایک شے کی شفاف صراحت تھی جس میں سرخ رنگ سیال لہریں لے رہا تھا اور اپنی سر لہر کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ میں نے شے کی کوہا بہار جوانی دی ہے۔

شے ہی کہاں ہے؟ آپ حیات نوش کر کے کہاں غائب ہو گئی؟ سوچنے پر سوال عظیم صدیقی سے کیا تھا اور عظیم صدیقی نے ہر ایک کو یہی جواب دیا تھا کہ وہ جوانی اور ابدی زندگی کے غرور میں بھجے بھول گئی ہے اور اپنے کسی آئینہ کے ساتھ جاگ گئی ہے۔

عورت کچھ نہیں چاہتی۔ وہ دولت نہیں چاہتی، وہ دین نہیں چاہتی، دنیا نہیں چاہتی کیونکہ یہ سب چیزیں سر خود ہی اس کی بھول میں ڈال دیتا ہے بشرطیکہ وہ جوان ہو۔ وہ اپنے حسن اور منفرد جوانی سے مرد پر حکومت کر سکتی ہے، اس کی دولت چھین سکتی ہے اور اپنی توہن لیکن اداؤں سے اس کی عاقبت خواب کر سکتی ہے اسی لیے۔ محض اسی لیے عورت اپنی جوانی کی عمر طویل چاہتی ہے۔

سوچنے اپنے تازہ رخساروں پر ہاتھ پیر پیر تھی اور سوچ رہی تھی کیا ان رخساروں پر کبھی بڑھاپے کی جھڑپاں پڑ جائیں گی؟ وہ کانپ رہی تھی عورت اپنے بڑے اعمال سے نہیں کانپتی

بھاپے کے تصور سے کانپ جاتی ہے۔

نہیں۔ میں بوجھ نہیں ہو سکتی۔ صراحت کا وہ سرخ سیل میرے لیے۔ مریضہ سے یہ ہے۔
 "ہا ہا ہا۔ لیبارٹری کی خاموشی میں عظیم صدیقی کا قبضہ گونجنے لگا۔ وہ صراحت کا گردن کو اپنی شمشیر میں چکڑے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میرے معزز دوستو! دیکھو۔ دیکھو میں نے آپ حیات تیار کر لیا ہے۔ یہ دیکھنے والے میرے دادا جان اور میرے تاجا جان کو دیوانہ کہتے تھے شاید مجھے ہی پتہ چلے دیوانہ کہتے ہوں گے مگر ہم دیوانے نہیں ہیں۔ دیوانے تو عجز اور فرار جیسے حالتیں تھے جنہوں نے محبت کے نام پر اچھا بھلا زندگی کا خاکہ کر دیا۔ میں اپنی دھن کا پتہ چاہتی تھی۔ ایک عویل مدت کی محنت اور جدوجہد کے بعد میں نے قیامت تک زندہ رہنے والی دو انبالی سے اس کا نام لیا میری یادداشت میں محفوظ ہے۔"

یہودی جیس نے خوشی سے کانپتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر عظیم صدیقی! میں اس کامیابی پر تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ تم اس آپ حیات کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ میں تمہیں ایک لاکھ ڈالر دے دوں گا۔ تمہاری ہمت۔"
 بارڈی اور مسکن چونک کر بڑھے جیس کو دیکھا لیکن عظیم صدیقی مسکراتا ہوا اپنے کے ایک شوکس کی طرف چلا گیا اور اس میں صراحت کو حفاظت سے لٹکے لگا۔ جیس بڑی سے تالپ سے بول رہا تھا۔ لگا۔

"دو لاکھ ڈالر لے لو۔۔۔۔۔"

عظیم صدیقی جواب میں قہقہہ لگنے لگا۔

"تین لاکھ۔ چار لاکھ۔ تم کہاں کر اس کی قیمت کیا کر سکتی ہے؟"

اس نے بدستور جھپٹتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا کوئی قیمت نہیں ہے تم اپنی تمام دولت بھی میرے قدموں پر رکھ دو تو میں

اسے فروخت نہیں کروں گا۔ میں نے خود ہی نوش کروں گا اور امر ہو جاؤں گا پھر قیامت اس دنیا

کے حسین بکریوں سے شادی کرنا ہو گا۔ اس بندہ کی طرح جو اس کٹھن سے میں مشرکوں سے
ہے ایک بندہ یا مر جا رہا ہے تو دوسری آجائے ہے اس طرح میری ایک بیوی اپنی طبعی عمر گزار کر
مر جائے گی تو دوسری آجائے گی یعنی بیاں مرقی جائیں گی اور ان سے ہونے والی اولاد پرستی
جائے گی۔ چند صدیوں میں اس زمین کے چتے چتے پر صرف میرے ہی بچے ہوں گے۔ اس وقت
میں اس دنیا سے آدھوں کا واحد باپ کہلاؤں گا۔

”پھر یہ کہ میں صرف زمین پر نہیں رہوں گا چاند پر بھی جاؤں گا اور وہاں ایک نئی دنیا قائم کروں
گا۔ دنیا بھر کے اخبار میری تصویریں شائع کریں گے۔ اپنے گھر میں مسیح کی جگہ میری تصویریں لٹکی
کریں گے اور مجھے اپنا پورا گریں باپ سمجھ کر میری پوجا کرتے رہیں گے۔“

اس کی باتیں ہارڈی مین کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھیں۔ ایک پیشہ
باشہ سائنس دان میں اس سے بازی لے جائے۔ بات ناقابل برداشت تھی اس پر اسے جواب دیا کہ
ہم نے ملای دیں دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی دوسری طرح ضرور اس آپ حیات کو حاصل کرے گا۔
عظیم مدیعی کو موقع نہیں دے گا کہ وہ اسے نوش کر سکے لیکن اس وقت اس نے اتفاقاً مسکرتے ہوئے
”ڈاکٹر عظیم مدیعی! تم واقعی عظیم ہو میں اس کامیابی پر تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔“

”شکریہ! عظیم مدیعی نے کہا۔ ”میرے دوستوں اکل کی تائید و حمایت لگی ہے یعنی کہ
میں تم لوگوں کو کل مسیح بیاں آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ کل صبح مکہ آجائے آپ حیات ہستال کے قابل
ہو جائے گا میں تم لوگوں کے سامنے اسے نوش کروں گا تاکہ اخباری رپورٹروں کو تم محبت جان لے
سکو کہ عظیم مدیعی ایک عظیم مہاندان ہے۔“

سوشن اس کی باتیں سن رہی تھی اور کبھی کبھی اسے اور کبھی شوکیں کو دیکھ رہی تھی جہاں آپ حیات
دکھا ہوا تھا پھر وہ ایک امانے نام سے مسکراتی ہوئی عظیم مدیعی کے پاس آئی اور اسے قافلاً
سے دیکھتی ہوئی بولی۔

”میرے جان بھائی! تم نے عظیم کا نام لیا ہے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس پرست

کامیابی پر معنی نہانی مبارکباد دینا ایک طرح کی کج فہمی ہے میں کبھی نہیں ہوں میں بڑی ذمہ داری سے مبارکباد
دینا چاہتی ہوں۔ زبان سے نہیں پلانے گلابی ہونٹوں کی حرکات سے.....

یہ کہتے ہوئے وہ عظیم مدیعی کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بچوں کے بل اٹھتی سوسن کے
شگفتہ چہرے کو اپنی ماسنوں کے قریب دیکھ کر عظیم مدیعی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

”واقعی۔ یہ مبارکباد کا سب سے خوبصورت انداز ہے میں چاند کی دنیا میں جائے کے بعد مبارکباد
دینے کا یہی طریقہ رائج کر دوں گا۔“

اس کے بونٹے ہوئے سوسن کے جوان لبوں میں پیوست ہو گئے اس عظیم بونٹے کے دوران
وہ دل میں دل میں کہہ رہی تھی۔

”بے وقوف ڈاکٹر! جس طرح تم ان ہونٹوں کے قریب آئے ہو اس طرح آپ حیات کا
وہ بیز حیاں ہیں ان لبوں کو چومنے آئے گا.....“

بندہ ان کا طرف دیکھ رہا تھا اٹھکھار رہا تھا اور اچھل اچھل کر اور جیت جیت کر اس طرف
کا حساس دلنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

آدھی رات گزر چکی تھی لیڈا ٹری میں زیر و پا در کا جب روشن تھا جس کی روشنی میں ہر چیز
مٹی مٹی کی نظر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر لیڈا ٹری بندہ کرتے وقت بندہ کی خاطر زیر و پا در کا جب روشن رکھنا
اس وقت منہ اپنی بندیا کے ساتھ منہ کی نیند سو رہا تھا۔ پھر چانک چانک سے اس کی
آنکھ کھل گئی۔

ایک سایہ لیڈا ٹری میں حرکت کر رہا تھا۔ وہ اچھل کر اڑوں بیچہ گی اور اپنی بیٹیوں
کی پشت سے انھیں ملنے کے بعد غور سے دیکھنے لگا۔

سیاہ رنگ کے اسکرٹ اور بلاؤز میں سوسن ہارڈی کے بدن کی چاندنی پھوٹ رہی تھی وہ
لیڈا ٹری کے وسط میں آکر چند لمحوں تک دم ساکھ کھڑی رہی اور گہری نظروں سے چاروں طرف

”اوک۔۔۔۔۔“ دوسرے پہنچے اسی کے ہاتھوں سے جام چھوٹ گیا۔ جام چھوٹ کر
اور ٹوٹ گیا۔ وہ ٹوٹنے لگا۔ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے مینہ کا سہارا لیا، لیکن اس کے تمام جسم کے
اندر ایسی نگ پھیلی رہا جس کو وہ منجھل نہ سکا۔ لاندے سے منہ گر پڑا۔
وہ دم توڑ رہا تھا اور جس قہقہے لگا رہا تھا۔

”..... میرے دوستہ کاش کہ میری بہت مافی لیتے اور میرے ہاتھوں کے فرزند
 کرتے، مگر تہہ ہی تو رکاشکیہ..... تمہارا یاد کردہ آب حیات مجھے صفت حاصل
 ہو گیا ہے۔ پچیس برس میں نے مرگی سے نکال کر اس میں زیر سیر دیا تھا۔ ہا ہا ہا.....
 اس کہانت پوری ہونے سے پہلے ہی عظیم مدیعی ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔ لیکن ہارڈی اب ہمیں
 حیران سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہمیں نے اس سے پہلے اگر مرگی کا آب حیات نکالا تھا
 یا اس کے بعد اگر وہ پہلے آتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہمیں سے دھوکا کھاتے والے ہے۔
 ہمیں اس وقت میں خاص غلطی سے تین قطرے ایک بوتل میں ٹپکا رہا تھا۔ ہارڈی نے اس پر ہوا۔

دیکھ کر چھیل رات یہاں سے تھمتے ؟
 وہاں : جیسے نہیں ہوتے کہا ۔
 یہ کس وقت ؟

”صبح ہونے کو دو گھنٹے پہلے۔۔۔۔۔“

ہارڈی نے افسانہ ساز کی اور طنزیہ نظروں سے جیس کو دیکھنے لگا کیونکہ وہ چور کی
اب ہارڈی کے کچھ پرے زہر کو پیٹنے جدا تھا۔

اس نے ایک گلاس میں زہر کو انڈیل کر اسے ہاتھوں میں لیا اور خوشی سے جھوم کر کہنے لگا۔

”میں زندہ ہو رہا ہوں۔ اب کوئی میری دھت کو ماتہ نہیں لے سکے گا۔ اب میری
دولت قیامت تک میرے ساتھ رہے گی۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک ہی سانس میں تمام زہر حلق سے نیچے آ کر لیا۔

[illegible]

وہ حاصل کئے ہوئے آپ حیات میں کسی خاص نیکی سے تین قطرے ٹپکانے لگا۔
 ”یہ ہے اصلی آپ حیات۔ میں ہوں عظیم ماضیوں میں نے اس آپ حیات کا فائدہ بولا بنایا ہے
 ڈاکٹر عظیم گئی کے اغیر سے میں جا چکا ہے اب میری شہرت کا دور آیا ہے۔
 یہ کہہ کر وہ بھی اس زہر کو پٹا غصٹ پال گیا۔
 بندر دیکھ رہا تھا۔۔۔ دیکھ رہا تھا کہ کتنا کس طرح زندگی کے لالچ میں موت کے گتے لگتا
 ہے اس کے سامنے ہار دے گی بھی سسک کر دم توڑ چکا تھا۔
 تین لاشیں دھرا دھرا دھریں ہوئی تھیں، زندگی، ناپائیدار ہے۔ ناپائیدار ہی موت
 نے اپنا فریضہ پورا کر دیا تھا۔

پھر اچانک سہی لیبارٹری کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ٹیوس ہارٹس نے تیزی سے اندر آئی
لیکن تین لاشوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی کیونکہ اس نے صرف عظیم مدیعی کا موت کا قریح کا تھی۔ ۵۰
محض اگلے دیر سے آئی تھی کہ اپنے پیٹے پر ہونے زہر سے ڈھلے کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی
گوربت بہت رحمدل ہوتا ہے۔ جسے قتل کے لہجے اس کے ٹپنے کا منتظر نہیں دیکھ سکتی۔
وہ تین لاشوں کا مطلب اچھی طرح ذہن سمجھ سکا۔ اس نے سوچا کہ شاید ان تینوں نے اس زہر کو

انت کر یہ ہے یا کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ابدی زندگی کا لالچ کسے نہیں چھوڑا وہ اسی لالچ میں مر گئے ہیں۔

اس سے سوچا یہ اچھا ہی ہوا۔ اب کوئی یہ الزام عائد نہیں کرے گا کہ سو من ہار ڈھلے نے اصل آپ حیات کو چھڑا کر اس لیے مار ڈیا۔ ایک نئی زندگی کی ابتدا ہے۔

اس خیال سے مطمئن ہو کر اس نے اپنے دشمنی میں سے شیشے کی ایک ٹہنی نکال جس میں ڈھکڑا تیار رہا۔ اور وہ آپ حیات بھر اس وقت تک اسی صورت تک نہیں معلوم تھا کہ اس کے علاوہ بھی ایک خاص ٹہنی ہے جس سے تین قطرے اس اور مورت سے آپ حیات میں ٹپکانے جاتے ہیں وہ دوسرے بیجی تھی اس سے ڈاکٹر کے ذمہ ٹولے نے احری آئیم کو زہر سمجھ کر کھلی تھی۔ اس نے ٹہنی کھول کر ڈاکٹر کی لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

و ڈاکٹر میری جان! یہ آپ حیات تیرے مقدمہ میں نہیں تھا۔ یہ میری سدا بہار جوانی کا نہات بن گیا ہے اب یہ کسی لڑھی نہیں ہو سکتی میری زلفیں اسی طرح ریشم کی مانند ملنم ہیں گی۔ میرا جسم اسی طرح تداوم ہے گا۔ میں ہمیشہ ہمیشہ جوان رہوں گی۔

یہ کہہ کر اس نے لگائی ہوئی ٹولے سے زہر کے جام کو لگایا۔

”کھنکھن کھی۔۔۔۔۔“ سند کہہ کر اس نے سلاخوں کو پھونک کر زہر زہر سے ہلانے لگا اور دلت نکال کر لٹکیا لے لگا اس کا آواز جس کے ساتھ سکسن کی کراہیں اور ہچکیاں گڑمڑا رہی تھیں وہ ڈاکٹر کی تھی۔ شامسی آلات اور شیشے کے مرتبان اس کی زد میں آکر چھٹا کوں سے ٹوٹ رہے تھے وہ اپنی سہانگی ہوئی زندگی کو پھرنے کے لئے لیبارٹری کے دروازے سے نکلا۔ یہی تھی لیکن موت اس کی شرارت سے بچنے لگی تھی۔ وہ دھپے تین لاشوں کے آگے گر پڑی۔ چوتھی لاش کا اضافہ ہو گیا۔

لیبارٹری میں سناٹا چھا گیا۔ بندر اکڑوں بیٹھا اپنی دونوں ہتھیلیوں پر غور ڈی رہے ایک فلسفی کی طرح سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

انسان اسی طرح دوسروں کی زندگیوں میں جھینسا رہا گا اور اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھوڑا رہا گا۔ وہ سب مر گئے اور وہ بند انسانوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں سے مرنے کا اور اس دنیا کے فنا ہونے کا تماشا دیکھنے کے لئے زندہ رہ گیا۔ لیبارٹری سے باہر وقت گزرنے لگا سال بھر گزرا صدیاں بھی گزرنے لگیں وقت کے ہاتھوں نے اس لیبارٹری کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اسے کھنڈر بنا کر باہر تھیں کے کھاتے میں رکھ دیا۔ وہ جندہ پہلے جینا گھر پہنچا یا گیا۔ پھر عجائب گھر بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد وہ ایک دن موقع پا کر عجائب گھر سے فرار ہو گیا۔ کوئی نہ جان سکا کہ وہ تاقیامت پہنچنے کے لئے کہاں چلا گیا ہے۔

اس عجیبوں دنیا کا نقشہ بدل گیا تھا۔ کتنے ہی بڑے علم مند لوگ تہہ میہ پہلے ٹھٹھے تھے اور کتنے ہی سلع مند پر اہل علم تھے۔ اس وقت بھی انسانوں کے درمیان ایک دوسرے کو قتل کرنے کا عمل جاری تھا۔ ایک انسان دوسرے انسان کو، ایک مذہب دوسرے مذہب کو اور ایک قوم دوسری قوم کو کبھی زندہ ملامت نہیں دیکھنا چاہتی۔ جسے انسان نے زندہ رہنے کے تہذیبی اصول سیکھے ہیں تب سے دوسروں کو مارنے کے تدبیر بھی کر رہے ہیں کامیاب سے آئندے کے لئے ہیں۔ ان دونوں پہنچا اور بد وقتوں پر اس نے زندگی کی چیزیں ہو گئی تھیں، آئیم اور ہاتھ دھن بھول کے توڑ دیانت کر لئے تھے تھے انسانوں کو جدید طریقوں سے مارنے کے لئے لیزر شعاعیں بھی کام میں لائی گئیں لیکن ہر تباہی ٹھاکہ ایک انسان ہلاک کرنے کا نیا تھیادار ایجاد کرتا تھا اور دوسرا اس سے بچاؤ کی تدابیر کر لیتا تھا۔

آخر چند بڑے بڑے دماغوں نے بھی اچھوکر سوچا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس دنیا کی آبادی کم کرنے کے لئے دوسروں کو حیوان ہلاک نہیں کرنا چاہیئے۔ کوئی ایسا طریقہ سوچنا چاہیئے کہ لوگ خود ہی راضی خوش مر جا کر ہیں۔

اس مقصد کے لئے انسانی فطرت کا گہرا مطالعہ کر لیا گیا۔ اس مطالعہ سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ زندگی کے ساتھ ساتھ انسان کی فطرت بھی بدلتی گئی۔ کبھی وہ شہادت کا دھبہ حاصل کرنے میں نڈان جنگ میں جاتا تھا اور اپنی خوشی سے مر جاتا تھا۔ کبھی اسے غیرت سے جان پر کھیل جاتا تھا، مگر

ہمارے چوڑے نڈ مٹا دیتے۔ وہ تو سب سے پہلے حیات اور احسان کی طرف ہنکتے

میں رہتا۔

میں تیار تھا۔
 چھپ چھپا ہوا دل میں جو درد اور غم ہے بے یمن و راحت دل کی ہے لیکن جو چیز ہے
 وہ شین میں ہے وہ اس کے دل و دماغ سے نہیں جاتی۔ وہ چیز کیا ہے؟ وہ عورت ہے۔ عورت
 مرد کی زندگی جو جبر و غلبہ کی حالت اس شخص میں پڑی ہے مرے خاندان و دستور باوجود اس کے
 مرد اس کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد اس کی عمر کی کو ساری ہے۔

[illegible]

اس طرح انہیں گھٹس لگے چونکہ وہ راضی خوشی مر رہے تھے اس لئے دنیا کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ لکھتے ہیں بعد بڑے بڑے دماغوں کو اپنی ایک غلطی کا علم ہوا۔ وہ غلطی یہ تھی کہ محدثین قاتل تھے اور مرد مقتول، اس طرح مردوں کی تعداد گھٹ رہی تھی اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

مراصل کو تلاش کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ بڑے بڑے دامادوں نے ایک متفقہ فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے عہدوں کے جس بنیاد پر وہ خانہ نکال کر چھینک دیا جہاں مادہ تولید پیدا لیتا ہے اور بچے پرورش پاتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیدائش کا عمل ٹھیک رہا۔

قدرت نے نظام میں زندگی تبدیل کرنا تو انسان کا تہذیب یکسر بدل جاتی ہے اب کوئی
عورت تہذیب عالم نہیں بنتی تھی، اب عورت محض داشت تھی کیونکہ جب عورت وارث نہ پیدا کرے
اور ایک نسل کو اس کے بڑ بھائی تو پھر بیوی کے دشمنے کی تمام اہمیت ختم ہو جاتی ہے، لہذا اب

۲۹۹
عزت مبینہ کے لئے رہ گئی کہ وہ ملک کو ترقی دے اور ملک کو خوش رکھے۔

نصف صدق کے بعد مرد و عورت کو مل کر تہا و بیت ہم کہہ گئی۔ ہر ملک میں لوگ صرف سیکڑوں کی تعداد میں رہتے۔ کچھ بڑے دماغ اپنی فکر کو گہرے جوئی کے انہیں دیکھنے سے مدد دیا۔ کیونکہ ان کی ہر وجہ سے یہ وقت دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اب اس دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں تھی جو ماں بن سکتی اور اس ویرانہ پر اپنے دل و دنیا کو چھٹے سے پونہ سے بیکار کر سکتی۔ کوئی ہے ایسی عورت؟

اس دنیا کے بچے کچھ ملک میں کسی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے ملک کی خاک چھیننے لگے ہیں ایسی کوئی حکومت نہ ملے۔ اس دنیا میں جو جوتیوں پہ گئی تھیں وہ ان سے بڑے بیکاروں کی طرح تھیں جن میں سے ہر ایک نے اپنے سر پہ تختہ طرک کی کڑی لٹائی۔۔۔ (مترجم احمد شہزاد آفریقہ)

پھر نیک بخوئے نہ بتایا کہ میں یک عورت بھی اس دنیا میں موجود ہے جو میری بن سکتی ہے
اس دنیا کی تباہی کو آگے بڑھا سکتی ہے۔

اس نجومی نے اپنے علم کی قوت سے ہزاروں سال پہلے ماضی کا تہہ در تہہ میں جھانک کر دیکھا تو اسے زمین کے ایک خطے میں سونہ مٹی کے تھریک تھریک نظر آیا۔ اس نجومی نے کہا۔

۷۷ میں اپنے علم کی آنکھ سے ایک سی جین دو شیزہ کو دیکھ رہا ہوں جس کے حسن کی مثال ہماری دنیا کی کوئی عورت پیش نہیں کر سکتی۔ میں اپنی سمی قوت کا سکہ ہوں کہ اس تابوت میں اس کے ساتوں کی سرگرم گونج ہی ہے وہ ہزاروں سال سے زندہ ہے اور زندہ رہے گی !

ایک سائنس دان نے بے یقینی سے کہا۔

ہر ایک کے مکن ہے ؟ ایک صحت ہزاروں سال کے کیسے زندہ ہے ؟ ہم نے حیرت انگیز
سائنس ترقیاں کی ہیں۔ سمندر کی تہ سے ہم آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچے ہیں، ہم کائنات کے
گہنے ہی اسرار کو بے نقاب کر چکے ہیں قدرت کے صرف دو راز ایسے ہیں جہاں تک ہم نہیں پہنچ سکے

ایک تو یہ کہ بزرگی معقول محبت سے اعلیٰ پہنچے پیدا کرنا۔ مگر چاہیے محبت سے پہلے جو کچھ
 تھے مگر وہ چند دنوں یا چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے۔ اس کو شش میں ہیں ناکامی ہوئی۔
 بہت دور سے کو شش تھی کہ ہم اپنی زندگی حاصل کریں۔ اس کو ششیں ہر روز میں ہوتی رہتی ہیں مگر
 آج تک کسی کو کامیابی غیب میں ہوئی۔ پھر اندیشہ کیسے تھیں کریں کہ ایک عورت ہزاروں سال سے
 مٹی کے بچے میں ہوئی ہے۔ وہ بچہ اور روشنی کے بغیر کچھ کھائے پئے اب تک زندہ ہے۔
 غرضی نے اب دیا

”میں نہیں جانتا کہ وہ کیسے زندہ ہے البتہ منطق سے سمجھا سکتا ہوں۔ چھل روشنی اور
 جو کچھ غرضی سمجھتا ہے وہ میں زندہ رہتی ہے۔ ایک کٹر روشنی اور جو کچھ بغیر مٹی کی تہ میں زندہ رہتا
 ہے وہ وہی زندگی رکھنے والے طور پر خوراک مٹی رہتی ہے۔ مٹی و شیشہ میں بھی کٹر لے اور
 پھیلنے کی کئی صورتیں ہیں قدرت کا پنا حیرت ہے جسے ہم اوسم نہیں سمجھ سکتے۔ ہم نے آج تک
 جتنی بھی مافیائی ترقیاں لی ہیں وہ دوسروں کو ہلاک کرنے اور خود کو زندہ رکھنے کے لئے کی ہیں۔
 غرضی کے دلائل سننے کے بعد وہ اس مقام پر گئے جہاں وہ ثابت و دلائل کی گاہ تھا۔ دنیا کی
 تمام بات ہی غلط تھی اور وہ تمام غلط باتیں اس جگہ آ کر جمع ہوئی تھیں۔ ان میں مرد و عورت اور
 مرد میں بھی نہیں کسی کو بچہ یا نوجوان نہیں تھا۔ یہ تو نصف مردی سے پیدائش کا عمل تھا جو
 تھا چھپا ہوا جس میں پتہ جو جوان تھے وہ اب اتنی تڑپ سال کے بڑھے ہوئے تھے۔

وہ سب اس جگہ کو باری باری گھورتے تھے کہ مڑھاپے کی وجہ سے مسلسل کدالیں نہیں
 جلا سکتے تھے۔ انسانی دماغ کی قوت کہ جیسے جیسے تھے۔ یہ بیک ہزاروں سال کی مدت میں اس جگہ مٹی
 اور چھوڑا ہوا تاجیہ جمع ہو چکی تھی۔ وہ چھل سے پہلے ہی نظر آتی تھی۔

اس پانچویں صفت میں ان کا میلہ سالگ تھا۔ انہوں نے ان کے وقت کھڑائی کی رفتار درست
 جو کئی سست رفتار کے باوجود یہ یقین تھا کہ مٹی کی صورت ثابت ہو جائے گا۔
 مگر تین دن بھی ان کے چالاک انسان ایک خیمے میں گر کر کچھ خاص قسم کے مشورے کیے

جمع ہو گئے۔ تیل کا کنواں چھوڑا سونے اور ہیرے کا کان ہوا۔ یا محبت کی خبر ہو، جب بھی کرنی
 یہ بچہ نہ ہو کہ نکالی جاتی ہے تو عالمی سیاست میں ان میں نا جال ہے۔ مٹی باندھنے والے شے ی
 ان کے لئے ایک نیا ب عورت تھی۔ ایک ایسی عورت جو اس دنیا کے لئے نہ بنی ہو کر جنم لے سکتی تھی۔
 اس خیمے میں چار بڑے آدمی یا چار بڑی عاتقین بیٹھیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک حالت نکلا۔
 اس دنیا کی پرانی آبادی تقریباً ختم ہو چکی ہے جو مرنے میں وہ اطلاع دینے کے بغیر جاتیں
 گئے۔ اب نئی دنیا کے لئے انسان میں عورت کی لڑکھٹے جنم لیں گے جو مٹی میں دنیا بھر کے دال
 بچے بھڑاؤں میں ہیں۔ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ وہ عورت ہم میں سے کس کے بچے کی عورت ہے؟ یعنی
 اس دنیا کے لئے وہ آدمیوں کا باپ کو لے بنے گا۔

”میں بزرگا۔ دوسری طاقت نکلا۔“ کیونکہ میں ہی ایک بڑی طاقت ہوں۔
 تیسری اور چوتھی طاقتوں نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ وہ اس دنیا کے بڑے ہیں۔ آخری بڑی
 دنیا میں صرف ان کی اولاد پھیلے گی اور پھلے پھلے گی ایک طاقت نکلا۔

”ہم میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ ہم تہہ دنیا کے باپ بنیں۔ لیکن ہم چار طاقتوں
 نے اس ملک ایک اپنے متعلق خود طر من سے فیصلہ کیا تو پھر ہمارے دنیا میں جنگ چھڑ جائے گی
 ہم اس دنیا کی ابتدا سے رشتے کرتے ہیں۔ اس لڑائی جگڑے کا نتیجہ اب ہمارے سامنے ہے۔ ہم
 خود کے ساتھ سے جانے نام رشتے ہیں۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو ہم سب بے جاں ہیں۔ اس دنیا میں
 ہم انسان کا یہ آخری وجود ہے۔ اس کے بعد یہاں ایک بھی آدمی کا بچہ نظر نہیں آئے گا۔ لہذا
 دانش مندی یہ ہے کہ ہم آپس میں اس ایک عورت کو بانٹ لیں۔ پہلے ہم میں سے کسی ایک کے پاس ہے
 گی ایک سال کے اندر سب وہ بچے کا باپ بن جائیں گے تو پھر وہ عورت دوسری طاقت کے پاس مل
 جائے گی۔“

دوسری طاقت نے صبر کرنا نہیں کیا۔
 ”ہاں ہزاروں سال پہلے جب کہ دنیا آباد ہوئی تھی اور جب انسان تہذیب کا مطلب لے

شرم و ہار کے معنی نہیں جانتا تھا، ان دونوں ہی عورت مختلف قسموں میں مختلف قبیلوں کے سرداروں کے پاس پہنچے یہاں پر گئے جہاں کوئی تھی۔ ہمارا اس دنیا کی جو ابتدا تھی۔ انتہا میں بھی وہی بے شرم تہذیب رونے آئی ہے مگر کیا کیا جائے۔ یہی تو یہی دانشمندی ہو گیا کہ وہ عورت ہر سال ہم میں سے ہر طاقت کے پاس ہے۔ یہ اچھے ہیں۔ اس دنیا میں صرف ہم چار طاقتوں کی اولاد ہیں یہی کہ وہ چاروں اس دانشمندانہ فیصلے پر متفق ہو گئے۔ صبح وہ کھڑے والے زمین کی تہ میں تابوت تک پہنچ گئے۔ چاروں طرف شور مچ گیا کہ تابوت نظر آ گیا ہے صرف اتنا ہی نہیں، مزید حیرانی اور خوشی کی بات تھی کہ اس تابوت کے اندر سے ٹھہر ٹھہر کر بیلہ بیلے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

پھر کہتے ہی ہاتھوں سے اس تابوت کو سنبھال کر اٹھایا اور اسے چار طاقتوں کے درمیان لاکر رکھا۔ تابوت کے اوپر لی بیڑیوں کا ایک ڈھانچا ونگہاڑا ہوا تھا اسے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس تابوت کا اوپر کی حصہ کھل گیا۔ جب بے بقراری سے آگے بڑھ کر دیکھا، اندر کچھ عورتیں بیٹھیں انہوں پر دونوں ہاتھ کے بیٹی ہونے لگی۔ ہر سو زمین کی تہ میں سے کے بعد اس کی آنکھیں صرف اندھیرے کی عادی ہو گئی تھیں اس لئے وہ آنکھیں روشنی کو برداشت نہیں کر رہی تھیں۔

چاروں طاقتیں اس کے آس پاس بیٹھ گئی تھیں اور اسے بڑی نرمی سے چھو کر دیکھ رہی تھیں کیونکہ کہا تھا کہ "تم نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کیوں رکھ لئے ہیں؟ اپنے ہاتھ ہٹاؤ۔ ہم تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں دیکھیں گے۔"

انہوں میں جھانکنا چاہتے ہیں۔ شے نے ہاتھ نہیں ہٹائے۔ اس نے فدا سا آنکھیں کھولیں، اور غصہ مٹی کی انگلیوں کی چھل سے پہلی بار اس دنیا کے رنگوں کو دیکھنے لگی۔ وہ کہہ کر عجیب قسم کے لوگ تھے، ان میں سے کسی کے چہرے پر تلخی اور شگفتگی نہیں تھی وہ سب بوڑھے اور وقت کے طمانچے کھاتے ہوئے جھڑپوں دار چہرے تھے انہیں دیکھنے کو بھی نہیں چاہتا تھا۔ شے نے آنکھیں بند کر کے ہوئے پوچھا۔

"تم کو کون؟ میں اس وقت کہاں ہوں؟ مجھے کہیں اندھیرے میں بے چلوئے روشنی ہو رہی ہے۔"

انہوں میں چھو رہی ہے۔"

انہوں نے اسے تابوت سے اٹھا کر ایک اسٹریچر پر بٹھادیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے پڑ گیا وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کہیں بٹھایا جا رہا ہے۔ آدھ گھنٹے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک مالیشان محل کی ایرکٹیشنڈ خواب گاہ میں پایا۔ اس کے دروازے اور کمرے کی ایندھنیں خواب گاہ میں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اس روشنی میں اس نے چند بوڑھے عورتوں کو دیکھا بولے غلے کرانے اور نیا لباس پہنا کر وہیں بنائے آگے تھیں۔ انہیں دیکھ کر شے نے کہا۔

"میں نے کہا تھا کہ یہاں بھی بولے دیکھے، یہاں بھی بولے دیکھا نظر آ رہی ہیں، آخر میں کس دنیا میں آگئی ہوں کہ کوئی زوجہ چہرہ نظر ہی نہیں آتا۔"

اس کے جواب میں وہ بوڑھیاں نے عجیب و غریب باتیں بتائیں لگیں۔ انہوں نے بتایا کہ نصف صدی سے یہاں کسی نے فوٹا نہیں دیکھی ہے۔ اس دنیا میں جتنے میٹرنگی ہوم ہیں، وہاں پالتو کتوں اور بیٹوں کے بچے جنم لیتے ہیں سب بے بی فوٹا کرانے والی جنسی صنعتیں تھیں اب وہ بابا فوٹا کرانے والی ہیں وہاں کی عورتیں پچاس برس سے کسی بچے کو سینے سے لگائے اور بڑی کاٹنے کیلئے ترس رہی ہیں اس دنیا کے چار بڑے کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ گناہوں قدرت کے خلاف عمل تو ان کی کوکھ اجاڑ دی جائے تو یہ دنیا کس طرح ابڑ جاتی ہے۔

شے کی کوئل کرایا گیا۔ اسے رفتہ رفتہ ہر بات معلوم ہوتی گئی کہ اتنی بڑی دنیا میں وہی صرف ایسی عورت ہے جس کی کوکھ سلامت ہے اور وہ اس دنیا کو نئے سرے سے آباد کر سکتی ہے پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا کا آبادی اب صرف چند سو یا ہزار افراد پر مشتمل ہے جن میں نصف سے زیادہ عورتیں ہیں، باقی بوڑھے مرد ہیں اور وہ لوگ بھی رفتہ رفتہ موت کی طرف دیکھتے جا رہے ہیں۔ عقل کے بعد شے کی کوئل دیکھا کہ بہترین ٹیم ٹائیس پیرنٹ لباس پہنا گیا۔ پرنسکلف کھانا کھایا گیا۔ پھر وہ بوڑھے مرد تین اسے اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے بیڑے میں لے گئیں اور اسے بچوں کی سیج پر بٹھا کر آگئیں۔

شے سیج پر بیٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگی وہ بہت ہی خوبصورت اور آرام دہ خوبگاہ تھی۔ دیواروں پر مٹریاں اور جذبات میں پہچان پیدا کرنے والی تصویریں آویزاں تھیں۔ ہزاروں بری ٹمک مٹی کی تہہ میں ساکت و جامد رہنے کے بعد پہلی بار شے مٹی کے بدن میں انگڑائیاں بچھلنے لگیں، وہ خوشبوؤں میں سی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں غلہ چھارہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس دنیا کا پہلا بڑا خوبگاہ میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ ہوئی سی مسکراہٹ تھی پھر یوں کی سیج پر سترہ سال کی ایک دوشیرہ کو دیکھ کر وہ گہری گہری سانس لینے لگا پھر وہ کانپتے چہرے سے قدموں سے ہی کے قریب آیا اور اس کا ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر محبت جبرے مکملے ادا کرنے لگا۔

نیز کی تہہ میں آتش فشاں کی طرح پھٹنے والی شے کی کو مکملوں سے دلچسپی نہیں تھی اس نے اپنی سرسری ہانپیں اس کی گردن میں حائل کر دیں۔ پھر اپنے لبوں کو اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ بوسے کی پہلی منزل بڑی صبر و قیامت پہلے بے لب ملے پھر زبان سے زبان اس کے بعد بوسے کی شدت سے بے ہوشی وامت ٹکرائے اس وڑھے کی تنہی باہر آگئی۔ اس نے فدا ہی دانستہ کے چومنے کو دونوں ہاتھوں سے مضائقہ نہ ہوئے۔

لگ کوئی بات نہیں۔ م۔ میں انہیں ایک طرف رکھ دیتا ہوں۔

وہ وہاں سے اٹھ کر میز کے پاس گیا اور نقلی دانوں کو وہاں رکھ کر واپس آ گیا۔ اتنی دیر میں وہ پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔

خوبگاہ کے باہر اس محل کے باہر فوری طور پر ایک میشرنی ہوٹم قائم کر دی گئی تھا۔ جبر بیک ڈاکٹروں اور نرسوں کی تقریبی موجودگی پرانے صحن کاروں کو بے بل توڑ بنانے کے لاشعش جانک کوئی گئے تھے اور بوڑھی عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھ کر معمول ہوئی ہو رہی یا یاد کر رہی تھیں۔

تمام ملک ان نسل کو خوش آمدید کہنے کے استقامات میں مصروف تھے لیکن محل کے اندر آتے آتے ان کے بعد اس دنیا کے پہلے بیروم کا دروازہ ایک جگہ سے کھلا شے ہی جھنجھو کر۔ اپنی کوئی ہڈی باہر نکلی اور اپنی خوبگاہ میں اگر اور ذرا آتو یہاں کھڑے ہوئے کو سینے سے لگا کر جوتی۔

وہ دیر پہلا بڑا۔ ملامت سے مر گیا۔ سچ مر گیا۔ جس دنیا کو تباہ کرنے کے بعد جب اولاد نہ ہو، جب وہ ایک عورت کو فتح نہ کر سکے اور جب ایک عورت "اور نہ" کی جگہ آئینہ برہمی سینے میں تارکسپل جانے تو اسے شرم سے سر جانا چاہیے تھا، اس نے وہ مر گیا۔

شے ہی دوسرے بڑے کے حلقے میں آگئی۔

دوسرا بڑا زیادہ ہی سمجھدار تھا کیونکہ وہ اپنے بڑھاپے اور شے کی کہوانی کے درمیان جو وہیل فاصلہ ہے، اس فاصلے کو اپنی طرح سمجھتا تھا کہ وہ تمام وہیل سفر نہیں کر سکے گا، اس نے شے کی کو پہلا پہلا رکھا اور اپنے خاص آدمیوں کو کسی ایسے شخص کی تلاش میں روانہ کر دیا جو اس دنیا کے بوڑھوں میں کم بوڑھا ہو، یعنی قد سے جوان ہو اور شے کی کے پتوں کا باپ بن سکتا ہو۔

منصوب یہ تھا کہ خفیہ طور سے باپ کو ملے گا۔ پھر اس گناہ باپ کو چاک کر دیا جائے گا۔ اس طرح باپ کا ٹائیکس نیم اس دنیا کے دوسرے بڑے کو مل جائے گا۔

دوسرے دن اس کے خاص آدمی دو ایسے بوڑھوں کو پکڑ لے جو دوسروں کے مقابلہ میں کم عمر تھے ابھی بری پہلے وہ فزائید تھے اب وہ پچاس برس کے ہو گئے تھے۔ انہیں مکمل بوڑھا نہیں کہا جاسکتا تھا وہ ادھر شرم کرتے اور کافی صحت مند نظر کرتے تھے۔

ان کی صحت کو دیکھ کر دوسرے بڑے کو خطرہ لاحق ہو۔ اگر شے ہی ان میں سے کسی ایک کو اپنے کرلیتی تو پھر اس دنیا کے بڑوں کی ملکیت بھنے سے انکار کر دی۔ کیونکہ عورت کسی بڑے کی بڑی بن کر کھوکھی دنیا کی حکمرانی نہیں چاہتی۔ وہ ایسی ستروں کی تکمیل چاہتی ہے جو اس کے لاشے سے چھوٹی ہیں، وہ ایک جوان مرد کی آرزو کرتی ہے، اور یہی کا آخر میں جینا اور مرنا چاہتی ہے صرف اتنا ہی نہیں، وہ اپنے پتوں کے باپ کا نام بھی فخر سے لیتی ہے اور کسی بوڑھے کے وجود پر باپ کا جھوٹا لیس لگا کر اپنی آئندہ نسل کی آویزیں نہیں کرتی۔

دوسرا بڑا اس حقیقت کو اپنی طرح سمجھ گیا۔ اس نے مجبور ہو کر تیسرے بڑے کو اپنے بڑے مشورہ دی۔ وہ بھی حقیقت حال کی طرح سمجھ گئے اور اپنی کمزوریوں کا بھی اعلان کر لیا۔

۳۰۶
پھر خود نے سوچا کہ جب ہم سے ہماری اولاد نہیں ہوگی تو پھر یہ دنیا ہے یا انسانوں سے خالی ہو جائے
ہائے یہ کوئی فرق نہیں پڑے گا لہذا اس دنیا کو خالی ہو جائے۔ ہم تو عین برداشت نہیں کر سکتے کہ کسی دور
کی اولاد اس دنیا پر حکمرانی کرے۔

اب اس دنیا میں صرف دو ہی نیم جواں انسانیم بڑھے ہیں جسے جن میں باقی بچنے کا صلاحیتیں ہیں اور
جو وہاں پر کڑے کڑے تین بڑوں کے نظم سے قتل کر دیں گی اور اس کا لاشیں چھادی گئیں۔ اس کے بعد
شے می کوڑا چھوڑ دیا گیا۔.. بدوہ کو جس بھی جاکر اس دنیا کو آباد کرنے کیلئے اپنی قسمت آزماسکتی تھی۔
اسی بڑی دنیا میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کا چون سا مہم بن سکتا۔ وہاں صرف ایسے لوگ تھے جو نہ چھپے
کی آخری منزل پر اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ بڑوں پر کڑے تھے وہ باتوں میں دمن ہو گئی تھی، اچھا ہی تھا وہاں سکون سے تھی اب اسے فبرے
نکال کر اس کے جذبات جھڑکا کر اسے بولنے پھوڑنے دیا گیا تھا۔ وہ جگہ جگہ جاتی تھی کبھی فریاد کرتی تھی بد
کبھی اپنا پرہت و علامت کرتی تھی۔

”کیسی دنیا ہے بھائی یہ دنیا اس انسانوں کی دنیا ہے جنہیں شرف انصافات کہہ سکتے ہیں۔ انسانوں کی دنیا
دیکھو۔ تمہارے مردہ چھوڑ دیے ہیں۔ یہ کیسے چھوڑ کر رہی ہے۔“

تم سمجھتے تھے کہ بچوں اور جوانوں سے بغیر تمہاری دنیا آباد ہے گی کیسے ہے گا؟ جو اب ایک
قوت کا نام ہے جو پول کہلاتی ہے فعل آتی ہے اور عورت کو اس بناتی ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا
تھا۔ حق ہو۔ تم نے اپنی تقدیر کو غلط کر رکھا ہے اس دنیا کے چار بڑے شیعہ انوں کے حوالے
کر دیا وہ بڑی طاقتور تھیں۔ تقدیر کی مالک بن گئیں۔ وہ ہمیں اخلاقی موت مالتے تھے اور زندہ رکھنے کے
لیئے غلام کی خیرات دیتے تھے۔ انہوں نے آبادی کم کرنے کے لیے تہذیبی ماؤں اور بہنوں کی کوکھ بھری
ادب آخری وقت تم اپنی اور اس دنیا کی تباہی کا تاثر دیکھ رہے ہو۔

وہ جہاں جاتی تھی فریاد کرتی تھی اور دلتا تھی روتے روتے وقت گزرنے لگا۔ گزرتے ہوئے وقت
کے ساتھ بڑھ چلا اور بڑھے مر سونگے۔ ان تین بڑی طاقتوں نے بھی دم توڑ دیا اور وہ اسی دنیا میں

تہوار گئی

بیتیاں ویزن ہو گئیں۔ راستوں میں دھول اڑنے لگی۔ زمین کے ایک سرے سے دوسرے
سرے تک کسی انسان کی آواز نہ سناں نہیں دیتی تھی۔ ہر طرف گھری خاموشی اور بوجھ سا چھایا ہوا تھا وہ
وہاں بیتوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگے لگی۔

جنگلوں میں چھپ جاتے ہوئے پرندے اور غرتے ہوئے دندے تھے وہ دنیا اب جانوروں
سے آباد تھی، اور وہاں ہر پرندے اور ہر جانور کا بڑا تھا صرف شے ہی تھا تھی۔ اس کا کوئی بڑا نہیں
تھا وہ قیامت کے انتظار میں تباہ جنگ ہی تھی اور قیامت کا دور دورہ تھا۔ پتہ نہیں تھا۔

وہ گھنے جنگلوں سے نکل کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس ہندی سے دھڑل کی
نظر آ رہی تھی۔ لباس کے بغیر یہ دنیا نکل کر ہاتھ ہے اس نے دنیا کی نظر آ رہی تھی۔
اس پہاڑ کی چوٹی پر مسیح سے شام ہونے لگی۔ تب پہاڑ کی پہلے پہل سے آواز نہ لائی
وہ ہنسی کی آواز تھی۔ آدمی انسانی ہنسی تھی آدمی حیوانی ہنسی تھی۔ یہ بکری بکری کی کھی۔۔۔۔۔

ماتھے ایک درخت کی شاخیں ہل رہی تھیں اور چٹان شور مچا رہی تھیں پھر اس گھنے درخت سے
ایک بندر چلا نکلا۔ لگا کر اس کے سامنے آیا اور ایک قلابی کی کاکھڑا ہونگا۔

شے نے حیرانی سے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھا وہ ایسا بند تھا جوڑاؤں کی تصویر کے
مطابق ترقی کی منزل میں لے کر آیا ہوا انسانی سراپے میں ڈھل گیا تھا اس کے جسم کے بال وقت کے ساتھ ساتھ
سوکھے پتوں کی طرح جڑ گئے تھے اسی کے ہاتھ پاؤں کسی قدر صبر سے ہو گئے تھے اور ہاتھ پاؤں کی جڑنے
دو پاؤں سے چلنے لگتا تھا۔

وہ دو پاؤں سے چلے ہوا، اس کے قریب آیا۔ پھر اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اور جھپک کر کہا۔

”آپ نے شاید مجھے نہیں پہچانا، لیکن میں نے پہچان لیا ہے آپ میری جگہ پر ہزاروں
سال سے بیٹھ رہے ہوئے ہیں۔ اسی لئے پہاڑ کی اس چوٹی پر آئے ہیں۔“
شے کی کوہیاد لگیا کہ اس کے حلقہ عظیم صدیقی کے دلوں نے اس بند کو اب حیات پڑایا

تھا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

”میں نے تمہیں پہچانی ہے یا ہے خدا کا سر ہے کہ تم مل گئے۔ میں تمہاری سے گمراہ ہوا تھا۔“

مجھ سے باتیں کرنے والے ایک ساتھی مل گیا ہے۔

”ہاں ہم باتیں کریں گے، دیکھو یہ دنیا کیسے اُجڑ گئی ہے۔“

”ہاں اب زمین پر میں کیسی رہ گئی ہوں۔“

بذرا اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”اب اس دھرتی پر ہم دو ہی جاندار رہ گئے ہیں۔ یہ دنیا تجھ کی ہنسی کے بغیر کتنی

اُداس ہے۔ آؤ ہم ایک نئی دنیا کا تیار کریں۔“

یہ کہنے ہی اس نے شے کی کو اپنی آغوش میں گھنچ لیا۔ وہ ایک دم سے کانپ گئی۔ اس نے

دھڑکتے ہوئے دل سے سوچا۔

”آہ! کیا ڈراؤن کی قیور سی کے مطابق اب یہ آدمیوں کا باپ بنے گا؟“

اس خیال کے آتے ہی وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

شبشوں کی مسیحا

ایسے مسیحیوں کی کہ ہوائی
جو شبشوں کے نازک بدن
کو توڑ دیتے ہیں۔ پھر ہار
پچھتا کر انہیں پیار سے
جوڑنے پر مجبور ہو
جاتے ہیں۔

آدھی رات اور تھی اور کوئی دوسرا اور وہاں کوئی آدم تھا۔ صوفیہ کی آنکھ کھلی تو وہ
 سحرے سرائی کر کے دیکھنے لگی۔ وہ رگڑاتا ہوا دروازے تک آیا تھا اور جیسے چاہیوں کا
 کچھ سال کرتا لکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صوفیہ نے پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھ
 پھر بہتر سے، لڑکھاتے بہتے نظر آتی ہوئی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ دروازے کی چوڑی میں
 چابی ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا غمزنے کے باعث اس کا ہاتھ بہک بہک جاتا تھا۔
 ”آدھی گھنٹہ آدھی سے قریب آتا جاتا ہے مگر ایک چابی اپنے مورخ میں نہیں آتی جب
 تک ماسن ملتی رہتی ہے، زندگی کی چابی اس طرح ادھر سے ادھر بہکتی رہتی ہے نہ نکال سکتے نہ
 موچی ہوئی جنت کا دروازہ کھلتا ہے۔“
 وہ غمزنے میں ڈبڑاتا جا رہا تھا۔ صوفیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”خالہ، تمہیں ہزار بار سمجھا ہے کہ آدھی رات کو اگر بڑبڑایا کر دو، اسی آواز جانیں گی۔
 نہ۔۔۔ میں دروازہ کھولتی ہوں۔“

وہ اس کے ہاتھ سے چابی لے کر دروازہ کھولنے لگی۔ خالہ نے دیوار سے ٹیک لگا کر کہا۔
 ”دروازہ کھولنا، جی بھلا۔ یہ اندھیرا ہمارا ہی بہت سی کمزوریوں کو چھپا لیتا ہے۔“
 ”اپنی کمزوریوں کا ظرف سے آنکھ بند کر لینا اچھی بات نہیں ہے تم اس گھر کو کہاڑھا رکھتے
 ہو ٹیک سے دوسرے کمروں میں ڈھنگ کا سامان نہیں ہے، دیواروں کے پچا ستر لکھڑے ہوئے
 ہیں۔ تم اپنے کمرے میں جا کر ٹوٹی ہوئی چادر پال پر سو جاؤ گے۔ تم اندھیرے میں اس کمرے کو
 بتول کر لیتے ہو غمزدہ نشی میں اس ٹوٹی ہوئی چادر پٹی کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ تم یہیں ڈرائنگ
 روم میں کیوں نہیں سو جاتے؟“

ڈرائنگ روم کا بلب اُٹھ رہا تھا۔ وہ بلب ان کی زندگی کے کم یاد کی طرح اڑھتا
 رہتا تھا۔ ڈرائنگ روم کی ہر چیز کو ٹوٹی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہتا تھا خالہ نے بڑی بے بسی
 ”ہاں، یہ ڈرائنگ روم کچھ سلیقہ ہے۔ ایک صوفہ دس برس پرانا ہے دوسرے کی

مہرمت برس ہے تیسرے صوفے کی عمر کا اندازہ کرتے کیلئے اس کی ٹیک ٹوٹ کر نالک کو دیکر لیا کال ہے
 ان کے درمیان جو ستر ٹیکل ہے اس کی سطح پر چاہا خراشیں پڑی ہوئی ہیں۔ میرا تنخواہ ملنے سے
 ہیں پچھلے کان پر گئے، روغن چڑھایا جائے ڈانٹنگ ٹیکل کا بھی یہی حالت ہے۔ اس کا عیب چھپنے
 کہنے اس پر پلاٹنگ کی چادر بچھا دی گئی ہے شیٹے کاشٹریکس شیٹے کے بتوں سے خالی ہے دبا
 تم نے شیٹے کی ایک ٹکڑیا کو بہت دیر سے منہال کر رکھا ہوا ہے تمہارے دل میں ہر وقت
 دھڑکا لگا، جس کے کریم بکس نوٹ دھننے اس ڈانٹنگ روم کی بجائے ایسے لگتی ہے جیسے کوئی بڑھی
 حوت اپنی ظاہری خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لئے پرانے زمانے کے مٹی کا جمل یا ستر سے کام چلا
 ہی ہو کیونکہ نئے زمانے کے نئے ٹیکل آپ کے لوازمات بہت پہلے ہی اس بڑھے ڈانٹنگ روم
 تک نہیں پہنچ سکتے۔“

”خالہ، تم ہمیشہ دل توڑنے والی باتیں کرتی ہو۔ دل ہوا کا بیج کر گیا ہو نہیں توڑنے
 کی بجائے منہال منہال کر کے کام ہی زندگی ہے۔“

”یہ سیکھتے وقت وہ بڑی آدمی نظروں سے شوکیں میں کھی ہوئی کاغذ کی گڑیا کو دیکھ
 رہی تھی اس کی آنکھوں میں شبنم سی جھلنے لگی خالہ نے اس کے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
 ”ہاں، تم کب تک اس گڑیا سے کھیلتی رہو گی؟“

وہ کچھ ادھی کہنا چاہتا تھا مگر اس وقت ایک کرخت سی آواز آئی دی۔ اس آواز سے
 بوسیدہ دیواریں گونج اٹھیں۔

”تم آج بھی اتنی رات کو آئے ہو اور غمزنے کی حالت میں صوفیہ کو پھر باجی کہتے ہو اگر
 کسی نے سن لیا تو؟“

بوسیدہ ماں اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ڈانٹنگ روم ایک
 قسم کا چوراہا تھا وہاں سے دوسرے کمروں کے دروازے کھلتے تھے ایک دروازہ خالہ کے کمرے میں
 کھلتا تھا دوسرا دروازہ ان کی ماں کے کمرے میں لے جاتا تھا تیسرے دروازے کے پیچھے باہری خانہ

تھا اور چوتھا دروازہ اسی پر سے آنے والوں کے لئے تھا۔ صوفیہ کے لئے کوئی کمرہ نہیں تھا۔ اس
 کاموں کے لئے کمرے میں رہتا تھا اور وہ راستے کے وقت ڈرائنگ روم کے فرش پر چٹائی بچھا
 کر موٹائی ان میں بیٹھ اور پیش کی سب سے پہلی اور اہم دُعا یہی ہوتی تھی کہ کوئی مہمان ان کے مکان نہ
 آئے۔ روز اوپر سے جو خوش پوشی کا بھرم قائم رہتا ہے، وہ ٹوٹ جاتے گا۔ مہمان کے قریب
 آکر پڑھنا۔

”تاؤ تم نے صوفیہ کو باہل کیوں کہا؟“

”اچھا، مجھ سے بڑی ہیں اس لئے میں انہیں باہل کہتا ہوں۔“

”ماں نے جھنڈا کر کہا۔“ ہزار بار منہ کی ہے کہ شراب نہ پیا کرو۔ نشے میں مسخ ہوں

شرع کیسے ہو؟

”اسی حوث بول کر دیکھو اب تک کہیں سے باہل کا رشتہ نہیں آیا۔“

”میرا بھی کہہ رہے ہوتے تھے جوڑے جو لوگ تمہیں دیکھ کر تمہاری پس کا منہ نہ
 لگائیں گے اگر تم نے صوفیہ کہہ کر پکارا کر کے تو تمہارے ایک نام لے لینے سے اس کی عمر تم سے باقی عمر
 دس برس کم ہو جائے گی جلد گتے ہوئے رشتوں کو پکڑنے کیلئے بھاگتی ہوئی عمر کو پکڑ کر جو رشتے جو لوگوں
 میں بند کرنا ضروری ہے بیٹے۔“

”لہذا وہ اس میں شگوم دیا تھا۔ نگاہوں کے سامنے ہر چیز گھومتی ہوتی نظر آرہی تھی
 اس پکڑتے ہوئے منظر میں، اچانک دیکھا اس کی بہن ایک ڈرائس ڈنگھاتی ہوتی شرکیں کی طرف اشارہ
 ہے اس کے چہرے پر ایک مائے ہونے سے وہ نشے میں نہیں تھی ڈنگھانے کی وجہ یہ تھی کہ اس
 کے ایک پاؤں میں معمولی سا پیدائشی نقص تھا۔ چلتے وقت وہ دائیں طرف ایک ڈرائس یوں جھک
 جاتی تھی جیسے تقدیر لالت۔ اگر ایک طرف گزرتی جا رہی ہو اور وہ سنبھلتی جا رہی ہو چال میں
 اتنی معمولی سا نگاہ بہت ہوتی تھی جو پہلے نظر میں غور نہیں ہوتی تھی اگر وہ تیزی سے چلتی تو یہ سب
 بھی چھپ جاتا لیکن تھوڑے سے تو عورت کو سبک لہروں کی طرح پہننے کے لئے پیدا کیا ہے۔“

میدان کی طرح نہیں گزر سکتی تھی۔ جوان لڑکی کی ایک جاہلیت یہ بھی ہے کہ وہ ٹھہر ٹھہر کر گھاہوں
 کے سامنے سے گزرتے۔

وہ شرکیں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اس نے بیٹھنے کی دیوار کو ہٹا کر بڑی محبت سے اور
 بہت سنبھل کر رانچ کی گزریا اٹھائی۔ وہ جتنی عمر کی گزریا بتاتی تھی اتنی ہی عمر اس کے کانچ کے
 دو دو میں ٹھہر گئی تھی اس وقت بوڑھی ماں نے بڑی حسرت سے سوچا کہ اس کو صوفیہ کی عمر ہی ٹھہر
 جاتی وہ بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر کہے میں نے غمی۔ اسے سہارا دیکھ چارپائی پر سلا یا۔ پھر اس کے قریب بیٹھنا
 چاہا تو ٹوٹی ہوئی چارپائی احتجاج کرنے لگی۔ وہ مجھ سے افرش پر بیٹھ کر کہنے لگی۔

”تم روز آدھی رات کے بعد آتے ہو فضول سے نشے میں پیسے برباد کرتے ہو یہی پیسے

بچا کر ہم صوفیہ کو دلہن بنا سکتے ہیں۔“

”کس کی دلہن؟“

بیٹے کا سوال ماں کے دل میں نشتر بن کر چھ گیا۔ دو لہا کا دور دورہ تک پہنچا نہیں تھا اور
 وہ خالوں میں بیٹھ کر دلہن بنا کر شعلے دکھائی تھی۔ کبھی نہ کبھی تو وہ دلہن بننے لگی تھی۔ اس
 امید پر اس نے کہا۔

”کبھی دو لہا کو جلانے سے پہلے دلہن کو بنا سنوار کر رکھنا پڑتا ہے جس گھر میں وہ رہتی ہے

اسے بھی تھوڑا بہت سہنا کر رکھنا ضروری ہے میں چاہتی ہوں قسطوں جتنے صوفیہ خریدیں غولہ

پیسے بچا کر دو لہے کے گھر کیوں کے لئے نشے پر سے لے آئیں۔ یہاں تھوڑی بہت ناشائے کے بغیر کام نہیں

بنا اگر تم میں فضول نشے میں پیسے برباد کرتے ہو۔“

خالد نے کڑواہٹ بدل کر کہا۔

”اچھا! سستے سے سستا صوفیہ ایک ہزار روپے میں آئے گا سستے پڑوں اور کوہ کے

ننگے روغن میں مزہ ایک ہزار روپے خرچ ہوں گے اور میں جو سستی سی شوبہ پتا ہوں اس کا

پورا چھ روپے میں آئے ہیں جو مجھے خرچ کر کے اس فلم کو بھول جاتا ہوں کہ میں دو ہزار روپے کوئی سے

ہیں میں گے۔ یہ نشہ لغت نہیں ہے بہت بڑی نعمت ہے ہم صبح تک قلم عمرو میوں کو بھول جاتے ہیں اور میں کو نارسا روز و روز پتا ہوں۔ مگر کبھی کبھی تو مجھے جیسے کہ نئے شریف پتی کر مرنے کی اجازت دیا کریں ۛ

وایسے باتیں نہ کرو۔ اس گھر میں میری بہو جاٹے گی تو تم بہت سے عمر بھول جا یا کر دگے ۛ
 وہاں۔ اگر کسی آپ کی بہو آئے گی تو کچھ پرانے فلم بھول جائیں گے مگر بہت سی نئی پریشانیوں اور بہت سی نئی ضرورتیں آپ کی بہو ساتھ لے آئے گی۔ اتنی میں تو شادی کے بلے میں کبھی مریجا بھی نہیں۔ جب ایک بیوی کے لئے دل چلتا ہے تو میں کوئی نئی فلم دیکھ لیتا ہوں۔ جب ہم غریبوں کو عورت نہیں ملتی تو فلم کی نئی بی بیروٹیں مل جاتی ہیں۔ سینا مال کے اندھیرے میں وہ صرف جلتے نئے گیت لاتی ہے ہمارے لئے انہی بھرت ہے دولت مند باپ کا بیٹی ہو کر ایک خیرے شادی کرنے کے لئے رسم دروایا اور بھول شان و شوکت سے بغاوت کرتا ہے آخر میں جھ جیسے غریب کے شادی کر لیتے ہیں جی سینا مال کے اندھیرے سے نکل کر اندھیری گلیوں سے گزرتا ہوا اپنے اس اندھیرے کمرے میں آجاتا ہوں میرے ساتھ سینا مال سے نکلی ہوئی دلہن بھی ہوتی ہے۔ وہ ابھی یہاں موجود ہے اس کمرے کا آتش جلے گا تو وہ چل جائے گا جب بیٹے کے کمرے میں بہو موجود ہو تو مال کو وہاں نہیں رہنا چاہیے۔ آپ چل جائیں اتنی۔ کیوں میرا نشہ خواب کر رہی ہیں ۛ

اس کی بڑبڑاہٹ سن کر اس اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور خود بھی بڑبڑاتی ہوئی اس کمرے سے باہر آگئی وہ کس کی ضرورت پوری کر سکتی تھی؟ بیٹا ایک بیوی کے بغیر ویران اور خالی خالی سی زندگی گزار دیا تھا اور بیٹی سہاگن بننے کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی تھی اس نے بیٹے کے کمرے کی طرف پلٹ کر دیکھا تو سے یوں دیکھا جیسے ایک دولت مند بہو اس کے بیٹے کے کمرے میں آگئی ہو اور اس کی ٹوٹی ہوئی چارپائی پر اس کے ساتھ.....

اُسے سوچتے ہی اس نے دروازے کو بند کر دیا۔ یہ آج کل کے لوگوں کو دروازہ بند کرنے کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ صبح چلتے کے لئے ایک پاؤ دو دو دھک دھک ہوا تھا اب بہو کے لئے وہ دو دو دھک

میں بیٹا ہو گا۔ اس نے شوکیں کے پاس بیٹھی ہوئی صوفیہ کو دیکھا تو بیٹے والا سہانا خواب ٹوٹ گیا کیونکہ بیٹی بھی تک اپنی گڑیا کی عمر کو ہاتھوں میں لئے بیٹھی تھی اس نے بیٹی کے پاس آکر کہا۔

”کب تک بیٹھی رہے گی۔ کتنی بار سمجھایا ہے کہ گھر میں بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ تجھے سہیلیاں بنانا چاہئیں۔ دوسروں کے یہاں آتی جالتی ہے گی تو رشتہ دھوڑنے والوں کی نظر دلائیں بھی آتی ہے گی۔“

وہ سر جھکا کر بولی۔ ”اتنی مجھے شرم آتی ہے میں باہر نکلتی ہوں تو یہ موقع کو دل بیٹھنے لگتا ہے کہ بوسہ لوگ مجھے نظر دلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔“

”تم کیوں احساس کمتری میں مبتلا ہوتی ہو تم لنگری نہیں ہو۔ ہر انسان میں کرنی نہ کوئی نقص ہوتا ہے کوئی بظاہر جسمانی طور پر مکمل چرتا ہے تو اس کے اندر کوئی نہ کوئی حوالہ چھپی رہتی ہے۔ چھپی ہوئی خرابیاں ظاہری خوب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ دیکھو اطرد کو نکالنے اور سمجھنے کے کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ اگر تم خود کو گلاؤ گی تو دوسرے اور گراؤ گی۔ تم خود کو یہ سمجھاؤ کہ اس دنیا میں ایسی بے شمار رکائیاں ہیں جو تم سے زیادہ لنگری ہیں یا دوسرے جسمانی طب بکھتی ہیں مگر کسی نہ کسی طرح ان کی شادی ہو جاتی ہے تم ان سے ہزار درجہ بہتر ہو اب میں نے مروج لیلے کہ کہیں سے قرضے کر قسطوں میں سانا اٹھا کر ایک ڈرائنگ روم کو سہی ڈرائی کر لیا جیسے شہر میں ڈرائنگ روم کی سجادہ سے ہم انسانوں کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔ تم سوجاؤ غلہ کرو۔ غلہ کر کے کیسے اچھی میں زندہ ہوں ۛ

ہاں نے اس کے ہاتھ سے کایج کی گڑیلے لی پھر اسے شوکیں میں رکھتی ہوئی بڑبڑانے لگی۔

”ہر شے آدمی کے گھر کا دروازہ اس کے ڈرائنگ روم سے کھلتی ہے آئے والوں کو صاف ڈرائنگ روم میں بٹھایا جاتا ہے اپنی اونچی حیثیت کی نمائش کرنے کے لئے اس کمرے کو خوب سجایا جاتا ہے کسی ناول کا دیباچہ خوبصورت نہ ہو تو اس کے بعد شروع ہونے والی کہانی کی پیر ویش کی خوبصورتی اور معیار کا پتہ نہیں چلتا۔ ڈرائنگ روم کو ناول کے پیش نظر

فکری میں بیکلام کرتی ہے اس کی فکری میری دل کے تے میں ہے روز آتے جتے ہادی
جس میں ہرگز ہے نہ اس سے جا کرنے کے لئے یہاں لانا چاہتا ہوں — میرا مطلب ہے صرف
باتیں کہہ دینے تم کو کہتی ہوں تے میں باتیں کرنے کا موقع نہیں ملتا "

اور یہ باتیں تے میں میں ڈنکے کی کیا بات ہے ؟

"میں جانتی ہوں کہ اتنی کو یہ معلوم نہ ہو نہیں معلوم ہو گا تو وہ اسے بھونانے کیلئے باز ہو
جائے گی اس گھر میں جو اسے کاوش ہے اس میں ایک بھو کیلئے گنجائش نہیں ملے گی
یہاں پر صرف نہیں رہ رہا ہے بتا ہوں اتنی کو چچ میں رہاؤ "

چچ ہیں لاؤں گی تم سے کس لائے ہو ؟

"کل نے ان کا تم سے دس روپے کیوں کو پڑھانے چل جاتی ہیں وہ دوپہر کو تیرے
پہر تو ہیں میں یہ بد وقت ہے کہ ان کا تم گھر میں رہتی ہو اس لئے میں تمہیں روزوار بد میں
فریو میں نہ آؤں گی "

"میں نہ آؤں گی سے یہ ان کی باتوں کو ایسے دل میں چھپ کر کہوں گی "

حادثے خوش ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا اس کی پتیالی کو چوم لیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا
وہ سب سے کہہ کر وہ سب کو یاد رکھا مگر وہ فیکل آٹھوں کے دروازے کھل گئے تھے جیسا کہ
بڑا لڑکھائی وہ سب چائیں تھیں اس کے دل کو ٹھہر کے لئے کہ پوچھ رہا تھا۔
"میرے یہاں کیوں آئے گی؟ ایک حوالہ دیکھ اس کے بھائی کے ساتھ کیوں آئے گی
یہ کیا ہو گا ؟

وہ سو اپنے نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی اسے یہ ٹھہر رہا ہوا نظر آئے وہ
میں وہ بات ہونے والی تھی کہ کسی بولی تھی مگر وہ بات کیا تھی؟ کچھ سمجھ میں نہ آ رہی تھی
وہ سمجھ سے اندر سے ہونے والے کی کوشش کر رہی تھی اس کوشش میں صبح ہونے لگی وہاں کے
حدود، ٹھکانے تو اسے خوب میں کسی اجنبی نوجوان کو دیکھا جو اس سے کہہ رہا تھا۔

"راتے میں باتیں کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس پاس سے گزرنے والے لوگ ہمیں دیکھتے
ہتے ہیں تم سے یہ رات گھر میں گھر چلو وہاں ہم تنہائی میں امیدان سے بیدار محبت کی باتیں کریں گے
وہ خواب کے شہزادے سے کہے لگی۔

"میں ادا کرتی ہوں تمہارے ساتھ تہہ بے گھر کیے جا سکتی ہوں۔ کسی نے دیکھ لیا تو میں
برہم ہو جاؤں گی "

"کسی سے ڈنکے کی کیا ضرورت ہے ہم محبت کر رہے ہیں کوئی جرم تو نہیں کر رہے۔ تم ٹھہراؤ
ہیں ہم تنہائی میں صرف باتیں کریں گے۔

صرف باتیں ہی کرنے کی بات تھی وہ اپنے آئینہ کے ساتھ اس کے گھر میں لگتی پھر اس کے
گھر میں اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی اس کے محبوب کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا
اگر خواب کا ٹکس پر پہنچ کر ٹوٹ جاتے ہیں۔ یا پھر جو بات گھر میں نہیں آتی اس بات تک پہنچے
سے یہ وہ خواب گھر جاتے ہیں جیسے ہی اس نوجوان نے دروازہ بند کیا دیکھ لے ہی اس کی قیام کی
آواز سے بھڑک اٹھا۔

دیکھتے ہیں۔ اتنی دیر تک کیوں سو رہی ہو؟ اب اٹھ اٹھ جاؤ۔

اس نے چونک کر آنکھ کھولی تو غراب کے ساتھ ساتھ وہاں ہی ٹوٹ گی کیسی نہاد زندگی
ہے۔ راجگتی، سکھوں کے سنے کوئی دو لہاؤں کا بند کرنا ہے۔ وہ سوتی آنکھ کے نیچے وہ آواز
مزدور مکمل ہو رہی ہے وہ بے دل سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سنے ڈانٹک ٹیپ پر حالہ دکھا ہو۔
ساتھ میں متوں تھا اتنی اس کے پاس بیٹھ ہوئی بھاری تھیں۔

وہ کام پر جانے کی جلدی ہو رہی تھی تو ذرا سویرے اٹھ گیا کہ وہ جلدی والے چاکر
کھاؤ کے تو باہر خراب ہو جائے گا تم جانو تو نہیں جو کہ جلد میں جھگڑا کے ہضم کر لو گے۔

"اے امی! مزدور بیل کی طرح جھگڑا نہیں کرتے۔ مگر کوہر کے بیل کی طرح محنت کے
یکساں ہو کر یہ ساری زندگی گھومتے رہتے ہیں آپ اپنے چینی جاتی ٹھنڈی پور دیکھتے ہیں۔

اس کی اتنی چلنے کی پالی پر ہسکی تو وہ صوفیہ کو دیکھ کر نظروں ہی نظروں میں بہت
 کچھ کہنے لگا۔ پچھل رات میں سے رازداری کی بات ہو چکی تھی لہذا نظروں نے نظروں کو پہچان لیا۔
 ”دیکھو اپنے دوست پر قائم رہنا۔ اسی کو کچھ نہ بتانا میں گیا رہ جے زبیدہ کے ساتھ آؤ گا
 جتنی دیر میں اس کی اتنی سے چائے کا ایک گھونٹ لیا، اتنی دیر میں خالہ نے نظروں سے
 سب کچھ سمجھ لیا پھر وہ صوفیہ کے عالم میں ادھر اُدھر ناشہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ماں نے حیرانی سے
 کہا۔

”اے کہاں چلے، ناشہ تو ٹھکانے سے کر لیا کرو۔“
 ”بس پیٹ بھر چکا ہے۔“
 ”تو پھر چائے پلو۔“

”تم ہی باپ تو مجھے پڑھاتی ہیں چنے ڈیوٹی سے بڑھ کر نہیں ہے مجھے دیر ہو رہی ہے۔
 وہ کرسی کی پشت سے کوٹ اٹھا کر پہننے لگا۔ وہ کوٹ اس کے لئے پچھلے ہی بننے
 امریکہ سے آیا تھا، امریکہ نے بڑے غریب پرورد ہوتے ہیں ہاتھ ملک کے غریبوں کیلئے نری کے
 حساب سے جدید فیشن کے کوٹ تیار کر بیٹھے تھے۔ یہ تھے ہی سردی کا موسم ابھی شروع نہیں ہوا تھا مگر پیر
 کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ زبیدہ کے ساتھ ذرا بچنے کے لئے اس نے کوٹ پہن لیا تھا۔ اپنی شخصیت کو
 زنا پرکشش بنانے کیلئے اس کے پاس اس کوٹ سے بہتر کوئی چیز نہیں تھی۔

مب و چلا گیا تو صوفیہ کے لئے کیا رہنے کے تک وقت گزارنا مشکل ہو گیا۔ وہ دس بج
 تک پاس کے ساتھ ٹکر کے کاموں میں وقت گزارنے کی کوشش کرتی رہی۔ جب دس بجے اس کی
 ماں پرائمری اسکول میں پہن کر پچھلے چل گئی تو باقی ایک گھنٹہ سا ڈن بن گیا۔ کچھ خالک باتوں نے
 اچھا کیا تھا کچھ اس کا اپنا خواب اسے پریشان کر رہا تھا۔

”توبہ توبہ۔ کیا شرناک خواب تھا۔ آج تک اس نے کسی اجنبی نوجوان سے بات نہ کی تھی
 اور خواب بھی وہاں ہی اس کے ساتھ اس کے گھر چل گئی تھی توبہ توبہ میں کبھی یہ نہیں کروں گی۔“

وہ اس نفسیاتی الجھن کو نہ سمجھ سکی کہ اس کی جس بات سے اٹھ رہی ہے، شریفی اور پتو کے
 عالم میں اسی بات کا تدارک۔ تو کہ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ پتو کے شریفی کی اس قدر احساس کمتری
 میں مبتلا تھی کہ کسی کسی اجنبی کے قریب سے گزرتے وقت بھی خود کو ہاتھ لپیٹ کر سڑک سے جاتی تھی۔
 گیارہ بجے سے پہلے ہی دروازے پر منکب ہوئی۔ منکب سننے ہی اس کا دل تیزی سے
 دھڑکنے لگا اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی دوسرے کے ساتھ دوسرے گھر کا دروازہ کھول
 رہی ہو۔ اس نے دروازہ کھولا تو خود کو ایک دم سے اجنبی ماحول میں پایا ایک اجنبی نوجوان
 دروازے پر کھڑا ہوا تھا وہ جلدی سے دروازے کی آٹھلے کر پنا دوپٹہ دست کرنے لگی وہ پوچھا
 چاہتی تھی کہ وہ کون ہے سوتی آنکھ کے دروازے سے نکل کر آگئی تھیں کے سامنے کیسے آئی ہے؟
 صوفیہ نے دروازہ کھولنے وقت اسے صرف ایک نظر دیکھا تھا لیکن وہ نوجوانی دروازے
 کے نیچے چلی گئی تھی وہ بھی چند لمحوں تک گم سم گھرا رہا۔ پھر اس نے کھنگار کر گلا صاف کرتے ہوئے
 پوچھا۔

”خالہ کہاں ہے؟ میں اس کا دست ہوں۔“

صوفیہ کے دماغ میں اس کی بات کا جواب موجود تھا مگر اس وقت وہ بونا بھول گئی
 تھی۔ اجنبی سے ذرا انتہا رکھ کر پوچھا۔

”کیا تم کو لگتی ہو؟ مجھے یقین نہیں آتا کہ اتنی خوبصورت لڑکی قوت گویائی کا عہدہ ہو سکتی ہو۔
 اس کی بات سن کر وہ گھبرا گئی۔ ایک تو پیسے ہی قدرت نے اس میں عیب لگا دیا تھا اب
 سسٹم سے کوئی سجدہ یا تو کیا ہو گا؟ وہ کوئی تاثر حاصل کرنے بغیر وہاں سے چلا جائے گا۔
 وہ بڑی مشکل سے چمکیاتی ہوئی بولی۔

”وہ۔۔۔ وہ نہیں ہیں۔“

”خدا کا شکر ہے کہ تم جو بولنے والی گڑیا ہو۔ میں تعریف کرنے پر مجبور ہوں۔ تم برا
 انسان۔ یہ اچھی چیز تعریف کی مستحق ہوتی ہے تم ایک گڑیا کا طرح حسین بھی ہوا۔ معصوم بھی۔“

صرفیکے کانوں میں شہنائی بج رہی تھی۔ اپنے اپنے احساسات بہتے ہیں کوئی
 ہوس کے پٹائے میں بند کرنے کیلئے بیت بجاتا ہے کوئی اسے شہنائی کی آواز سمجھ لیتی ہے۔ یہ اپنی
 اپنی سمجھ کی بات کہتا ہے جس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
 "حالانکہ شادی نہیں کی ہے تم میں کس قدر والی تو نہیں ہو سکتیں۔ پھر کون ہو؟
 دریں میں نہ کہ بہن ہوں۔ بس آپ۔۔۔ چلے جائیں میں دروازہ بند کر دوں گی و
 "چلا جاؤں گا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں خالد کے ساتھ دل میں کام کرتا ہوں۔ آج وہ
 دیوہی پر نہیں آیا ہے میں اسے گھنٹے کا چھٹی لے کر اس کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔ اور
 تم جو کہ دروازہ بند کر رہی ہو۔"

وہ جواب کا انتظار کرنے لگا جواب نہیں ملا۔ دروازہ بھی بند نہیں ہوا کسی ٹک کی کتنی
 کڑبڑی بہت کہ سبھی دیتی ہے اسے پھر کھڑا کر گھلا صاف کرتے ہوئے کہا۔
 "تم بہت اچھی ہو۔ میں پہلے بھی اس گھر کے سامنے آچکا ہوں۔ میری خالد سے باہر ہی
 ملاقات ہو چکی کہ تھی آج پہلے بار دستک دینے کا اتفاق ہوا۔ کتنا حسین اتفاق ہے۔ میری ایک
 بات مان لو پھر ایک بار اپنا چہرہ دکھا دو۔ میں تمہاری صورت اپنے دل میں اتار کر چلا جاؤں گا و
 ہائے کیسے دل میں اتار جائے بولتے تھے۔ اجنبی نوجوانوں کے بازار سے اس دھن سے
 پر پہلی بولی آتی تھی جو اس گلام سی ٹک کا بھاؤ بٹا رہی تھی۔ اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہونے کے بعد
 بھی اس میں اتنی جرات نہ ہوئی کہ وہ خود کو دکھانے کیلئے بی بیانی سے سامنے چل جاتی وہ دھن سے
 کے پیچھے بولے بولے لڑتا رہی اجنبی نے دیکھ کر کہا۔

"میں بچہ گی تم سامنے نہیں آؤ گی۔ میں جا رہا ہوں۔ اگر میرا نام یاد رکھ سکو تو یاد کر لیا۔
 میرا نام آسن سے۔۔۔ خدا حافظ۔"

اس کے بعد اس کی آواز گم ہو گئی شاید وہ چلا گیا تھا وہ بڑی پریشانی سے سوچنے لگا
 وہ سامنے کیوں نہیں گئی۔ آج کل کی لڑکیاں تو مرد سے ایک ہاتھ آگے نکل جاتی ہیں وہ بچے کی

راہ گئی۔ اس نے ڈوبتے ہوئے دل سے دروازے کو بند کر دیا اس کے بعد وہ جوں قدموں سے چلتی
 ہوئی شوکیں کے پاس آگئی۔ شیشے کا دیوار کے پیچھے کانچ کی گڑیا کھڑی ہوئی تھی اس گڑیا کے
 سامنے بھی کوئی اجنبی آیا ہوگا مگر اس نے جان کر یا اسے شیشے کی دیوار نہیں پہنائی ہوگی اس کی حیرت
 دروازے کے پیچھے سے نکل کر اپنا مکھڑا نہیں دکھایا ہوگا۔

اس نے شیشے کو ایک طرف منہ کر کر گڑیا کو بڑی احتیاط سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا پھر
 اسے اپنے سینے سے لگا لیا اس وقت دروازے پر دستک سنائی دئی۔ اب اس کا بھائی آیا ہوگا وہ
 اس کے ساتھ زبردہ بھی ہوگی اس کے دل سے ایک آہ نکل۔ آہ زنگ کے استوں میں ہر ایک کو ایک
 ایک ہمسفر مل جاتا ہے۔ زبردہ کو بھی مل گیا۔ اور وہ اپنی لنگر کی چال کو چھپنے شوکیں کے پاس چلی
 ہوئی تھی۔

اس ڈرنگ دوم کے باہر جب تک وہ قدم نہ نکالتی تو اسے سمجھنے والا ہمسفر نہیں ملتا
 اس نے اسے کئی بار سمجھایا تھا مگر وہ اپنے دماغ سے احساس کمتری کو نہیں مٹا سکتی تھی اس نے وہ کبھی
 کبھی بہت مجبور ہو کر باہر نکلتی تھی کسی اجنبی کو دوست بنا تو دوڑکا ہاتھ دے دے کسی ٹک کو سیریل
 بناتے ہوئے بھی چمکی پاتی تھی۔ اسی نے باہر جا کر خالی ہاتھ واپس آجاتی تھی۔ یہ تو نہ نہیں کیسے اتنی مدت
 کے بعد ایک اجنبی راستہ بھول کر آگیا تھا لیکن اس نے شرم و حیا کے باعث یا ماڈرن خیال کے مطابق
 اپنی حماقت سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اسے آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیا اور اگرچہ نہ پر غور کر دیا۔
 پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونک کر کھڑی ہوئی۔ پہلے رات سے اس نے سوچ
 رکھا تھا کہ خالد اپنی دوست ٹک کو لے کر آئے گا تو وہ اپنی اس عادت سے بھائی کے لئے لٹنے کا انتظام
 کرے گی مگر اس اجنبی نے سب کچھ ٹھکرایا تھا وہ دونوں ہاتھوں سے گڑیا کو تھامے دروازے تک
 آئی پہلے سے ایک جھکے سے دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر اس کمزور اتھا۔ اسے خلافت تو تیس دو بار دیکھتے ہی صوفیہ کی سانس
 اوپر کا اوپر رہ گئی۔ اسے تو لڑی دروازہ بند کرنے یا اس کے پیچھے چھپنے کا ہوش نہ مل چکا

ہے کہ اسے ہوش رہا اور یہ عقل آگئی ہو کہ بار بار دروازے پر آنے والے کو مایوس نہ کیجائے۔
یہ دقت اچھڑے ہوئے حالات کو سمجھا بہت مشکل ہوتا ہے احسن نے مسکرا کر کہا۔
"میں نے دودھ تمہیں دیکھنے کی آزدگی۔ مگر تم نے دروازہ بند کر دیا۔ تمہیں نظر بھر کر
دیکھنے کی یہ تیسرے سمجھ میں آئی کہ پھر ایک مرتبہ دروازے پر دستک دوں۔ اب دیکھو تو کہ میرے دل کی
مراد کس طرح پوری ہوئی ہے۔"

حونیہ ایک دم سے جھنجب کر دروازے کے پیچھے چلی گئی اس وقت احسن کی شرکت
پر غصہ میں آ رہا تھا۔ اور ایک استغاثی سی مسرت کا احساس بھی ہو رہا تھا کہ کوئی اسے ایک نظر دیکھ لے
کیسی تدبیریں کر رہے ہیں دروازے کے باہر کھڑا صرف اسی کے لئے سوچ رہا ہے مگر وہ خود نیکو
دیکھ کر مسرور ہو رہی تھی وہ کہتی تھی وہ سب سے پہلے چلے گی۔

"آپ اس طرح باہر نہ آئیں۔ میں بدنام ہو جاؤں گی۔"
"مجھے بھی ایسی مناسی کا ڈر ہے یہ میں نے اطمینان کر لیا ہے کہ یہاں آتے ہوئے مجھے کس نے
دیکھا ہے؟"

"بھری سی جیسے ہائیں، میرا دل گھبرا رہا ہے۔ اس کی آواز میں لطیف سی رنڈ تھی۔
"پہلے پہل اب ہی ہونے لگی۔ میرا دل بھی گھبرا رہا ہے مگر یہ محبت سے اٹھانے کے حال گھبراہٹ
سے جب آٹھ لٹ بات آئے تو مجھے اپنا نام بتا دو۔ میں یہاں سے جانے کے بعد تمہیں کس نام سے
یاد کروں؟"

گڑیا کے سسے لگی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی۔ اُسے اللہ کی اب ایک مرد کی زبان پر میرا
نام لے گا۔ یہ سوچ کر خوش تر ہو رہی ہے مگر ڈر لگتا ہے۔ احسن کی آواز سنائی دی۔

"ایک گڑیا تمہارے سینے سے لگی ہوئی ہے کتنی خوش نصیب ہے وہ۔ چلو اسی گڑیا کا نام
بتا دو۔ میرا اس گڑیا کا نام پکارتے گا تو تم میرے خیالوں میں آجیا کرو گی۔ کیا نام ہے اس کا؟"
"حونیہ،" شرارتی چوٹی زبان سے اپنا ہی نام ادا ہو گیا۔

"شکریہ۔ اب یہ بتا دو کہ کتنی دیر اس وقت تنہا رہتی ہو؟ خالد نے اپنی اتنی کا ذکر کیا تھا
وہ کہاں ہیں؟"

"وہ صبح دس بجے بچوں کو بڑھانے جاتی ہیں پھر منہ بندے واپس آتی ہیں۔"
"پھر ایک ہفتہ کیسے۔ اب میں جانوں ہوں اکل سوچ دیکھ کر ہر آؤں گا۔"
"حونیہ نے گھبرا کر کہا۔ "نہیں۔ آپ۔ نہ آئیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔"
"دیر سے کہاں چلے گی ڈر لگتا ہے۔ میں بہت سوچ رہی ہوں کہ تم اطمینان نہ کرو تو میں بدنام
نہیں ہونے دوں گا۔ اچھا خدا حافظ۔"

شاید وہ چلا گیا۔ حونیہ دروازے کے پیچھے سے نکل کر اسے دیکھ سکے۔ وہ شرمیل لڑکی تھوڑی
دیر تک انتظار کرتی رہی۔ پھر دروازے کو بند کر لیا۔ اب وہ اپنے بھائی اور نیندہ کو بالکل ہی
بھول گئی تھی۔ یہ نہیں وہ آئے گا کہ یہاں گم ہو گئے تھے اور جس کے آنے کی کبھی توقع نہیں کی جاسکتی تھی
وہ دوبار اس کے دل کے دروازے کو کھول چکا تھا۔

اس نے غریبا کو شوکس میں رکھ کر شیشے کی دیوار کھڑی کر دی۔ اب گڑیا کی عمر اس میں سا گئی تھی
پہلی بار ایک مرد کی تعریفی نگاہوں نے اس کی عمر کا تعین کیا تھا۔ اسے گڑیا کی طرح کم از کم سولہ سال کی نہ
سہی بیس سال کی سمجھ کر پہل گیا تھا۔ حالانکہ خالد سائیس سال کا تھا اور وہ خالد سے تین سال
بڑی تھی اس طرح عمر کا حساب لگانے سے دل بیٹھنے لگا تھا۔ وہ جلدی سے پلٹ کر دیوار پر لگے ہوئے
چوٹے سے آئینے کے پاس گئی۔ آئینے احسن کی نظروں سے دیکھنے لگا اسے اب تک کسی مرد کی نگاہوں
سے قریب سے چھو کر نہیں دیکھا تھا وہ بالکل اچھوٹی تھی۔ دراصل مرد کی انگلیاں اور اس کی نگاہوں
کی حرکت صورت کی عمر دہا دیتی ہیں۔ یہ نہ ہو تو اس کے حسن اور اس کی شادابی پر ڈاسی بھی خوش نہیں
آتی۔

وہ دن بڑا خوشگوار تھا کہیں لافانی شہنائیاں گونج رہی تھیں۔ کہیں دل کی دھڑکنوں
کے ساتھ مہانگی کے ڈھولک بج رہے تھے۔ رگ رگ میں نشہ سا گھل رہا تھا۔ وحشت کا دھماکا

صوفیہ کا سرعہ کیا۔ ایک بار اس کے جی میں آئی وہ ماں کو بھائی کے لئے جس سب کچھ بتائے
 آخر وہ اس سے بیٹے کی عمر میں اور نسرادیوں کو سمجھ کر خاموش ہو جائے گی۔ جب اپنی پوجی کی
 خواہشیں پوری کرنے کے قابل نہیں رہتی تو چپ چاپ تماشا دیکھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ماں
 اپنی بیٹی کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر اس کی بہت سی چوڑیاں پکڑ لیتی تھی۔ اس نے کہا۔

”حوالہ تم اپنے بھائی کا کوئی مدت چھپا رہی ہو۔“

صوفیہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر خود اسی نظر میں چرائے لگی۔ ماں نے کہا۔

”ہیں ماہر نفسیات نہیں ہوں میں ایک اپنے بچوں کے ساتھ رہ کر ماں باپ کو اتنا سیدھا آجاتا
 ہے کہ وہ ان کے مزاج کو سمجھ سکیں اور ان کی سوچ کو کھڑا سکیں۔ جب ہم کسی کی بات کرتے ہیں
 تو بات ختم ہونے کے بعد اس کے متعلق سوچتے ہیں۔ ابھی میں خالد کی باتیں کر رہی تھی۔ لہذا تم خالد
 کے بارے میں سوچ رہی ہو۔ کچھ چھپا رہی ہو۔“

”کہہ نہیں آتی۔ آپ تو سب کچھ پڑ جاتی ہیں آپ بھائی جان پر نہکتے چھٹی کرنے اور انہیں
 لٹائے ڈپٹنے کے سوا کچھ نہیں جانتیں۔ آخر وہ بھی تو انسان ہیں۔ روز صبح سے شام تک چھٹی ہوتی
 مشینوں کے ساتھ مشین نہیں بن سکتے۔ وہ تو گھبرا کر دیندے بھاگ جانا چاہتے ہیں۔ وہ تو کبھی کبھی
 اپنی اس سے جھگڑتے ہیں ان بہت عرصے کے بعد انہوں نے آؤ کیا ہے بہت مدت کے بعد وہ اپنی
 ایک دوست کے ساتھ۔۔۔۔۔“

وہ کہتے کہتے رنگ گئی۔ ماں نے اسے گھور کر دیکھا۔

”دوست مذکر تو ہے تم ٹوٹ کے طہر یہ کیوں کہہ رہی ہو کہ وہ اپنی ایک دوست کے
 ساتھ۔۔۔۔۔ ابھی دوست کی ہوتی ہے؟ یا تو تم ہادی زبان کمر وچے بعض اوقات تم تذکر کو تائید
 بنادتی ہو یہ وہ صحیح کسٹائٹ کے ساتھ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ وہ شاید بکے نشے میں
 اکثر غلطی ہیر و خول کا باتیں کرتا رہتا ہے۔ سوچ سوچ تاؤ کیا میں نے اپنی کسی دوست کو لاکھ لاکھ تم
 سے کیا ہے؟“

صوفیہ نے چپ چاپ آہستہ میں سر ہلا دیا۔
 ”وہ کون ہے وہ لڑکی؟“

”وہ زبیدہ۔“

”زبیدہ کہہ دینے سے میں کیسے سمجھ لوں گی کہ وہ کون ہے؟“

”اس کی ایک آنکھ نہیں ہے۔“

”کیا؟“ ماں نے تقریباً حیرت کر چوڑھا۔ ”کیا علم کی ہر روٹن ایسی ہوتی ہے۔“

”ہادی زندگی میں ایسی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ مجھ میں بھی تو ایک نقص ہے۔“

ماں کو اپنی بیٹی کی لنگر اپٹ یاد آگئی۔ ایک فطریہ ہے وہ ماں بن کر اپنی بیٹی کی
 بیویں کیڑے نکالنا چاہتی تھی۔ ماں بن کر یا لگیا کہ لڑکوں کے ساتھ یہ قدرت کا مذاق ہے اس
 مذاق کے لئے صوفیہ اور زبیدہ جیسی لڑکیاں مجبور ملو رہے ہیں وہ جس سے پہلو بدلتے ہوئے
 رہیں۔

”نیک سے مگر میرا بیٹا بہت خوبصورت ہے اسے کچھ گھرانوں کی کٹنی کی خوبصورت لڑکیاں
 مل سکتی ہیں۔“

صوفیہ نے جواب نہیں دیا۔ ماں اسے خاموش دیکھ کر خود ہی سوچنے لگی۔

”میری طرح دوسرے لڑکوں کی مائیں بھی اس سفار میں سوچ سکتی ہیں کہ ان کے بیٹوں کو
 ایک سے ایک حسین لڑکیاں مل سکتی ہیں جو تمام چیزوں سے پاک ہوتی ہیں پھر لنگڑی صوفیہ کو اپنی
 ہو کر بنایا جائے۔“

خود غرضی تو ہر جگہ ہے ہر دل میں ہے انسان کے ہر مفاد میں ہے۔ ماں کے دل نے سمجھا یا
 کہ صوفیہ کے جسم میں ایسا نقص نہیں ہے جیسا کہ زبیدہ میں ہے۔ جیسا کہ اور دوسری لڑکیوں میں
 ہو سکتا ہے۔ اپنی بیٹی میں تو عیب جو ہی نہیں سکتا۔ وہ چلتے وقت لنگڑاٹی ہوتی تھیں بلکہ لہرائی اور
 دل کاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

تھیرے ہی بدل جائے گا :-

یہ خبر کوہ پیر ماں ہی خانے میں چلی گئی۔ صوفیہ شوکیں کی طرف دیکھ کر سوچنے لگی۔
 اتنی ایسے منصوبہ بند ہی میں جیسے وہ سچے دو لہا بن کر بیٹھے گئے۔ کیا سچا جیسا ہو سکتا ہے؟
 یہ سوچتے ہی اس کے کانوں میں شہنائیاں گونجنے لگیں۔ ڈھولک کی تقابیر پکلیاں گیت گانے لگیں۔
 - ہٹا میرا تے گا۔۔۔ تے کو چشم تصور میں دیکھتے ہی اس نے شرک پر چہرے کو دونوں اطراف سے چیر دیا
 یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جیل کا دیباہ پہنچ کر سب ہی اپنی عکازانہ ہوئی زندگی کو بھول
 جاتے ہیں۔

خالد شام کو ڈیوٹی کے وقت کے مطابق واپس آیا۔ ماں غصے میں بھری دیشی تھی۔ بہت
 زیادہ غصے میں بولا نہیں جلتا۔ وہ بس کئی بار دہراتے رہتے۔ خالد ہمیشہ کالا پرفا سادہ مل کر
 نظر انداز کر کے کوٹ تہمت پر پہنچ کر اس کی طرف جانے لگتا۔ ماں سے بددلت نہ ہو سکا۔
 - کبھی عاصیہ پر اصرار ڈالتی تھی۔ یہ کوٹ کبھی لینڈ کرانے گئے تھے۔ ملبہ جھوٹے زہر
 کو ڈیوٹی گئے تھے۔ سب معلوم ہو چکا ہے۔ بہتر ہے کہ اپنی زبان سے سب کچھ کہہ دو۔
 خالد غصہ موم کر صوفیہ کی جانب شکایت بھری نظروں سے دیکھی۔ ماں نے ڈانٹ کر کہا
 - اسے کیا دیکھ رہے ہو؟ تم میری بیٹی کو سنا رہے ہو کہ وہ مجھے جھوٹ بولے۔ تمہاری
 قرار گیروں کو کبھی سے چھپاتی ہے۔ صوفی انہر ماں سے جاؤ۔ یہ
 صوفیہ ماں کے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جاندے کے بعد ماں نے کہا۔

وہاں۔۔۔ بہت تباہ؟

- آپ سب کچھ جان چکی ہیں اور میں کیا بتاؤں؟

- تم سے یہ سناؤں گی؟

- آپ ایسے سوال کر رہی ہیں جو کا جواب ایک بیٹا اپنی طرف سے ملنے نہیں دے سکتا۔
 - اور ایک جھٹلانی بیٹی جن کے سامنے بھی تو میرا نہیں کر سکتا۔

- اور اتنی پیرا میاں بر کرنے سے پہلے میری محوریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ کیا چاہتی
 ہیں؟ یہ میں ساری زندگی خواب دیکھتے دیکھتے یا لپٹ لپٹتے دیکھتے گزارا دوں؟
 - دم غلیں کیوں دیکھتے ہو؟ یہ غلیں اخلاق بگاڑ دیتی ہیں۔

- یہ غلط ہے اتنی۔ ہمارا غور و مہاں بدلہ اخلاق بگاڑتی ہیں۔ ہم فنان فطرتا شکاری
 عاشق اور جنگجو واقعہ ہوتے ہیں جب ہمارے اس فطری جذبہ کی فیکس نہیں ہوتی تو قسم شکاری عاشق اور
 جنگجو قسم کے ہر دو کی غلیں دیکھتے ہیں وہ غلط قسمی گھبراہٹ ہے تو ہم بھی فطرت میں گھبراہٹ ہیں۔
 وہ دشمنوں کو شکاری مار رہے۔ حالات سے روکا ہے کہ ہر مسئلہ کے فلاح بخوں سے اپنی دولت
 مند حسین مجبورہ کو چین لینا ہے تو ایسے وقت ہمارے جذباتوں کی تسکین ہوتی ہے۔ پھر ہم اپنے
 اس بوسیدہ سے مکان میں آکر سوچتے ہیں کہ ہم یہاں کیوں نہیں کر سکتے۔ پھر ہماری عمر وہاں نہیں بھاتی
 ہیں کہ گھر میں آکر دو لاکھ روپے کا تاپہ تو ہم اپنی محنت سے کم از کم دو سو کر سکتے ہیں۔ اگر بیٹے کے
 پہلو میں دو لاکھ والی مجبورہ آتی ہے ہمارے سامنے۔ میں کم از کم ایک لاکھ والی تو
 آسکتی ہے مگر جب ہمارے حصے کی بات آتی ہے تو اخلاق قدروں کی دیواری ٹکڑی کر دی جاتی ہیں۔
 - اخلاق قدروں کو بھولا نہیں جاسکتا۔ یہ کیسی غیر اخلاقی بلو شرمک حرکت ہے کہ تم نے
 جوں ہیں کو اپنا راز دار بنایا ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ وہ محصور کتنے محرومیوں کا شکار ہے تمہاری
 اس حرکت سے اس کے ذہن پر کیا اثر پڑے گا؟

یہاں سوچتے سوچتے اور ڈانٹتے ڈانٹتے اتنی ٹکڑی ہو گئی۔ اتنی مدت کے بعد صوفیہ کو راز اس
 جرات پیدا ہوئی ہے کہ مجبور کے وقت مانگنے سے روک نہ لے تو کسی سے لگ کر کھانا پانی پھر راجہ کر
 کماٹی جاتی ہے میں نے بہت مجبور ہو کر اس سماج کے دستور خان سے ایک لڑکی کو چرایا ہے۔ آپ خود
 دیکھ لیں کوئی نے بہت شرمیلی چوری نہیں کی ہے چوری کے بعد بھی جس طرح میں شوکیں دیکھا کرتی ہیں
 اسی طرح ایک دیکھی ہوئی لڑکی ملے ہے۔

- میں صوفیہ کی بات کر رہی ہیں اور تم بات بدل رہے ہو۔

” صوفی ایک نادان نہ کی ہے اتنی ۔ نادان ہے معصوم ہے اور اس شوخی میں رکھی ہوئی اور
 کی طرح اس سے میں نے کسی صبر کرتے اور کسی رنگوں سے جنت کرتے نہیں دیکھا ۔“

” بچہ گھر کی رنگی ایسی ہی نادان اور بے حس نظر آتی ہے مگر وہ اندر سے کیسا بے رحم اس سے زیادہ
 نہیں جانتے مگر اب اس کا بچہ اتنا اور سمجھاؤں پڑے گا ۔ تمیں اس کے دشتے کی فکر کرنا ہوگی کیا ایک
 دوست تھا جسے ساتھ میں کام کرتا ہے اس کا نام حسن ہے ۔ کیا اس کی شادی ہو چکی ہے ؟“

” آپ اس کو کیسے جانتی ہیں ؟“ اس نے حیران سے پوچھا ۔

” پیسے میری مدت کا جواب دو ۔ کیا اس کی شادی ہو چکی ہے ؟“

” میں ۔ وہ بھی میری طرح جواب دیکھتا ہے اس کی تنخواہ مجھ سے پچاس پیسے زیادہ ہے ۔
 پھر تو چار روپے ہے ۔“ اس نے جلدی سے کہا ۔

” مگر وہ سوچتا ہے کہ جب بیوی لے لے گی اور بچے پڑھیں گے تو تنخواہ نہیں بڑھے گی ۔ وہ پندر
 سو پیسے چار روپے کے برابر ہوا جائیگا ۔“

” اتم لے کسی دن یہاں لے کر آؤ ۔ میں نے سمجھاؤں گی کہ بیوی بچوں کی تنقید سے بھی آدمی بڑھ سکتا
 وہ اگر کوئی لطیفہ ہے تو لکھ لکھنا چاہیے ۔ اگر اس میں حقیقت ہے تو پھر یہ سب کہ بیوی بچوں کی
 نیکوئیوں کو لینا چاہیے ۔ ویسے یہ باتیں کہ آپ اس کو کیسے جانتی ہیں ؟“

” وہ یہاں آئے ہیں کیا تمہیں گھر میں بھی ۔ صوفی نے دروازہ کھولا ۔ دونوں نے ایک دوسرے
 کو بھی طرح دیکھ لیا ہے ۔“

” کیا مطلب ؟“ کیا وہ گھر کے اندر آیا تھا ؟

” نہیں ۔ وہ اندر سے ہرگز رہا ۔“

” آپ کیسے کہہ سکتا تھا کہ صوفی نے آپ کے در پہ ہے وہ یہاں اندر آیا تھا ؟

” اگر میری بیٹی نے مجھے جھوٹ بولا ہے تو اس جھوٹ پر تمہیں شرمنا چاہیے ۔ کیونکہ میں نے
 ایک لڑکی کیسے جس گھر کو دروازہ کھولا ہے ۔“

خالد نے غصے سے منہ پھیر کر کہا ۔

” اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صوفی بے حیائی پر اتر آئے ۔ میں اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا ۔“

” مجھ اس مت کو اپنے بدن میں اگ لگتی ہے تو میں اس کا اس میں پھونکے تھکے اس کو ذرا بھی عقل

ہے تو سمجھا دے گا ۔ وہی اس گھر میں ٹھہر رہی ہے ۔ مجھے اپنی بیٹی پر پورا اعتماد ہے ۔“

میرے سامنے کبھی جھوٹ نہیں بولتی ۔ میں نے اس سے ملامت کی اس سے وہ دونوں ایک دوسرے کو

پتہ نہ کرتے تھے اس کی تصریح کر رہا تھا ۔

” کیا وہ میری بہن کی تعریف کر رہا تھا ۔ میں اس کی زبان کیسی لیں گا ؟

” یہ تو تو کہیں کے زبان کیسے کہے جو اسے تھکے یہاں پہنچ کر کیوں نہیں لاتے ۔ میری

عقل سے کام کرو ۔ وہ یہاں ایک بد آئینہ تھا ۔ اسے یہاں ایک وقت کا گلا لگی کھا ہے گا ۔ یہاں اطمینان

ہے مجھ کو صوفی سے باتیں کرے گا تو شادی کیلئے فوراً اس پر چلے گا ۔“

” کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ یہاں لکھے اور اپنی بہن سے اسے باتیں کرے گا سوچتے دوں ؟

یہ بے خبری ہے ۔“

” یہ مصالحت لڑائی ہے ۔ تم کی جان میں لگے ہی گھروں میں جھگڑ کر دیکھتی ہوں ۔ ہر جگہ یہی

ہوتا ہے ۔ اپنی بیٹیوں کو سات پردوں میں دیکھنے والے والدین بھی حالات سے مجبور ہو کر پتہ پٹائی کر پاتے

ہے نہ وہ دلدادہ سے مل بیٹھنے کا موقع دیتے ہیں ۔ گھر کی بات گھر میں رہتی ہے باہر والوں کو پتہ

نہیں چلتا کہ گھر کی چار دیواری میں تنہا دیر کے لئے کورٹ شپ کی اجازت ملے گئی ہے ۔“

” مگر اتنی آپ یہ تو سوچتے کہ مجھے کتنی شرم لگے گی ؟

” شرم تو کچھ بھی آئے گی مگر اب میں شرم سے زیادہ یہ سوچنے لگی ہوں کہ وہ تمہیں برس

کی ہو چکی ہے اس کے کچھ میں اور کچھ میں سو مل سکتی ۔ مگر تمہیں شرم آنے تو تم گھر میں رہنا ۔ تنہا ۔ تنہا

دیر کیسے باہر چلے جانا ۔“

خالد نے کچھ جواب نہیں دیا ۔ مجھ پر ہٹ کا مظاہرہ کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا ۔

میں اٹھ کر ڈانٹنگ ٹیل کی طرف سے گھوم کر آیا پھر سے تنے صوفے پر اٹھ آیا۔ اس کے بعد اس کے رخساروں کو پیار سے تھپک تھپک کر آؤ زینے لگا۔
 ”وصلی میری جان کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟“

اس کا سر زچکڑا تھا پھر وہ انھیں کھول کر سر کے پاس کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرے لگی مگر کچھ سمجھے ہیے ہیے ایک ایک تاریکی چھا گئی شدید جل کا فیوز آؤ گی تھی پھر پورے علاقے کی عمل چلی گئی تھی اندھیرے نے اس رات کو اور زیادہ بد حال کر دیا۔ اندھیرے نے اس کی تم کو بہت پیچھے جا کر چھیک دیا مگر اسے اس اندھیرے میں وہ کھٹکھٹا اور کچھ نہ سمجھے کی حالت سے دوچار ہوئے لگی خیر کہ تاریکی میں خوب آنا نہیں سمجھتے جتنا جاگتی آنکھوں کا اندھیرا بہت آہستہ سمجھ دیتا ہے

وہ بہت دیر تک اس اندھیرے سے اٹھتی رہی جو ظالم سی تھا اور میرا ہی محض فائزہ ہی لگا تھا اور دم چوڑا سی تھی اور اس کی چٹنی چٹنی آنکھوں کے سامنے رنگ بنگے جگمگاتے تھے تھا چاک ہی شوکیس کے پاس گزرتیوں ایک جماعے سے ٹیٹ ٹوٹ گی انہوں نے سراسر اندھیرا توڑ کر تاریل دیا وہ انھیں گھوڑی نہیں دے لگا تھا۔ یہی وہ شوکیس پر آکر کھڑا تھا پھر اس کی انھیں تاریکی میں کو دھکے کی برک طرف جارہے تھے اس نے ہنس کبکڑ سے بھاگ دیا تو وہ فوراً ہی ہٹا لی ٹروس کے حصے سے یہ ہوتا ہے ٹیٹ ٹوٹ چکا تھا اس نے اندھیرے میں صوفے کو ٹھکڑا دیکھا تو وہ دونوں ہاتھوں سے سر پھینے رہ رہی تھی۔ اس نے رتی ہوئی گڑیا کو آغوش میں لے کر کہا۔
 ”کیا ہوا میری جان کیوں مار رہی ہو؟“

وہ مسک مسک کر کہنے لگی ”میری کانچ کی گڑیا ٹوٹ گئی ہے۔“ اندھیرے کو ہاتھ سے سنبھال کر دھکا تھا۔ کبھی کسی کو ہاتھ نہیں لگائے دیتی تھی مگر اس بار نے نہ جانے کون سے ڈکے توڑ دیے۔

اس نے لہجے بکارے لگا۔ ”اس میں ڈکنے کی کیا بات ہے چھل اسے تو ایک حد تو چھائی تھی۔“

وہ اس کے بازوؤں سے نکل کر وہیں سے اٹھ گئی پھر اندھیرے میں رات ٹوٹتی ہوئی شوکیس کی طرف چلنے لگی احسن غلامے آؤ لڑ دیا۔

”کہیں ہو تم؟“

اسے جواب نہیں ملا۔ وہ گہری تاریکی میں گھومتا رہا۔ پھر چاک ہی چھل اٹھی ڈانٹ دہم روشن ہو گئی۔ وہ شوکیس کے پاس ٹوٹی ہوئی گڑیا کو ہاتھوں میں لے بیٹھ گئی اس گڑیا کے باج میں وہ شوکیس کے بازو بھرے ہوئے تھے احسن نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے کہا۔

”خیر کرو، میں نہیں دوسری گڑیا لارہے ہوں گا۔“

صوفے نے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا پھر بڑی آہستگی سے بولی۔

”مجھے گڑیا نہیں چاہیے۔“ لگا۔ ”آپ کی ضرورت ہے۔“

”خگے ہی تمہاری ضرورت ہے جب تک ہم ایک دوسرے کے دکھ درد کو نہیں سمجھیں گے“

اس وقت تک ایک دوسرے کے نہیں بن سکیں گے۔

”میں آپ کے تمام دکھ سمیٹ لوں گی۔“

”میرا ایک ہی دکھ ہے۔ درد میری دیکھی بہن سے جب بھی میں اپنی شادی کے لئے سر جاتا ہوں“

تویر بغیر مجھ سے کہتا ہے کہ پہنے بہن کی شادی کرو۔

وہ بھائی جان بھی میرے لئے پریشان نہیں ہیں۔“ صوفے نے کہا۔

”پر غیرت مند بھائی پہنے اپنی بہن کی فکر کرنا ہے۔ یہ فکر کرتے کرتے میں بوڑھا ہو رہا ہوں“

مجھے تو سب ہی رشتہ دیتے ہیں مگر میری بہن کا رشتہ کسی سے نہیں آتا۔ اب میں نے سوچ لیا ہے کہ“

ایسے گھر میں رشتہ کروں گا، جہاں سے ایک بہن کو اپنے گھر لائوں گا وہ اپنی بہن کو دھن بنا کر

اس کے گھر پہنچا دوں گا۔ پہلے زمانے میں جو بے راجہ نہیں ہوتے تھے تو جن سے جنس کا تبادلہ

ہوتا تھا تنہا ہی اتفاقاً کسی دور میں بھی ایسی عورتیں ہونے لگیں اور بیٹوں کے

مسائل اس طرح حل کر سکتے ہیں میں تو یہی ہمیشہ کے لئے اپنا لوں گا۔ مگر اس سے پہلے تم اپنے بھائی کو راضی

اور وہ میری سادقت و اوفادے پر ایمان لائے۔

میں نے ان بات بھائی جان سے کہے کہ جس قدر جوں

تیر ہی اتنی عہد تیر ہی اتنی پٹے تیر ہی اتنی گئی

تیر ہی ان کے ہاتھ کسے ہاتھ کی آواز آئی وہ ڈرنگ میں داخل ہوئے

کھانسی آواز میں ہی کہیں اس جگہ سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ صوفے نے جلدی سے پناہ طلب

کی یہ اپنی عمری سوئی رہی وہیں پر رونا باندھتی ہوئی وہ اپنے کمرے کی طرف چلنے لگی

وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

دست پر سے وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

ہاں اس وقت کمرے میں وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

خارجہ سے کہتی تھی۔ وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

حلقہ کی ہل چلی گئی تو وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

تھکاتی ہوئی وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

تھکاتی ہوئی وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

پڑوسن نے اپنی بیٹی کا ذکر چھڑ کر اسے الجھایا۔ وہ اپنی طرف سے یہ کہہ رہی تھی کہ سستی تھی کہ وہ اپنی

صوفی ایک جوان کے پاس چھڑ کر آئے اور اب اندھیرا ہو گیا ہے اور اس جوان سے بات نہ کی

تو یہ اندھیرا ہونے سے صوفی کی بڑھتی ہوئی پر چھڑ کر آئے۔

وہ بہت دیر ہو چکی تھی بڑھتی ہوئی سے کہہ نہ سکی۔ صوفی کے کمرے میں چل گئی

صوفی وہ وہاں آئی۔ تو اس کا چہرہ تیر ہی صوفے پر صوفی کے کمرے میں چل گئی

کی یہ اپنی عمری سوئی رہی وہیں پر رونا باندھتی ہوئی وہ اپنے کمرے کی طرف چلنے لگی

دست پر سے وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

خارجہ سے کہتی تھی۔ وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

حلقہ کی ہل چلی گئی تو وہ صوفے پر نہ آئی۔ وہ سکرانی ہوئی اتنی عمری وہیں پر کمرے کی طرف چلنے لگی

وہ ایسے نہیں ہیں۔ وہ بہت اچھے ہیں انہوں نے کہا کہ کل اپنی بہن کو لے کر انہوں نے

ماں کو خدا امین ہو کر ایک نیکو حسن پہلے بھی اپنی بہن کو لے کر کہا تھا کہ چکا تھا۔ اس نے پوچھا۔

حسن انہوں نے کہا کہ بہن رہا تھا۔

ہاں وہ کہتے تھے کہ بھائی جان ان کی بہن سے شادی کر لیں وہ بھی تم جیسے۔۔۔۔۔

اچھا چاہیں سمجھتی ہے۔ اس کی شرط ہے کہ وہ اپنی بہن کی بات چھڑ کر آئے۔ اسی وقت

یہ کہہ کر تھی کہ بہن بہن نادان ہو تمہاری نادانی کی وجہ سے ہمیں یہ شرط ماننا پڑے گی۔

صوفی چپ چاپ آٹھ کر اپنی ماں کے کمرے میں چلی گئی۔ ماں فری پڑے آٹھ کر فری پڑے

ہوئے بہن اٹھنے لگی کیسی بھولی ننگا ہے۔ ۴ اندر سے کہہ جھوٹے لوگ ہوتے ہیں صوفی کو یہ

دیکھتے ہیں کہ طرح چھوڑ کر چلے جاتے ہیں کی وہ واپس آئے گا۔ یہ سوچ سوچ کر وہ صوفی کی

دراڑ پر جا رہا تھا۔

خدا اپنے دستور کے مطابق آدمی رات کے بعد واپس آیا تو وہ اپنے بیٹے کا انتظار ہی

مانگ رہی تھی۔

کی ہوا تھی۔ حسن سے کہہ بات نہ کی۔

وہ تو بات بنا گیا۔ اگر تم چاہو تو فدا ہی تمہاری بہن کے ہاتھ پہلے ہو سکتی ہے۔

میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے میری عمر وہ آدمی ہے اسی آدمی سے کہہ چکا کہ وہ نہیں بنایا

مانگتا ہے۔

بہنیں ہم جیسوں کے ہاں دولت اور چیز کے پڑ شادی نہیں ہوتی چیز سے چیز کا

تبادلہ ہوتا ہے تم اس کی سہ سے شادی کرو تمہاری بہن بھی سہاگن بن جائے گی کل وہ اپنی بہن

کو لے کر یہاں آئے گا۔ تم اسے دیکھ لینا۔

اور اگر وہ پسند نہ آئے تو۔۔۔

یہاں روکی رہ کر کہنے کا سوال نہیں ہے۔ اپنے بیٹے بیٹوں کو پسند کرنے کا ہاتھ ہے

وہ اپنی بہن کے لئے تھیں پسند کر چکا ہے تم اپنی بہن کیلئے سے پسند کر لو اپنے دماغ سے یہ سوچ کر
خیال نکال دو کہ تمہاری زندگی میں فکروں جیسی کوئی دو مستند ہیروئن کسے گی خواب کچھ ہرستی
زندگی کچھ اور ہر گز ہے بیٹے۔

خالہ ماں کے پاس سے آکر کچھ چلیا پائے کمرے میں چلا گیا اس رات صوفیہ اپنی ماں کے کمرے
میں سوئی رہی اور صبح کو رہی۔ ماں نے اسے بتا دیا تھا کہ خالہ اپنی شادی کی بات سن کر خاموش ہو گیا ہے
صرف اس کے دماغ میں ایک الجھن ہے وہ یہ کہ لوگ اسے پسند آئے گی یا نہیں؟ صوفیہ ہر کوٹ پر
دعا مانگے ہی تھی کہ جس طرح احسن نے اسے پسند کیا ہے اسی طرح خالہ بھی اس کی بہن کو پسند کر لے۔

دعا ملتے ملتے صبح ہو گئی اس روز خالہ ڈیوٹی پر ہیں گی شاید وہ احسن کا سامنا نہیں کر سکتی
تھا اس سے باتیں کرے سے ہے اس کی بہن کو دیکھنا پسند تھا۔ وقت گزرتے گزرتے دیر ہو گئی ہے شام کو احسن
اپنی بہن کو لے کر ان کے دروازے پر آگیا ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا تو صوفیہ اور خالہ کی آنکھیں بھی کھل
کی کھلی رہ گئیں احسن کے ساتھ اس کی بہن زبیرہ کھڑی ہوئی تھیں اور دلچسپے دیکھنے کو اپنے جیسے پر کچھ
کر لیا۔ آنکھ کو چھپانے کا کام کرکٹس کر رہی تھیں خالہ کے دل میں آیا کہ وہ اسی وقت صبح صبح لکھا
شرع کرے نہیں میں اس سے شادی نہیں کروں گا میرے خوبصورت فلی خوابوں کا اس طرح مذاق نہ کرو
گلو کہ زبیرہ بھا۔ اس کی اپنی بہن لنگراتی ہوئی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی احسن نے اپنی
بہن کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے جوتے کہا۔

”یہ میری بہن زبیرہ ہے۔ یہاں اس مکان کے مدینے آکر یہ ایک دم سے گھبرائی تھی۔
آئے سے انکار کر رہی تھی میں نے ڈانٹ ڈپٹ کر پوچھا تو اس نے بتا دیا کہ یہاں پہلے بھی آچکی ہے تو مجھ سے
آپ دو گونے مجھ سے یہ بات کیوں چھپاتی؟“

بوزخمی ماں نے زبیرہ کو یہاں آتے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے پہلے بیٹے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا
اس کے بعد صوفیہ کو دیکھا تو وہ جھجکتی ہوئی بولی۔

”اتنی یہ وہی ہے میں نے آپ کو بتایا تھا۔ یہ بھائی جان کے ساتھ یہاں آئی تھیں۔“

یہ سننے ہی احسن نے چونک کر پوچھا۔

”زبیرہ تم۔ تم خالہ کے ساتھ یہاں آئی تھیں؟“ پھر اس نے خالہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیوں
آئی تھی؟ تم کب سے میری بہن کو جانتے ہو؟“ تم کس دن سے میرے یہاں لائے تھے؟“

خالہ نے کہا۔ ”احسن تم جارجاؤ انداز میں سوالات نہ کرو تمہارے بہن اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی تھیں۔“

زبیرہ نے چونک کر سر اٹھایا اور شکایت بھری نظروں سے خالہ کو دیکھنے لگی۔ وہ زبان سے

تو کہہ نہ سکی مگر اس کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ خالہ کچھ اکیلے کو ازام نہ دو۔ یہاں آنے میں صرف میری

مرضی نہیں، ہم دونوں کی مرضی تھی۔ اگر ہم نے کوئی جرم یا گناہ کیا ہے تو ہم دونوں مجرم یا گناہگار ہیں۔“

احسن نے کہا۔ ”خالہ اتنا دل دونوں ہاتھوں سے جمتی ہے۔ تم دونوں ہی

اس بات کے جوابدہ ہو زبیرہ میری بہن ہے میں اس سے سوال جواب کروں گا۔ مگر تمہاری ماں کا فرض ہے

کہ وہ تمہارا اعصاب کرے۔“

ماں نے دونوں کے درمیان آکر کہا۔ ”میں مجھ گئی۔ تم دونوں بات نہ کرنا اور جوہر چھپکے۔ اس

پر مٹی ڈالو میں زبیرہ کو اپنی بہن بناؤں گی۔“

زبیرہ نے شرمناک منہ پھیر لیا۔ خالہ نے پریشان ہو کر کہا۔

”راتی امی اپنی شادی کا فیصلہ آپ کر لیں گا۔“

”تو میری صدمہ فیصلہ کرو۔“ ماں نے کہا۔

”آپ ذرا صبر سے کام لیں۔ پہلے میں احسن سے تنہائی میں باتیں کر چاہتا ہوں۔“

احسن نے کہا۔ ”میں تیار ہوں باتیں کرنے کے لئے یہ گھر مناسب ہو گا۔ یا میرا باہر چلیں گے؟“

ماں نے سمجھایا۔ ”گھر کی بات گھر ہی میں ہونا چاہیے۔ میں صوفیہ اور زبیرہ کو لے کر پڑوسن

کے محل آدھ گھنٹے کے لئے جاتی ہوں۔ اتنی دیر میں تم دونوں آپس میں سمجھو نہ کر لو۔ ڈونکیو امیر سے

ساتھ چلو۔“

وہ صوفیہ اور زبیرہ کو لے کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی خالہ نے آگے

بڑھ کر دروازے کو بند کر دیا۔ مگر جتنی نہیں چڑھا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر تے ہوئے بولا۔
 "حسن! شادی یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ شادی کے بعد مرد ہمیشہ کے لئے ایک عورت کے
 ساتھ منہ جالتے۔ لہذا جو بوجھ کبھی کسی کو پائنا چاہیے۔ پہلے تم پر باد کرتا ہوں صرف کہ کس حد
 تک شریک حیات کے قابل سمجھا ہے؟"
 اس نے جواب دیا۔ "نہ وہ شریک حیات جس کے قابل نہ ہو تو آج میں رشتہ دیکھنے نہ آتا۔
 وہ تم رشتہ مانگے نہیں۔ سوئے باز کی گئے تھے جو۔"
 "یہ بھی درست ہے لیکن سوئے بازی کے بے رحمی پہلے یہ ضروری ہے کہ سودا پسند نہ لے۔ لہذا
 میں نے پہلے ہی عورت کو پسند کر لیا ہے۔ اس کے بعد حالات سے غور ہو کر تباہی کا سودا کر دیا۔ لہذا اب
 تم باد۔ کیا زبیدہ کو اپنی شریک حیات نہیں بناؤ گے؟"
 "میں نے اپنی بیوی بنا ڈالنا۔ جس کا خیال میں اچھا ہو گا۔ تمہاری بہن پر مدد کرے باہر
 فیکٹری میں کام کئے جاتی ہے۔ آج سے چار دن پہلے وہ میرے ساتھ یہاں آئی تھی۔ اس سے پہلے وہ
 نہ جانے کنوں کے ساتھ۔۔۔۔۔"

ات مکل میں سٹے پہلے ہی اس نے اس کے منہ پر ایک اٹی با تو دیر تک کتے ہوئے کہا۔
 "ہیں۔ اس سے کچھ میری بہن کو گالی نہ دینا۔ ہم مردوں کی یہ پرانی عادت ہے کہ جب
 کسی انکی کو بدنام اور ذلیل کرتے ہیں تو یہ بھولی جاتے ہیں کہ خود بھی اس کے ساتھ ذات کی پستیوں میں گھسے ہیں۔
 خالد نے جواں ایک گونہ اس کے منہ پر جلتے ہوئے کہا۔
 "مرد ہر حال میں شریف کہلاتا ہے۔ عورت ایک ذرا سی لغزش کے بعد فاحش کہلاتی
 ہے۔ ہر شخص ایک گھروار چمکتا ہوا ستر چاہتا ہے اور تمہاری بہن ایک کھوڑے ستر ہے۔"
 وہ بہن کی تمہیں برا داشت۔ ذکر کیا۔ اس نے پھل کر خالد کے سینے پر ایک لٹ مارا
 خالد نے کھڑکڑاتا ہوا کچھ موصوفہ پر جاگرا۔ پھر موصوفہ کے ساتھ دوسری طرف لٹ گیا۔ احسن چلا گیا
 لگا کہ اس پر آیا انداز سے پختہ نیچے دلیح کو اس کے منہ پر گونہ مٹتے ہوئے کہا۔

وہ بیوقوف تیری بہن بھی ایک گھوٹا سکر بن گئی ہے۔"

"وہ ترحوت بولتا ہے اپنی بہن کی بے حیائی چھپانے کے لئے میری بہن پر کپڑا بچھا رہا ہے۔
 یہ کہتے ہی اس نے اس کو اپنے اوپر سے کپڑا دیا وہ اٹک کر فرش پر آیا تو خالد نے اس پر
 سوار ہوتے ہی تار تار ٹھونسے مارنے کے بعد کہا۔

"میں تمہیں اصرار کہہ چکا ہوں یہی تیری بہن سے شادی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے اب تو باہر
 جا کر میری بہن کو بدنام کرے گا مگر میں تجھے یہاں سے زندہ نہیں جانے دوں گا۔"

اس نے حکم کو اس کی گردن دلیح کی اس کے بائیں میں اس کی گردن اٹھی۔ دونوں
 زور دے لگے۔ دونوں ہی شہ نہ رتے کوئی کسی سے کم نہیں تھا۔ کھل احسن غالب آکر اسے
 گرا دیتا تھا کبھی وہ احسن کو زیر کر دیتا تھا۔ مال نے دیکھ کر تے کے لئے آدھ گھٹنے کا وقت دیا تھا
 اور فیصلہ باز دونوں کی قوت سے ہور ہاتھا۔ دونوں کے منہ سے اور ناک سے خون نکل رہا تھا۔ انھیں
 وحشیوں کی طرح اٹلی پڑ رہی تھیں اور کپڑے تار تار پر پڑے تھے۔

پندرہ منٹ کی لڑائی میں وہ دونوں نڈھال ہو کر ڈھکڑانے لگے وہ اپنے پیروں پر کھڑے تھے
 گلاب ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی سکت نہیں دیتا تھی اب صرف زبان چل سکتی تھی اس نے اس کی
 حرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"تم سمجھتے ہو کہ گھر سے باہر جا کر ملازمت کرنے والی لڑکیاں بدچلن ہو جاتی ہیں۔ میں کتا ہوں
 لکھرا اور باہر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جہاں ہاتھ قدم پہنچتے ہیں وہاں لڑکیوں کی پارمانی خطرے
 میں پڑ جاتی ہے تم نے اپنی موصوفہ بہن کو برسر سے اس گھر کا چودہ لوار یا میں شیشے کی گڑیا کی طرح
 منبھال کر رکھا تھا مگر میرے قدم یہاں پہنچے تھے۔ دیکھو وہ شریکس نہاں ہے کہ کونج کی گڑیا ٹوٹ چکی ہے۔"
 خالد نے غصہ سے کہا۔ "نقابی دکھو۔ اگر تم تجھے بولو ثبوت پیش کر دے۔"

"میں گواہ پیش کر سکتا ہوں اور وہ گواہ تمہاری ماں ہے وہ مونی کو میرے پاس پھر لے کر پڑوسن
 کے ہاں گئی تو مایا کسے میری بیوی بنی ہو گئی۔ اہم میں صحت کے اندر میرے میں یاں رو گئے۔"

خالد نے کچھ کسب کے لئے نہ کھولا۔ پھر جو ٹولی کو سختی سے بھینچ لیا احسن نے کہا۔
 "و اگر تم دھنائل سے اٹھ کر ناپا ہو تو کر سکتے ہو مگر حقیقت نہیں بدلے گی۔ ہم جبر کن ہیں۔
 شیشہ شکن ہیں۔ عزت کے شیشوں کو توڑتے ہیں اس معاشرے کے ایک گوشہ میں ہم کس کی ہیں کو وہ نکال کر
 جلتے ہیں تو دوسرے گوشہ میں کوئی ہماری ہن کوٹے جاتے۔ ارے اب تو اس شرمناک سہیل کو تسلیم کرو یہ
 خالد دنگلاتے ہوئے قدموں سے شوکس کے پاس گیا۔ چہرہ دکھڑا کر رہا اور شوکس سے ٹیکہ لگا کر
 بیٹھ گیا۔ احسن جی قریب آکر شوکس کا سہارا لیتے ہوئے فرش پر دو دو ٹونگیں اس کے بعد لیے لگا
 "اتفاق کر رہا ہے بات نہیں بنے گی۔ اگر تم سچائی سے انکار کر دے تو ہم دونوں کی بیٹیوں پر
 اپنے گھروں میں بیٹھی رہ جائیں گی، اندھیرا اور بڑھے گا برائ اور پھیلے گی، ہم ملٹی کو ختم نہیں کر سکتے مگر اپنی
 مدد تک روکتے ہیں ہم نے جن شیشوں کو توڑا ہے انہیں اپنے طور پر جوڑ سکتے ہیں ان کی میسران کر سکتے ہیں۔
 خالد نے ایک گہری سانس لے کر کہا

"ہاں۔ ایک بار صوفی نے کہا تھا اہل جویا کونج کی گزرا انہیں توڑنے کی بجائے نبھال سنبھال کسے کا نام نہ لگے۔
 اسی وقت ڈاڈا تنگ دھم کا دھانہ کھلا۔ ٹوٹھی من صوفیہ زبیدہ کمرے میں داخل ہوئے۔
 گھبرا گئیں صوفیہ لٹے ہوئے تھے ان کے پیچھے دو شوکس کے پاس خالد اور احسن کے چہرے اپنے اپنے گھروں
 میں لگے تھے ان کے پاس تار بوجھ تھے اور وہ بالکل ہپا گل نظر آتے تھے پھر وہ دونوں ہپا گلوں
 کا حرج قہقہے لگاتے لگے۔ ماں نے قریب آکر پریشانانہ سے پوچھا۔

"اے کیا ہو گیا تم کو راکو؟ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"

صوفیہ دوڑتی ہوئی احسن کے پاس آگئی۔ نذیرہ خالد کے پاس پہنچ کر اپنے دپٹے سے اس کے چہرے کے
 لہجہ کو پوچھنے لگی وہ دونوں قصوں کی دیر تک قہقہہ ہول کے شور میں اپنی مذمت کو چھپاتے رہے پھر احسن نے
 بنیاد تھڑھکیا۔ خالد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ دے کر کہے۔

"فیصلہ ہو گیا ہم ٹوٹے ہوئے دروازوں اور ٹوٹے ہوئے شیشوں کے میساجیں گے۔ لے فری شیشہ
 عمری ہیں آداب زندگی سکھائے۔"



جزیرے کی چاندنی

محبت کی ایک ایسی دردناک کہانی
جسے آپ آنکھوں سے نہیں
زبانوں سے نہیں، صرف دل
کی دھڑکنوں سے پڑھیں گے

ہموں کے دوسرے بیٹے میں کشتی کچر بچے اڑ گئے ہیں۔

ہمیں ادنیٰ اور ادنیٰ چور ہی ہیں اور ان کے سروں پر بھگڑ رہی ہیں۔ پانی کے چھینٹوں میں
دو شگاف پرنہ دلی کا جالوں میں ان کا وجود جھل جھل چور ہے۔ چاندی میں جھلک رہا ہے
ادھم رو میں چھپ رہا ہے۔

ہمیں بلند ہو گئی ہیں۔ آبی بلند ہو گئی ہیں کہ وہ چٹائی جزیرہ کسی اڑنے کے مزے میں چلا گیا ہو
اس کچر نظر نہیں آ رہا ہے دیکھنے والوں کی سانسیں چند ساعت سکے لئے ٹھک گئی ہیں۔

ہمیں واپس جا رہی ہیں اس وہ جزیرہ بھکاری کی پیل ہوتی انھیلی کی طرح خالی ہے
چاند چمک رہا ہے چاندنی ویران جزیرے پر بھگ رہی ہے انھیں تلاش کر رہی ہے۔ کہیں ہوشم دھڑکیں
چاند کے نیچے چاندنی اور سمندر کی تہ میں تخت ہے۔

دیکھنے والوں کے سر جھک گئے ہیں۔ اب وہ آہستہ آہستہ بوجھل قدموں سے واپس جا رہے
ہیں۔ من کی آنکھوں میں خواب ہیں اور دلوں میں یقین ہے کہ لگے وہ جب چور ہیں کا چاند کھٹے گا۔ تو
تراپ اپنی وجہ کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر پھر اس جزیرے میں آئے گا۔ ضرور آئے گا۔

سمندر۔ اتوا سانوں کو بہا کر لے جاسکتا ہے لیکن جوت کو کسی نہیں ڈبو سکتا۔
لگے ۵۰ — ۱۲۰ لگے ۵۰

بچے عام طور سے ہیں اناں اور آجورا سیکھتے ہی لیکن رنجو کی زبان پر پہلے چچا اور چچی کا رشتہ
آتا۔ کیونکہ جب اس نے انکھ کھولی تو ماں باپ مر چکے تھے اور زبان کھولی تو لکھنے کیلئے صرف چچا کی
بہان ہی رہ گئے تھے۔ رشتی کے دوسرے لوگوں کی طرح اس کا چچا بھی غریب تھا غریب اس نے سمجھا
کہ غریب سے چچا آتا رشتہ کو ایسوں کی چمک میں دھتا تھا اور صبح دیر تک سوتا رہتا تھا اور صبح
چھینکے دھم دھم کو کشتیوں سے کہ سمندر میں حال ڈالنے کیلئے نکل جاتے تھے صبح جو سمی وہ
پھیلے ہوئے سمی ہوئی کشتیاں دیکر واپس آتے تو ساحل پر اچھا خاصہ میلہ لگا رہتا۔ شہر سے لے

والے پھیلوں کے آدھتی بڑے لڑکوں میں آتے تھے پھیلوں کا سودا ہونے انھیں تولنے اور ٹوکنا
میں لڑنے کے دوران بڑی گھبراہٹ ہوتی تھی۔ پان ٹکریٹ، چائے اور شربت وغیرہ کی جادوئی دکانیں
نکل جایا کرتی تھیں شہر کے لوگ کھوسے دلم دیگر چیزیں خریدتے اور مزدوروں کو معقول اجرتیں دیا
کرتے تھے۔ بڑی بچی بھی دوسری عورتوں کے ساتھ مزدوری کرتی تھیں۔ کشتیوں کا ماں اٹھا کر لڑکوں پر
نار کرتی تھیں۔

اس کا چچا جب سوکر اٹھا اور اپنی جھلی سے باہر آتا تو اس وقت ساحل پران ہو جاتا تھا۔ ریت
پر گاڑیوں کے پتھروں کے منے منے ٹاٹ رہ جاتے تھے۔ دور تعمیروں کے پتھروں کے سمندر کی اہر سے
نیکھتے رہتے۔ کسی جگر توڑ کے اور ٹوکوں کے ساتھ بیٹھی ریت کے ٹکڑوں سے بناتی رہتی اور جھلی کے
باہر اس کی چچی پھیلوں میں نلک بھر کر انھیں دھوپ میں لٹکایا کرتی تھی۔ روز باری ہوتی تھیں اس کی چچی بخت
کرتی تھی ۱۰ پچا بیٹھ کر کھاتا تھا۔

تو کایک بچہ اڑا دیا تھا وہ بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا اس کی چچی کا عقیدہ
تھا کہ اس حضرت لال شہباز قلندر اس کی نسنے تو بیٹا کسی پیدا نہ ہوتا بلکہ وہ منتوں سے مانگا ہوا
تھا۔ اس نے اسے منگو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

بقیے اس کی کہیں۔ بیٹی تو وہ نفستارے کہتی تھی۔

۱۰ منگو۔ لسنے والے کو کہتے ہیں تو بیک لگتا ہے ۱۰

وہ اس کی چچی کو کھینچ کر کہتا۔

۱۰ بیک منگی تو ہے جو میرے گھر میں رہتا ہے اور میرے گھر میں کھاتا ہے ۱۰

وہ بچپن ہی سے بڑی حساس تھی کسی چچی جگر کو دھوپ سے اڑا تو اسے اپنی بڑی بیٹی تو نہ بنائی
کا احساس ہونے لگا بہت مشکوکانہ تھا اس نے اس کی ہر شرارت قابل معافی تھی وہ کسی کی بیٹی
نہیں تھی اس نے سب ہی اس پر پاناغہ کرتے تھے ایسے وقت وہ نہ لکھنے نہ لکھنے کے لیے کھینچ جاتی
تھی اور اسے اپنا دھڑا سنانے لگتی تھی۔

”میں نے اپنی کھوپڑی پر ہاتھ رکھ کر سوچا کہ اگر میں اپنا کھانا خود کھاؤں گا تو
 ہمارے ہاں کھانا کھانے والے ہیں اور اگر وہ زور رکھتے ہیں تو دنیا بھر کی باتیں سننے میں
 نہ کیے گی کیا مردوں کی ہوتے ہوئے مردوں کی نہیں ہوگی۔ جب میں نے اپنی حرکت شروع کی
 تو وہ میری جھپٹاؤں سے ہلکا ہوا اور وہ جھپٹاؤں سے ہلکا ہوا اور وہ جھپٹاؤں سے ہلکا ہوا
 سے ہلکا ہوا۔“

”ہاں یاد آگئی۔“

”میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کی طرح کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”اس نے کہا کہ میں نے اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”میں نے کہا کہ میں نے اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”میں نے کہا کہ میں نے اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”میں نے کہا کہ میں نے اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”میں نے کہا کہ میں نے اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”میں نے کہا کہ میں نے اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”میں نے کہا کہ میں نے اس کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

اودہ اپنی چکی کی طرح حرکت کرتی تھی جس کے ٹکڑے برسوں پہلے کی دہلی تیلی اسی رتو کو بھول
گئے تھے ٹکڑے اس نے نو ذریعہ کاروبار رنگ نغمہ حادہ تاشادہ چھیلوں سے بھری ہوئی تھی ناظرین
تو اس کے جسم میں آپ ہی آپ لہو لہا لہو اور دم اٹھا۔ صحت ایسی حادہ نظر تھی جیسے وہ مال
سمندر سے خن سے چھپا نہ بھری ہو سمندر کے پیلے پر جال پھینکنے والے نوجوان چھپتے نہ تھے
پڑی تھاپوں کے جال پھینکنے لگے۔ شہر سے آنے والے جو ہاکی اور ٹرک ڈرائیور محرم ہرگز تریاب
کی لاش کی جاننا آتے تھے ان تجربے تائیں کر سنے یا کچھ دیر تک پس آنکھیں میٹکنے کا ہنر نہ تھا جس کو نہ
دہشت تھے نہ ہی اسی حرکت بھرتی تھی کہ ان کو اس کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ دینا کیونکر
ہے سمندر کی پر تریاب رہتا ہوں کا پہرہ تھا اور اس کے دل پر پچھن سے اسی میلے کی جوت
مشت ہوتی ان کی تھی۔

تک سے جو لی میں خوب دھما پورا قدر نکالتا تھا اس کا مینہ چان کی طرح چوڑا اور صند
سے کیٹے لے، روخوئی دو طرح مضبوط تھے رتو کی طرح اس کا رنگ صاف نہیں تھا، سادہ
تھا وہ چھبیر سے صبر کرکشتی تھتے پورے ساحل پر آتا تو پینے سے اس کا بدن تانے کی طرح
چمکے مانتا تھا مسند چتر چان سے لہر سے اس کا سانس پھولے لگتا تھا مینہ صبر شکن کی طرح
چدا رہا اور جسم سے چھیلوں کی بڑھتی رہتی۔

شہر سے لے کر ایک سو چار ہزار ترقی پسند ترقی پسند کرتے رہتے تھے یہ تو اپنی
پی پسند اور پیسے دل کی دھڑکنوں کا فیصلہ جوتے کوئی میرید کرتا ہے اوکو کی نگر۔ ملاح
ابھی لنگھنے لگ کر تاریخ کی گردن وقت کا ایک نڈھال عمل مایا ہے۔

تو چھیل تھی اور تریاب کا ناچار بھول کر وہیں چھپتا دیکھ دوں کی مھوڑوں کی کشتی ہے
— ایک لوجوں چھپے رتے جو کہ چاکو ایسی مٹھی مہل لے کر کوشش کی۔

”چاہا — ار تو کو مجھے دیدو میں تھانے نہ چاہے کا بوہڑ اٹھائوں گا۔“
ایک شاکر بھی تھا اور بھی نوجوان اور بوڑھے تھے جو جو کہ چاکو بڑھاپا پر منت

کرنے اور حیرات اس کیٹے ان دن کا کوڑھیا کرنے کے بعد وقت تیار تھے مگر چان تو کامیاب
تھا اس کی لائی پر چل رہا تھا۔ بعد اس کی سید کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا
تو اور تریاب کے پیلے کو چتر چان کی ہر مگر اور ہر گھر میں تھا کوئی عورت اپنی لڑوسوسوں میں
بٹھ کر کہتی — ابھی گھنٹہ بھر پہلے ہی نے جو کو دیکھا ہے وہ تریاب کے ساتھ ایک ساحل کے کوڑ
لہوٹ جا رہی تھی۔ ہاتے، دو لون ایک دوسرے کو گنا چاہتے ہیں ابھی دیکھ کر بچے اسی جوانی
پر اتارنا ہے۔“

کسی چکی میں تاش بچھلے دے لوجوں میں سے کوئی جوان تریاب کا پتہ نہیں لگا کر کہتا۔ تریاب
ہاتے ہاتھوں سے اور جیت تریاب کا پتہ ہی ہے مگر تریاب کے ساتھ چان کی چیز سے پرکشتی ہے جوت
میں کہو۔ وہ بڑا خوش نصیب ہے ہم رتو پر جان پیتے ہیں اور رتو میں پر جان دیتی ہے۔“
کسی درخت کے نیچے بیٹھے تھے پورے لوجوں میں سے کوئی چکر لاکش لگا کر کہتا۔

بیٹے جاتی ہے۔ ان کا کاشت ہے کہ وہ اتنی ارادی سے کھڑے پھرتے ہیں کسی چکی کی
میر کرتے ہیں کبھی ساحل پر گھومتے ہیں اور کبھی چان کی چیز سے پرکشتی ہے یہ تو کس بے حیائی ہے
ابھی دیکھ کر ہاتے جوان پتے بھی ہٹے گئے۔

اس کی تین من کرچھوٹ تاش میں سر ہلاتے تھے وہ کچھ لوگ تریاب کی حمایت
کرتے تھے۔ ان کی حمایت کرتے ہیں کسی ایک مصلحت تھی وہ چاہتے تھے کہ رتو تریاب ایک دوسرے
سے جوت کریں۔ مگر شادی نہ کریں شادی سے پہلے شیر و شکر مچ جائے دھول میں اکثر ٹھٹھان پڑا
برماتی ہی ایک دوسرے سے ہنر دہی بڑھ جاتی ہے کہ رتو تریاب سے ہنر دہی تو کس دوسرے
چاہے والے کے نصیب چمک جائیں گے۔

لیکن پیلے آسمان پر چتر چان کی لہر نہیں ہوتا کہ کالج دہلتے چائیں رتو اپنی زندگی
کی تمام رانیں تریاب سے مشغوب کر چکی تھی۔ اسی نے تریاب کی کشتی کے سوا کسی دوسرے کی کشتی پر ہنر دہی
کے تے میر جاتی تھی جب وہ کشتی لے کر جان ڈالنے کے لئے نکل جاتا تو وہ سیدھی مار کر دکان پر

ہر وہ جو کئے سو اپنے حق کے ہیں تو اس صاحب تیرہ برس میں پندرہ ہزار روپے ہو جاتے ہیں
لاؤ لکھو پندرہ ہزار روپے ہو جاؤ

یہ روپے پانچ لکے کے لیے اسے رام رام ہم ہم قرض پڑھتے ہیں مگر کسی پر نہیں
لکھیں تو نہیں ہے یہ ہم جو رقم خرچہ کی گئی ہے اس رقم کو قرض کے طور پر وصول کیا گیا جو بھٹی بڑو
پسے والی اس میں یا جس قسم یا رشتہ دار کی میں قرض وصول کرو گے نہ منگو سے جواب دیا

رشتہ داری جو تو نہیں کسی بہت نہ تھا تو جو وہی رشتہ توڑ دیا ہے اس سے تو اس سے
رشتہ جو ہے ہے قرض وادار پانچ لکے کا اصل وصول کیا یہ ایک دست ہے وہ قرض وادار کرنے
سے پہلے رہے تو بے تادی رہے کی کو شش تو منسبت آدمی کو روادار مل سیں یک ہیوں دیکھ
وہ جو رسکے لوگ بھی ہو گئے اسے جائز ہے یہ نہ کہنے میں چھلکیاں جتنی ہوتی نظر میں گی
میں تو نہیں ہو گئیں ہیں پانچ لکے کا اصل وصول جتنی ہوتی نظر رہی تھی تو بڑے ہی
سوچتے تھے میں وادار کے دیکھ کر رشتہ دہ منگو کا مطالعہ پورا کر دیا جسے ایک روپے سے
بہت سہولت میں کسی وادار میں ہر ہم ایک لکے کے لیے گھر وادار کو روادار ہو توں کو جوہ وادار جو کوئی
ہیں رشتہ منگو اس میں وادار کی ہوں وادار رقم مانگ رہے مگر بہت زیادہ مانگ رہا ہے صبح صبح
کے لئے وہ وادار فریاد میں سے کام لیں منگو یہ رقم میں کچھ کہہ رہے اور تراب اس کی وادار کی کہنے
والی بھی جانتے اس طرح رشتہ نہ لے

منگو سے تراب وادار دیکھا اس سے سوچا کہ اگر وہ اپنے مطالعہ میں کچھ کہہ کر کے کتاب میں
اس کی پسند میں لے لے یا اس آتی رقم میں ہوگی جس سے عرصہ وہ رقم چاہے اس کے لیے
یعنی وہ ہے رشتہ دہ کہہ کہہ ہے میں اس نے میں ایک ہزار لکے دیا جو تو پر مدد
را لگا ہوا حسد ہے کہ رشتہ دہ عورتوں کو میرے محل کر کہہ میں تو قسوں میں تیکر اور
پر میں چاہی ہے اس میں وادار چکانی میں ساری زندگی محنت پر وادی کرو گی اور ایک ایک
چیدہ جو کہ پندرہ ہزار روپے منگو پر ملاؤ گی

یعنی طرح طرح سے رشتہ دہ منگو سے ۲۔ جب تک تو قرض وادار نہیں کرے گی اس وقت
میں تراب سے رشتہ داری کر کے گی رشتہ داری اور اس سے رشتہ داری کی جس سے رشتہ توڑ کر اس سے رشتہ
وڑنے کیلئے پہلے تجھے پندرہ ہزار لکے رقم جمع کرنی ہوگی اور تو ایک ایک پیسہ جو رشتہ داری میں
ہو جائے گی نہ راب نے کہا "تو جو کوئی تہا کیوں کہتے ہیں میں نے ہی صحت کی جگہ ایک پانچ لکھ مانگے کیلئے
اب تک میں ہر روپے جمع کیے ہیں یہ روپے میں تو دو دو لکے کا اور دولہا کی اس کیلئے یہ
اور گا یہ تراب کے دوست و محضو نے کہا "میں نے یہ ایک سو تیس روپے میں میں میں میں اس آدلی
ایک صفحہ رقم لینے میں کروں گا اگلے چار ماہ تک پانچ سو روپے لینے کے قابل ہو جاؤں گا

دوسرے نے بڑھ کر کہا "میری کوئی دل وادار ہے میں سے اور میری میں سے تراب وادار
رہو وادار میں صاف ہے۔ آج میں پھر پھر چاہتی ہے تو میں یہاں کی سہا سارا لکھ میں ہی جمع ہوئی
سے اس میں دوسرا روپے دو لکے کا۔ منادی باپ نے اس جگہ سے اٹھ کر کہا "میں بہ ہر برس سے یہاں
بہت جھوٹی میں مسجد بنانے کے لئے ہر ایک کے مطالعہ کے ساتھ چھوٹا ہوں اور پیسے دو پیسے بھیجے
میتا جاتا ہوں۔ میں تکس میں ساڑھے چار سو روپے جمع کئے ہیں۔ آج کہا ہوں اس کیلئے پیسے
وہ میں اب ہم سارا دل ہوا ہے کہ میں اپنی جتنی دولت کو دور کرنے کیلئے جتنی جانتا ہے حد
کے لئے چودہ جمع کر کے کی ضرورت نہیں ہوتی حد کسی مسجد کا قیام میں تو میں ایک گھر کی اور
یک گھر لے لی قیام ہے میری مخالفت کہنے والے ہزار میں جے ساتھی کے تو میں نے فیصلہ کیا
ہے۔ مسجد لینے چھت روپے سے پہلے میں کے سر پر اپنی ڈالوں گا

تو تو انھوں میں خوشی سے ہنسوا گئے جب لوگ لاڈ اور مدد دیا سے سارا ہو کر ایک
دوسرے سے کہہ کہہ کہہ جاتے تو لاڈ تراب نے جنت کی تمیں اور لاڈ کا دھرم اور مدد کا ہاں کہہ دیا
کی محبت کے منظم پر اکمل میں تھے۔ تراب اور جو کہہ جاتی تھی اپنی اپنی حیثیت کے مطالعہ میں کچھ
کہہ لینے کے حد سے کہہ جاتے۔ منگو اور اس کے حمایتی لڑا کر نہیں دیکھتے تھے یہ وہ وہ منظم
تھے کہ اس میں اور اس کے باوجود جو تراب کو پندرہ ہزار روپے پہنچنے کیلئے اس کی کسی ایک محنت کرنی پڑیگی۔

دوسرے دن سے صبح شروع ہوئی وہ سب ایک نئی لگن سے نکلے ہوئے تھے۔
ملت جلت کرے تھے دوسری طرف ملک کے اعلیٰ درجے کے وکیل ملت کرنے کی فکر کرتے تھے۔
اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ چھاپاں کرنے کی کوشش کرتے تھے دشمن چورس بچے کسی لڑکے
جس کے تاروں کو ڈھیر کر دیتے تھے اور کسی کشتیوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ وہ بھی اس طرح
کسی کوئی دشمن کا ثبوت ملے

ایک بار تاروں اور اس کے ساتھ لے کر آنکری بڑھانے کے لئے پھیلنے کے دام بٹھا
تو ملک کے صاحبزادے اور اعلیٰ افسدہ میاں ابھی حاضری میں اس خیر سے اذیاں مل رہی تھیں
دن بدن بدتر ہو رہے تھے تو قریباً وہ سے زیادہ پیسے کمانے کیلئے زیادہ سے زیادہ صحت کو بھیج
اب اس دام و صحرانی کشتی پر جواز تھا یہ نہ کہ تاروں سے ملے اور اس سے باہر کر سہ پر پھنسی
مکان میں تھی وہ دونوں دوسری سے ایک دوسرے کو دیکھ کر خند کر رہے تھے کہ اتنے دنوں
شکر لانی حاضری میں رہتا تھا تاکہ وہ چوری چھپے بھی نہ مل سکیں۔

دوسری چوری زلزلہ کو بیسے کی لیاں کو نہ کر تو جو وہ تھی اور جو لوگ دکان سے
نہاوی پڑیاں اور دھوڑتی رہے وہ اسے تاروں تک پہنچانے اور تاروں کی زیادہ تباہ کرنے
یہ عمل جاتا ہے یہ جیسے جیسے کھانے پینے کی چیزیں ہیں کی۔ اسے نہیں تو یہ بھی ہو کہ وہ کہ
پیسے جیج رکن کی

اور اس ایک دوسرے سے آتے اور جتے داتا تھے یہی اور زیادہ قریب جوت باہر
تھے میں مہمانی طور پر دوستی کر گئے تھے پھر چند دنوں میں ان کے اعلیٰ درجے کے
پھر ملک کے اعلیٰ درجے کی بات دھوکہ دیاں دے کر لے لی تھیں۔ یہ سراسر جھوٹا
تجربہ تاروں ایک دوسرے کے گھاتے میں چور نہیں رہتے تھے بلکہ فیصلہ کرنے والوں کو خط
کا دستہ پر اعلیٰ یقین لیا کہ دشمنوں کا کام اور دوست تھا اور دوستی کا حق بھالنے کیلئے وہ
دوست کو جس سے ملے کام کو فراموش کر گیا تھا اور جو تو نہ ہی ہا۔ جسے ایسا نہ ہو کہ

میرپستی میں دیہی لگا اور وہ دوسرے دن شاکر کی کشتی پر کام کرنے لگا جس وقت سے تاروں کے
پہنات ملتے تھے اس کا بھی ساتھ جوڑ لیا تھا۔

یہ سب کچھ ملک کے اعلیٰ درجے کے افسدہ میں لے کر لیا گیا تھا کہ صرف چھ ماہ کے
عرصے میں وہ دس ہزار روپے تک پہنچ گئے تھے۔ تاروں اور جو تھے یہی وہ مہمانی دیکھ کر ملک کے
خداوند کو مایا کا دشمن نہیں کی مگر صرف پانچ ہزار روپے تھے جس کی تاروں سے سرچا کر پندرہ ہزار روپے
جوتے یہ وہ رقم ملک کے مندرجہ ذیل کے تاروں سے شاکر کے کام اس کے بعد یہاں ملک کا رہنا دشوار کر دیا
دیے اب تاروں کے بعد ان کی بدولت نہیں ہو رہی تھی پہلے تو یہ بات حق کہ تاروں کی کشتی
پیام مل جاتا تھا وہ لپیٹا دل کو سمجھا لیتی تھی کہ وہ ملک دوسرے سے زیادہ وہ نہیں ہیں مگر تو
وہ بہت دور تھا اتنی دودھ شاکر کی کشتی سے ایک نئے منصوبے کی طرح نظر آتا تھا۔ اس کی نگاہوں
کی گری بھی تو ملک نہیں پہنچتی تھی۔

اسے اس دیکھ کر شکر لگتا تھا کہ میں ہمارا ملک جوت میں لے جانے والے ملک میں
ہمارا پیغام تاروں تک پہنچا دے گا کسی کو اس بات کی خبر نہیں ہو گی۔ ایک ہزار روپے کا جو
پیسے دیکھتا تھا وہی کو تاروں کے کچھ ایک بار جھٹلے لے ایک ہارے سے کسی کا کی جوتے کا اگر
دشمن نے دیکھ میں لیا تو یہ ہنگامہ وہیں پہنچی ہو تو نہیں چڑھا دیں گے شاکر نے اعلان
دیا کہ کوئی دشمن نہیں ہو کہ وہ یہ یہ خلاف اس کے شاکر کو خبر نہ ہو گی۔ آج رات وہ صبح صبح پر
ہاتھ لگے کہ وہ تاروں سے کچھ گا کہ تو یہ دیکھ کے لئے وہ چنانچہ جوت پر چلا جائے اس کے جانے کے
بعد وہ کشتی کے ساحل پر نہ گواہ رہا تو اس میں جوت پر چلی جوت پر اس کے جوت پر اس کے ہاتھ پائی
بقیے اسے اسے انداز لگاتے دیکھا۔ یہ بہت اچھی تدبیر ہے شاکر۔ تم بہت اچھے جوت بہت
چتے میں نہ کہ جوت پر اس میں نہیں ہو لوں گی ۱۱

اس میں اس کی کیا بات ہے میں اسے تھکے کام آ رہوں کہ تمہارے دیکھ جوتے دیکھا
میر جانتے تھے کہ تم ساحل کے اس طرف رہنا اختیار کرنا جب تم اچھستے سند پر پے جائیے

پیشی جو گول میوں دودھ سے تماشہ رت گئے و تماشہ سو جو پیشانی سے گھبرا کر تڑپ کر
سوں میں تماشہ میں کھڑی ہو میں وہ کہیں نظر نہیں آتی۔

شارک صاحب صاحبانہ مکتوب حضرت صاحب قاسم سے کہ فرمایا کہ تڑپ سے غصہ کیا
ہے میرے عاکر چھوڑ دیا ہے تاہم یہ وہ رہ دیا تڑپ سے غصہ کیا کہ تڑپ سے غصہ کیا کہ تڑپ سے غصہ کیا
حال انصاف چھوڑ دے میری شقی میرا دل پر کیا تڑپ سے غصہ کیا کہ تڑپ سے غصہ کیا کہ تڑپ سے غصہ کیا
چیتا ہے جو چھوڑ دے ہر جمع ہو گئے تھے وہاں پر تڑپ سے غصہ کیا کہ تڑپ سے غصہ کیا کہ تڑپ سے غصہ کیا
پیشی تڑپ کر رہی ہے یہاں میں رہ سکتا تھا

تو میرے قاصدوں نے مکتوب لایا کہ میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے ان کا نام بھی بتا
قبول تھا مکتوب چھوڑ دے بعد چند روز رہے مکتوب سے میرے وہ تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
رہے تھے وہاں میں اس وقت تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

مات لسی و کھڑیا ہیں ان تڑپ تڑپ کر رہی تھی تڑپ پر غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
میری تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

بستی کے سے چھوڑ دے تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
میں میں ایک پشیمانی کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
کسی کو باوجود نہیں ہے وہ جو تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

چھوڑ دے تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
مات لسی و کھڑیا ہیں ان تڑپ تڑپ کر رہی تھی تڑپ پر غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ
تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

تڑپ کر رہی تھی وہاں میں سے تڑپ کو غصہ کیا ہے پشیمانی کر تڑپ

۳۸۰

کو حوتیں رو رہی تھیں کچھ اپنی آہوں میں آندوؤں کو پھپھار رہی تھیں۔ مضمحل اور اس کے ماتحتی وہاں نہیں تھے
انہوں نے بہت پہلے اسی کشیدیں لیکر جزیرے کے طرف جانے کی کوششیں کی تھیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان
بہروں کی مخالف سمت چڑھ جانا ناممکن ہے انہوں نے دوستی میں اور دیوانگی میں ایک کوشش کی تھی
لیکن بہروں نے انہیں اٹھا کر واپس ساحل پر پھینک دیا اور جب انہوں نے ناکام ہو کر جزیرے
کی جانب دیکھا تو وہ جزیرہ بھکاری کی جیسے ہوئی تھیں کی طرف خال نظر کر رہا تھا۔

جب پہلے چاندک رت ہوتا ہے اور وہ وہاں چاندنی میں بھیگی ہوئی سمندر کی لہریں
ساحل چٹانوں سے ٹکراتے ہوئے تو وہ دونوں اس جزیرے پر آکر تھے ہیں مگر وہ منگو کو نظر نہیں آتے
وہ نرت کا اندھا ہے اس لئے محبت کی چاندنی میں اسے نظر نہیں آتا۔ وہ نہیں جانتا کہ محبت انہوں سے
دیکھنے کے جیسے نہیں ہے وہ دونوں میں دھڑکتے ہوئے دماغ سے سوجھی جاتی ہے اور عقیدت کی کھوپڑی
سے کبھی لالہ کے دروازے پر کبھی برہمنوں کی دھیر پر ہو کبھی جزیرے کی چاندنی میں دیکھی جاتی ہے۔

بقدر تراب سے محبت کر سنے والے ہر ماہ کی چوڑیوں کو انہیں دیکھتے ہیں اور بڑی عقیدت سے
کہتے ہیں۔ سمندر توانائی کو بہا کر لےا سکتا ہے لیکن محبت کو کبھی نہیں ڈبو سکتا۔

جب تمام لوگ سر جھکا کر چلے جاتے ہیں تو لالہ کی بیوی اور تراب کی بھابی مجھ سے آہستہ سر جھکا
کھٹے کھٹے پانی میں آتی ہیں پھر ایک عورت تباہ نوک پڑیا اور دوسری عورت بیٹے کی تازہ کلیاں لہڑی
میں بھاڑ رہی ہے کہیں کس گوشہ تنہائی میں کوئی بانہا جوں ماہی گیر اپنی عجوبے کہتا ہے تراب کی قسم
میں تیر ہوں صرف تیرا۔۔۔۔۔

کوئی اکیلے پھیرنے پر مجب کر سکتا ہے پر سر رکھ کر کہتی ہے: رتوں کا قسم: مجھے بھی پیار کا
سیدھا لیا ہے آج سے میں تیری ہوں صرف تیری۔۔۔۔۔



ہمتا کی دلیپی

ایک نیم مردہ بچے کی تین سگی ماؤں
کی کہانی، وہ ماؤں اس بچے کی سلامتی
کے لیے اپنی اپنی ہمت کو سوتیلی ماؤں
کی طرح پھیل رہی تھیں۔

باردکان کے اندر کھلونوں اور کتانوں کو ترسے رہے دیکھ کر ہی اس کی جگہ دکان کے باہر رہا جس کیلے لاہور ڈھنگا رہی تھی۔ پورے چلے حروف میں لکھا ہوا تھا۔

”ہر ایک روپے میں آپ اپنی پسند کی کوئی بھی چیز خرید سکتے ہیں۔“
وہ آہستہ آہستہ اور اپنی پسند کی چیزیں خرید رہے تھے ایک بڑی فوج کا کپتان تھا
جو وہاں پہنچ گیا۔ فوج کا وردی میں وہ بہت ہی سادہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے بالائی وردی

میں سے کہا۔
”ہاں جی۔ یہ جنگ کا زمانہ ہے فوجی گاڑیاں یہاں سے کسی وقت بھی گزر سکتی ہیں۔
آپ دکان کا سامان یہاں سائے تک پھیل دیا ہے۔ پلیز یہ سامان اپنی دکان تک محدود

دیکھیں۔“
اب کہتے وقت اس کی نظریں جھکتی ہوئی دکان کے اندر گئیں۔ پھر باہر پھر گئیں۔
وہ دکان دیکھ کر اس میں کوئی گاڑی نہ لگا رہی تھی۔ آفیسر سے نظریں ملتے ہی۔
اسے شرمی مائل ہوا۔ اجنبی نگاہوں کی دھوپ رنگ حسن کا مزاج بدل دیتی ہے۔ اس
کی اس آفیسر سے معذرت چاہ رہی تھی اور وعدہ کر رہی تھی کہ وہ جلد ہی تمام سامان سائے
سے ہٹائے گا۔ تیسرے مسکرا کر کہا۔

”ہاں جی، کوئی بات نہیں۔ جب فوجی گاڑیوں کے گزرنے کا وقت آئے گا تو میں
آپ کو بتا دوں گا۔ اب آپ اطمینان سے دکان داری کریں۔“

”آئیے تم کتنے اچھے ہو۔ کتنے مہربان ہو۔ آؤ میری دکان سے کوئی چیز نہ کرو۔“
اس نے دور ہانوں کی طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

”بیشک پسند کرنا لیکن قیمت ادا کر دوں گا۔ میں رشوت پسند نہیں کرتا لیکن رشوت

میں خدا سے ڈرتا ہوں۔“
پورے گھر میں سے حیرانی سے پوچھا۔

”اوہ آفیسر ایک تم مسلمان ہو؟“

”الہ اللہ۔ لیکن آپ کو حیرانی کیوں ہے؟“

”اس لئے کہ تم ہندوستانی فوج کے سپاہی ہو۔“

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تو کیا ہوا۔ عبادت گاہ میں مسلمان سپاہی بھی ہوتے ہیں۔
یہ دیکھ ہم سب کلمہ ہے۔“

وہ مسکراتا ہوا دکان کے شوگر کے پاس آگیا۔ ہانوں کی جگہ سے نمٹ رہی تھی۔
جب وہ چلا گیا تو اس نے کیٹن سے پوچھا۔ ”فرمائیے۔“

”اس نے دکان کے باہر پورے ڈھنگا طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

”اسی دور پر لکھا ہوا ہے کہ ایک بچے میں کوئی بھی چیز خریدی جاسکتی ہے۔“ اس نے
ارکے چہرے پر نظریں جلتے ہوئے پوچھا۔ ”کی کوئی بھی چیز؟“

”جی ہاں کوئی بھی۔۔۔“ وہ کہتے کہتے چونک گئی کیٹن اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا

پھر اس نے جیسے ایک روپیہ نکال کر اس کی طرف بٹا دیا

”ہاں کوئی سیٹھا سیٹھا خطرہ محسوس نہ ہوا۔ اس کی اتنی اتنی نصیحتیں کرتے رہی تھیں کہ وہ

”وہاں کی بے تکلفی اور بچے و بچوں سے غور کو بھانپ کر کے ایک بار وہ فریب کا چکی ہے
اس کی فریب کے آئینہ میں اجنبی مردوں کا چہرہ دیکھ چاہیے۔ لہذا ہونے اس ایک روپیہ کو
قول کرنے کے بجائے جھپٹتے ہوئے پوچھا۔“

”آپ یہ تو بائیں خریدنا کی چاہتے ہیں؟“

”سب حسین چیز۔ اگرچہ۔ الزلی ہے ذیل کے مائے دولت مند اس کی

قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ یہ ایک روپیہ تو میں اس دکان کے اصول کے مطابق تھے رہا ہوں۔“

”ہاں کا دھڑکتا ہوا دل کہنے لگا۔“ واقعی یہ مرد بچے وار نہیں کرتے ہیں۔ ایک

بات کے پیچھے اپنے مطلب کی دوسری بات کہہ جاتے ہیں۔ آفیسر کی اس بے باکی پر بچے جلد کا

نہایت سے مزید اور کچھ اور بھی دیکھا
اس کے ایک دوسرے ٹوٹا ہوا اور دکان کے چلتی ہوئی آگ کی گھبراہٹ
سے وہ

ان کے بولنے سے پہلے کھینچنے لگا۔
میں پکڑی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھوں پر اس کے کپڑے چھو رہا تھا۔
وہ اس کے ہاتھ پر تھم جاتی اور اسے سخت سے چمکاتے ہوئے کہ
میں تو پشیمان ہو رہی ہوں، تیسرا رنگ ہے میں وہ ہے اور
میں ٹوٹ کر گئی ہوں کہ میں بھڑکی ہوئی آگ کی۔ آپ کو کچھ میرے کیا چاہتے ہیں؟
وہ کہہ دے کہ اس کے اور اندازہ تھا کہ میں نے کچھ غور کر دیا ہے اس
پر کہ میں اس کے خیمے میں ٹھکانا کر کے آؤں۔ یہ کہہ کر وہ کہہ لیا۔
اور اس کی بات پر میں نے آپ کو یہ کہہ کر چل دیا۔
اس کی جھجھکی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی تھے۔ تھیں وہ ایک کپڑے پر
میں وہی نہیں ہے میں تھی میں اس کے پاس۔

تھیں تھے اس کا ہوشیار ہوا اور اس کے دل سے ہلکی
اور اس کے پاس کچھ اور تھا۔

یہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ دیکھتے ہیں کہ کسی اجنبی دل کے خط
تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
یہ کوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔

وہ تھا جس پر اس کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔

اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔

اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔

اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔

اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔
اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ۔

کیٹپنس کے دلانے کہا " وہ مارا۔
 بانے کے دلانے کہا " ہائے میں مرگئی۔ کہیں وہ میری مسکراہٹ کا مطلب غلط نہ
 سمجھ بیٹھے پھر کیا ہو گا؟
 وہ واپس جا رہا تھا۔ مانے نے پوچھا " بیٹے تم کوئی پتیر خریدنے والے تھے خالی
 ہاتھ کیوں جاتے ہو؟
 اس نے پتوں کو ہاتھ دیکھا پھر مال کو دیکھ کر کہا۔

» میں خیال ہے اسوں چیر خریدی ہے اور وہ ہے محبت ۔۔۔۔

لو کہ دل دکھ سے مرہی جسے محبت کے ایک نقطے دکھا مارا ہو۔ جوانی کی شہزادہ پر جذبہ کا آنا تھا، مجھ کو تو کہیں یہ کہیں سے فزادہ دکھا لگا تھا ہے اور وہ دکھا سننے والے بڑی لاپرواہی سے گد مچاتے ہیں۔ ہانوں نے ذرا منہ سنبھل کر دیکھا تو وہ جاچکا تھا۔

میں کہ ماں بھابھ چپ چاپ کھڑی اور جھل جھل سے سپاہی بیٹے کو دیکھ رہی تھی

تیک سنائی نظر اس طرف ایک آئینہ پر بھی تیس جس میں بانو دکھائی دے رہی تھی وہ سورج دیکھ تھی اور الجھ رہی تھی بیٹی کو، جیسے دیکھ کر ماں سے احساسات کھنکھ گئے جوانی کا میں کڑی دھوپ میں رڑکیاں محبت کی چھاؤں تلاش کرتی ہیں اور بانو محبت کی چھلکوں میں جل رہی تھی۔ ماں نکلے ہو گئی کہ اب کی سوچا بیٹی پہاڑ جیسی جوانی کیسے گداسے گی؟ کیا ہمیشہ شادی کے خیال سے سہم حیا کرے گی؟

وہ زیادہ دیر تک نہ سوچ سکی۔ آتے جتے پڑے گا پکڑی نے اس کا حقیقی
 بیڑی کی طرف سے ہٹا دیا۔ شام چوتھے ہی بجے ایک آؤٹ کی وجہ سے دکانیں بند ہو جاتی تھیں
 اس لئے مال بیٹھی اس دکان پر بڑھنے لگیں۔ ماں نے کہا۔

”وہ اہل کس ہیں آیا میری بی بی عجب چور اسے بیٹا بنایا مگر اس کا نام پوچھنا
بھول گئی۔ تم نے پوچھا تھا ہاں تو؟“

”وہ آں، نہیں تو، میں بھلا کیوں کسی کا نام پوچھوں؟“

دو دیکھا نہ کھوٹی۔ سب بیکار و آصف کی طرح نہیں جوتے یہ دکھا چکا ہے پھر
 بائبل کیلئے ہے۔ اسے ہمارے محبت نے گی تو یہ کبھی ساتھ نہیں چھوڑے گا۔
 "اچھی قسم دکھلا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ جاننے کے لئے آتے ہیں اور وہ آکر جانا ہے
 اب آپ دکان بڑھائیں۔"
 "دھنیں بانو! میں کچھ دیر اس کا انتظار کروں گی تم ٹھہر جا کر سامنے ادھر پہنچا دینی تیار
 کرو۔ میں برقرار ہے ایک سالے آؤں گی۔"

وہ دل پر دل میں بڑا رات چوں رہا سے باہر نکل آئی ہا ہر رعایتی سیل کا ہونڈ
 لگا ہوا تھا۔ اس نے سوچا۔ وہ اسی کا بس نہیں چلا آؤ نہ مجھے ہر رعایتی شرط پر کسی کے ساتھ
 چلا کر دیتیں۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ دو گھر کی کجاں پہچان میں رعایت کا انتظام کر رہا ہیں اس
 کی سالگرہ منانے والی ہیں ۵

ہاں یہ پچھلے دور میں سے کسی بھی نوگزید لڑکے کا نوگزیت شریف زادے کو ایسی نظر نہ
سے دیکھتی رہی تھی جیسے وہ اس کی بانو کے ہاتھ پیدا کیا گیا ہو۔ لیکن ہندوستان میں مسلمان
لڑکے کہاں رہ گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ سب پاکستان چلے گئے ہیں۔ کسی نے نہیں سوچا
کہ بانو جوان جو کہ تو اس کو کیا بنے گا؟ اسی نے جب کوئی مسلمان لڑکا جو اسے سے نظر آتا تو
ہاں اسی پر داری صدمہ ہونے لگتی تھی۔

باتو راستے کے کنارے ٹھہر گئی۔ وہ فوجی دروی میں طہوس چند قدم کے
 فاصلے پر بکھڑا ہوا رہا۔ سپاہی جانتے ہی کہ مورچہ کہاں رہنا چاہیئے۔ اس نے بانو کو شرمندہ
 نگاہ سے دیکھ کر کہا۔

دو تہائی سہمی ہوئی۔ چھبکی ہوئی اور شرماٹے ہوئے اندیشے تک پہنچا ہے کہ تم کو کھاری لہر
اچھوٹی جو۔ اور پھر سے سینے کسی نے تہوار راستہ نہیں دکھا ہے ۛ

لوگوں کو شکا جیسے ہاں ہی اس سڑق کی گوی سے اس کے سینے کو داغ رہا ہے

وہ جلد سے نوں

تم نے یہ سب انتظار میں ڈال اچھی تک بیدار رہیں گی اب کو تو وہی جا چاہئے
 میں جاں بوجھ کر دکاں کی طرف نہیں گیا میں نے سوچا موت نے سلیسے میں کچھ
 پہلے سے اپنے تئہی اچھی فکر حاصل کی تو وہاں میں کرتہ سے دل کی بات کہوں گا مگر وہ وہاں
 میں نہ کہیں اگر شاید کچھ حادی ہو چوہوں میں مدام ہی رہا ہے ہم وہاں نہیں ہو

وہاں میں کیوں ہوتا ہے اسے تو اسی درد قیمت کا سارہ ہوتا تھا وہاں سے کے
 کہ میں نے وہاں انتظار کیا تھا جسے اپنی تقدیر جارتہ دیکھ رہا ہو جیسے اپنی وردی پر سے
 تصور طبع میں تھا جو بیکر نہ اپنا نام میں ہوتا تھا۔ صرف رہنا اعتراض کرتا ہے
 "اب کو میں تاہیں ہیں کہ چاہیے"

میں نے آج تک کسی راز کے سے وہاں کی بات نہیں کی میں نہیں جانتا کیسے چاہئے
 گولانہ نہ رہی چاہئے۔ عام بات یہ ہے کہ اجنبیت وہ کر کے کے
 پہلے اپنا خوف ریا جاتا ہے تب نہ تو کئے معلوم ہو چکے۔ ایراں میں لواری راز
 تو وہاں رہی طلب یہ جاتا ہے

پھر کیا کوئی کہ بات اس سے کہہ دی۔ ان کے تیرن سے قدم اٹھے بڑھائے
 بلکہ اس سے آئے علی حاشے

"میں آئی تیری سے رچو کیا کئے پنے ساتھ چلے لاقی نہیں دوئی باکم از کم
 میں نام تو پھر کبھی کام آئے گا"

"اب کو آپ کا نام بوجھ حوالہ کرتی ہیں آپ انیس تویں"

"میں نہیں سنا۔ تو کا پھر وہ تمہیں تانیں" پھر تم اپنے دل کو تانگی
 پھر تمہیں دل ہی وہ کہوں گویا ہے کہ اس کا ماتہ ہے کوہری میں بھی آئے ہیں گھر مٹا جاتا

نہیں چاہتی ہو

ہاں کرے اچھا سہی آگئی وہ اپنی سنجیدگی برفراز نہ کر سکے پہلے پہلے کھلکھلوتے
 ہوں کو تسخیر آؤں میں چپا کر ہوں۔

"آپ بہت زیادہ بڑھتے ہیں"

"ابندنی مرے پھر روکیں شرارتیں ہیں اس نے خواہی چاہئے اس کے بعد وہ
 جو سے کامو قے ہیں دینی"

"آپ کو رازوں کی دوستی کا حاضہ تجربہ ہے"

"ہاں میں نے دوہ قیمت آزمائی کی مگر قسمت میرے صبر کو آزماتی ہی پہلی
 دہی نے عمت کی مگر وہ میری ہم مزاج نہیں تھی اس نے میں نے اسے چھوڑ دیا دوسری
 بار وہی میرے معیار کے مطابق تھی مگر اس نے چھوڑ دیا: اس نے ان کو دیکھتے ہوئے
 کہ یہ بہت ہیں میری ماریں مٹا گا"

بانو نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا "بارہ دھوکہ کھانے سے صبر ہے کہ
 کسی سے خالص محبت کی توقع نہ کی جائے"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے" گپٹن نے کہا "ہم ٹریڈنگ کے جوہ سے گھٹنے ہیں یہ
 جاتے ہوئے عمت کی کبھی نہ کبھی حاشہ پیش آئے گا ہم راستوں پر چلے جھوٹے ہیں
 جاتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محبت کا فریب دیتا ہے پھر اس کے کسی
 سے عمت نہیں بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ نہ تو دنیا میں ہوئے بارود اور فوجی وردی کے سوا
 کچھ ہے"

بانو کے دل نے تائید کی "اب محبت کے غیر ہر خوشی کو کھلیں گی کسی سے کسی کو
 پیر سے کچھ دینے اور کچھ لئے بغیر رہا نہیں جاتا۔ اس لئے محبت نہ ہی زندگی میں موت
 نہ طرح اٹل ہے ہر دور آتی ہے اور ہی خصوصاً دل سے مارا رہتی ہے"

وہ جتنے سے اندر ہی اندر مرنے لگی۔ اسی کے دل سے کہا: یہ آخر کچھ
 دوڑے کم رکھ بنا نام ہی نہ ہے۔ ہم نہیں تنہے گا تو پھر کس نام سے خیالوں میں آئے گا
 "نیا نامی کرتے رہتے کئی دو گئے ہیں آپ کو اتنی کے پاس جانا چاہیے
 چلا جاؤ گا اور وہیں پناہ ملے گی تو دل کا میرا نام سرتاج حسین ہے مگر تم
 چاہو تو سرتاج کہہ سکتی ہو"

"سرتاج یہ مصلحت ہی محنت پر اور پائدار ہوتا ہے عورت کا محافل
 ہوتا ہے اس کی عزت و آبرو اور مستقبل کا من ہوتا ہے مگر یہ لفظ پان کی ایک کی
 طرح ہونے پر پڑا۔ وہ دل کے بہر میں گھل گیا۔ اسے آصف یاد دیا جو سرتاج کی کڑوا
 اور نہ ہی چادر کوئی کرے گی تھا۔ وہ کہیں سرتاج حسین سے دور بھاگتی چلی گئی۔ اچھا ہو
 رگڑا ہے آگیا تھا۔ وہ کہاں میں سمجھتی ہی دور دراز بند کر کے دیکھنے والے کی نظر میں سے
 چھپ گئی۔

سرتاج حسین دور بھڑ توڑی دیر تک بندوڑ خانے کو دیکھا رہا اور یہ سوچ کر
 منہ لٹا رہا۔ اسی سے اپنے ہم سے لانا اٹھا کر سرتاج کی بات خوب کہی ہے شاہی
 دربار کے دربار کوں کوں بہر شادی اسی سے وہ شہر مار کا گئی۔ انسان کی کبھی
 خوش فہمی میں عقید ہوتا رہتا ہے وہ مسلمان جو اقبال کی طرف واپس چلا گیا۔

نادر دوسرے کے کچھ بھڑکی ایسے مرد کے خیال سے اپنی رہی جو شوہر بن کر آتے
 اور سہاگے نام پر سہاگہ کوٹ رہی جانتے اس کے پاؤں کا پیسے تھے سر چک رہا تھا
 کوئی در وقت ہوتا تو وہ چوہے کے پاس سمجھتا جاتی۔ ستر پر حاکم گر پڑتی اور خوب جوش
 پھوٹ کر وہ شروع کر دیتی لیکن مالے سے آج رات پھر ایک کہاں کے لئے دستروں پر جانے
 کا قصد کیا تھا شرافت کے بارے میں۔ جو بیٹیوں کو اسی طرح نگاہوں کے سامنے
 بچھا دیتا ہے وہ اس کے سر سے اپنا بوجھ ہٹا کر کھینچے گا وہی مانتے ہیں وہی جلتے لگی

جیسے خود کو چلبے میں جھونکتے جا رہی ہو۔



تمہارے طہیث کے پاٹھ سے رطل قائم تھا تھا۔ کٹر دل نادر کے بیڑ کو اپر
 سے آخری رائے سے کان کی۔ پھر وہی سہو کہ اس نے شیدوں کا ریسہ اور اٹھا اور ٹریٹنگ
 کٹڑوں میںٹر کے غیر ذائل کوٹنے کے بعد کیا

"پلو۔ میں کٹر دل نادر سے ریلو آپر ٹریٹول رہا ہوں۔ خٹنگ ہے ایک
 چار ٹنگے بٹے دیانے ایف سی دن۔ ٹو اور نوہ پاٹھ خاموش ہے ہار ہار ال کر کے
 باوجود حواس نہیں مل رہا ہے اس طہیث کے کوٹہ آگاس کیا جائے"

"وہ دوسری طرف کے کٹڑوں میںٹر کے کپڑے پہنچا۔

"اس طہیث سے آخری بار کب رابطہ ہوا تھا؟"

"صبح ساڑھے نو بجے اس وقت وہ شمال کی طرف پیٹا پیس میل کے واسطے پر تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی ایک پارٹی اسے تلاش کرنے کیلئے روانہ کی جائے گی"

اس گفتگو کے بیس منٹ بعد ایک حیارہ شمال کی جانب پرواز کر رہا تھا۔

نادر سے قاصد تیار وہ تھا۔ جلد ہی اس پر سرتاج پٹرول کے پاٹھ سے اُس پر ہٹوئی

پٹاں کی لڑائی ہوئی اعلیٰ دیکھی۔ پھر طہیث میں شیشے والے سازش کو اطلاع دی

رہم جانے حادثے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ کیمبرے تیار رکھے جائیں یہی ضروری

پٹاں کے طرف دو چکر لگاؤں کا حیران ہے دو راولڈ کالی پور کے"

مادر جنت کا جواب دہتے ہیں پاٹھ ایک فائر کی صورت میں طہیثے کو موڑنے

نما کہیں سمجھو سے دور ہیں لگا کر دیکھو لگا جہاں کی وسیع آغوش میں ایک لڑاؤ۔

نھرا جو طہیثہ خاطر آ رہا تھا اس نے دور میں سے نظریں ہٹا کر دوسری کٹر کی جانب

دیکھا وہاں مادر جنت کیمبرے پر ہلکا ہوا۔ میں نے یہی مصروف تھا وہ سوچے لگا

مگر ابھی اس کے پیچھے اڑ گئے ہیں کیا اس کی جسم سلامت ہو گئے ؟

مگر اب جو ب تصویروں سے مل سکتا تھا۔ یہاں اس منٹ کی پرواز کے بعد جب وہ کمزور سیل میں دپس نے تو سرجرٹ دور۔ یہ تصویروں کو ڈیولپ اور انکسٹ کرتے اور دم میں چلا گیا۔ کیپٹن جے جینی سے ادھر ادھر ٹپسے لگے۔ جینی سے قدرتی کو بار مشریت کے لیے سے کش نگاہات۔ ایک وقت وہ ہے کہ نظار کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں بعد وہ گھڑیاں بھی گزرتی ہیں۔ مارجٹ ڈاکر دوم سے باہر آیا۔ پھر اس نے کئی تصویریں سامنے میری پیش کردیں

کیپٹن محمد ریشٹھ ٹھکر بادی مادی ان تصویروں کو دیکھنے لگا جہان کے بھرے ہوئے ٹیڑھے دریاں نہ لی جسم گزرتے گزریوں کی طرٹ۔ دندے سیدھے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک مرد تھا۔ یہ سلاوت تھی اور مرد کے قدموں کے پاس ایک بچہ نظر آ رہا تھا۔ طویل خاصے سے کیپٹن جو کئی تصویروں کو دیکھ کر یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ پتہ ہے یا بچی ؟ وہ حویلی پر کیپٹن کے دیرندہ زخمیر سے۔ کیونکہ آنکھوں میں کاپ پر بھی تھا تصویر کو دیکھتے ہی اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اس نے مردہ سی آواز میں کہا "سب کے سب مر چکے ہیں"

ان سے ہوں کاریسوہ کا روبرو ملنے۔ چھر کسی سے پہنے لگا۔ بہت ہی افسوس کا دہرہ اس لیے حادثہ میں کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ ہاں لاتوں کو وہاں سے لے کر لے کر ہے کیونکہ وہ عمووی چٹان بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔

وہ لوں پر گفتگو کر رہا تھا اور سارے مشتبہ کے ارباب ان تصویروں کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں وہ چونکہ کراچیل پڑا اور جیج کر بولا۔

دوسرے سے دیکھنے۔ یہ یہ اس تصویر کو دیکھتے۔ بچہ زندہ ہے یا کیپٹن نے ہاتھ سے دیسیو چھوٹ کر گر پڑا۔ اس نے بھی جواباً حیرت سے جیج کر پوچھا۔

وہ کی واقعی تو زندہ ہے ؟



جو بچے کا آئینہ دو طرفہ تھا۔ ایک طرف مالن پک رہا تھا۔ دوسری طرف ہنر ایک رہی تھی۔ اس کے دماغ کے کونے پر اس کے دل میں ایک اور تصویر تھی۔ تو ہوا سے ایک دستہ۔ یہ تو دوسرا اس دلی دل کے آئینہ میں آتا ہے۔ آج سڑک جیسے آسمان۔ کچھ اس طرح آسمان بھی آیا تھا بلکہ وہ عشق و محبت کے مریض سے گذر کر سڑک سے سڑک کے اندر میں دو لہا بن کر اس کے گھر تک پہنچ گیا تھا۔

وہ گھر تکسٹ کے پیچھے سے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ مال نے پیسے بٹھا دیا تھا۔ بیکھوٹی، مرد کی صورت تھکا نہ تھی۔ دیکھ راتی بس یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں سے پانی نظروں سے ہٹا کر رکھتا ہو۔ وہ جیسا بھی ہو۔ آخر مجازی خدا ہوتا ہے۔ اس کو میں نے پسند کیا تھا اس لئے شادی سے پہلے صفائی پیش۔

مگر اس کا آسف بہت زیادہ غلبہ صورت نہیں ہے اور بد صورت بھی نہیں ہے وہ دل پر وقت یہ دھڑکا رہا تھا کہ پتہ نہیں کہ ہندو مسلم فداوت شروع ہو جائیں اور مسلمانوں کو گھبرا کر لے جائیں۔ مال پرانی جین رہا مسلمان کی ٹول عزت۔ چھٹے دن ہونگا کہ اس کی شادی ہو جائے تو گھر میں ایک مرد آجائے گا اس بات کا طینان ہے تاکہ اس سے باندھ کر لے کر جائے۔

اسی تھے کہ بانو کسی آئینہ کی تصویر نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی خوبوں کے شہر سے دستار کرنے کیلئے۔ اس دو سال جوانی کی دہیز پر بھی رہ سکتی تھی آئے دن یہ خیر پسندنے میں آتی تھیں کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں نے خون سے کیل جاد ہی ہے ان کے شہروں میں آگ و دھواں۔ کھیل کسی بھی وقت کیلا تھا اس گھبراہٹ اور افراتفری میں وہ دلہن بن کر آسف کی بہن آئی۔

بھٹیک ڈیلا ملا سافو جان تھا۔ صورت اچھی تھی نہ بڑی کوئی محسوس نہ کی تھی
 جھوٹ کے روپ میں بیٹی احمد شہر سے دیکھ میں قبول کر سکتی تھی۔ ہاؤس نے بھی اسے قبول کر
 شاد کے بعد ایک ماہ تک وہ گھر میں پرانے تین وقت کھاتا تھا چھ ڈکائی لیتا ہوا باہر قمری
 کے ذیل جاتا۔ اندامات کو دایس آکر جھٹ کے فرٹنغ ڈاکر تھا ایک دن باتوں میں سے

نوٹ دیا

دیشا: مرد محنت کرتے چھتے تھے ہیں۔ تمہیں کوئی کام کرنا چاہیے۔

”ماں جی اس دیں میں میں ان کو کلکھ رہا ہے یہاں کہ بھول جاتا ہوں ہم جیوری

کی تعداد زیادہ ہے۔“

”ایس کہو بیٹے یہاں کرڈرڈ کی تعداد میں مسلمان جی۔ آخر وہ کسی دیکھی گھڑے

زنگ گدرب سے ہیں۔“

”پتہ نہیں کس طرف لگا ہے میں نے کوئی رستہ سبھی نہیں دیا۔ اس نے آپ کا دل دیا

کھیر آئی۔ آپ کی دکان اچھی چل رہی ہے۔ لکڑی سے رہے تو بھجے جیسے ایک۔ بھونے کو

لکھنے میں کیا نقص ہے؟

”اس کی باتیں سن کر بانو کو بہت غصہ آیا۔ اس کی ماں لینے داماد سے یہ سیر کہہ سکتی تو

کہ وہاں پر پوچھ رہا ہے مگر ایک یو پی پتے شہر سے رہ سکتی تھی۔ ماں کے جاننے سے
 بعد اس نے کہا۔“

”آپ مرد ہیں آپ کو اپنی محنت مزدوری سے میرے اخراجات پورے کرنے چاہیوں

کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ آپ امی کی دکان پر تکیے کئے بیٹھے ہیں۔“

”تم مجھے شرم نہ دلاؤ شرم تمہیں آتی چاہیے۔ بتاؤ تمہیں یہی چیز میری لائی ہو؟

میں نے بھی معاملہ نہیں کیا۔ اب مات نکلی ہے تو جو بڑا ہے تبدیل میں لوڑھی چڑھ چکی ہے

تج یا کل اند کو پادری بھیجیں گی۔ پھر ان کی دکان تھامی ہوگی اور تمہارا کچھ چیز میری ہی ہونے لگی۔“

وہ جرات سے دیکھنے لگا۔ دیکھتی رہ گئی۔ جراتی اس بات کی تھی کہ
 جب اس نے بھی سوچا نہ تھا وہ اس کا شہر تھا۔ وہاں کو اپنی بڑی کا بھیر سمجھ رہا تھا اور اس کی
 ی کے منہ کا خواب دیکھ رہا تھا وہ صرف تین وقت کھاتا تھا اور اس کے ساتھ سنا جاتا تھا قہر کوئی
 ۲۴ سالے نہیں آتا تھا۔ وہ ایک دم سے پھٹ پڑی۔

”آپ میری اتنی کے منہ کا انتظار کر رہے ہیں اللہ کرے آپ کو موت آجائے

مجھے مدد ہو تاکہ آپ ایسے ناکارہ کلمہ چارادہ مطلب پرست ہی تو ہیں کبھی شادی نہ کرتا

دہر جاتا ہے میری نظروں سے۔“

وہ مزید بحث نہ کیا فی الحال میں سے لگتا تھا ہوا پر چڑھائی اس کے جلتے ہی بانو کے

سے نہیں گزری اس کا دل دھک سے رہ گیا آخر اپنے مہا کے کچھ تو نہ فرمایا چھوٹا

سے انہیں پھار پڑا۔ تین یوں نہ جو۔ سر کو ڈھانپ تو دیتا ہے دنیا والے اسے سر سے نکلی تو نہیں

ہے سنتے سنتے وہ بھول گئی تھی کہ مجازی خدا خواہ کیا ہی ہو اس کی شان میں گت خفی نہیں کر لی

چینیے۔ اب وہ چلائی تو غصہ دھیا پڑا اور غلطی کا احساس ستانے لگا۔ اس رات کو دکان

میر کے آئی تو اس نے تسلی دی۔

”میں گھبراؤ نہیں رہا آجائے گا۔ امی کو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ محنت

سے چار پیسے کما سکتا ہے یہاں مفت کی روٹیاں ملتی ہیں۔ اس نے وہ غصہ روکنے کا

مگر وہ رات کو نہیں آیا۔ صبح بانو۔۔۔۔۔ دکان کھولنے جایا کرتی تھی اس روز نہ

حاصل کی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔ ماں اس کی پریشانیوں کو کچھ کر خود ہی دکان ڈری

کے لئے چل گئی۔ دوپہر کو جب وہ روٹیاں پک رہی تھی تو وہ بھوکا پیاسا کر بلور جی خانہ میں

پہنچ گئی۔ اُسے دیکھ کر بانو کو یوں لگا جیسے وہ پاس کوئی ہیں بے ملکر کھرا کا ایک سا ملنے ہے

وگم ہونے کے بعد مل گیا ہے اُسے خوشی ہوئی لیکن غصہ دھنا بھی صرف یہ تھا اس نے غصے

سے روٹیوں کا چھابہ اس کے آگے پیش دیا۔ ہانڈ کا سے۔ سالن نکال کر دیا۔ اس طرح غصہ

میں دکھایا اور اس کی خاطر تواضع بھی کی۔ پھر فطری بھی کیا۔

”اس کے ساتھ ساتھ گدار کرتے ہو یہ اس نے رات نہیں کھڑی۔“

”میں نے ایک لمحہ چرتے ہوئے ہے۔“

”میں نے رات، اسٹیشن کی سڑکوں میں شادی سے کل سے کچھ نہیں کھیا بھوکا پیاسا تیرا

یاد کرتا۔“

”انوکا اور میرا یہی وہ کل سے بھوکا وہ سب بھوکا تھا۔“

”تو دقت تھی یاد کرتے کسی نہ کسی طرح میرا محتاج ہے یہ وہ۔“ دقت کھانے کے لیے اور

مالا جو بن جائے گا کم زکم نام تو ہو گا وہی گھر میں ایک مرد بھی رہتا ہے۔“

”سوچ کر وہ محبت سے سمجھنے لگی۔“ ”آپ کہیں ملازمت کتنے پریشان رہیں

میں صبح سے دوپہر تک ڈھان میں بیٹھتی ہوں میری مٹھ آپ دکان میں لال کریں۔ اسی خوش ہو

جائیں گی کہ آپ کو ذمہ داری کا احساس ہو گیا ہے۔“

”آصف ماضی ہو گیا باقیوں دن تک اس کے ساتھ دکان پر جاتا رہی۔ اسے تمام چیزوں

کی قیمت اور گاہکوں سے ملنے کے رکھنا آتی رہی۔ جتنے اس نے سکھایا، آصف نے اس سے

کچھ یاد دہان کر لیا۔ اسے دن موقع یا کھانے سے روکے چلنے لگا۔ بانو کی حالت تھوڑے

خوب سمجھتی تھی اس نے سمجھا کہ دکان کی آمدنی میں کچھ سیرا چھوڑی ہو رہی ہے مگر ماس اور دوا

سے رشتہ کی راج بھی کھینچتی تھی اس نے اس سے روزانہ دو چار روپے کی چوری برداشت کر لی۔

مگر کبھی دیکر آصف کو شرمندہ نہ کر دے سمجھ کر وہ تھوڑے سے پناہ جیہ خیر نکال یا کرتا۔

مال میں ٹھیک مصلحت سے کام لے رہی تھیں مگر چور کا حوصلہ بڑھنے لگا۔

دو تین دن کہ وہ لشکر کرتا تھا کٹھال ہونے کے بعد نشہ چھوڑ دیا۔ اب پھر جیب میں قلم

رہے تھے تو اس نے درویش شروع کر دی۔ اس پر ماں بیٹی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

بانو نے اسے جواب نہ دیا۔

”تو تھیں شرم نہیں آتی۔ شرم اب آپ کو گھر سے ہو۔“ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم شرمالہ اور

حوادث جو تھکے اور سبب غیرت ہو تمہاری بیوی بن کر رہنے سے بہتر ہے کہ میں یہ وہ بن کر رہوں

مگر تمہیں موت نہیں آتی ہے تو کہیں جا کر ڈوب مرو مرنے کا حوصلہ نہیں ہے تو صبح ہونے سے

پہلے اس گھر سے چلے جاؤ۔“

”وہ مدبوس شکل حالت میں بیوی کی گھر کی سڑی آجی سے ملنے لگا۔“

”وہی ایسی مدنیسی کاہ کھڑا کرتے دوتے سو گئی۔ صبح والے بچھنے چلنے سے اس کی آنکھیں

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔“

”آصف کبھی ہے؟“

”بانو تو اس کے ستر حال نظر آیا۔ ماں نے کہا۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ میں نے دکان کا کیا اسٹاک خریدا ہے؟“

”تھے۔ وہ روپے نہیں ہیں۔ ذرا تم اپنی الماری تو دیکھو۔“

”بانو الماری کے پاس گئی تو۔“

”کھسکی ہوئی تھی جس دراز میں اس کے روبات دیکھے ہوئے

تھے اب وہاں ایک تکیہ پر کاغذ لپٹا ہوا تھا اس نے اسے کھول کر پڑھا لکھا تھا۔“

”بانو بیگم! اب تم میری بیوی نہیں ہو تم نے کہا تھا کہ مجھ سے کی بڑی

جیسے کے جیسے یہ وہ بن کر رہنا چاہتی ہو۔ مجھ میں مرنے کا حوصلہ نہیں ہے

اس لیے باجوٹس دو جو اس تمہیں ملنا دیکر جا رہا ہو۔“

میری تلاش فضول ہے۔ فقط آصف۔“

”ملاقات نامہ پڑھتے ہی بانو جھپک کر گرنے لگی۔“

”مالے مڑی مشکل سے اسے سنبھال

کر ستر پر لٹا دیا۔ پھر وہاں سے بھاگ بھاگ محلے کی لڑکی ڈاکٹر کو بلا لائی۔ اس نے ڈاکٹر

کی بیٹی تیار کر دی پر کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے پچھلے رات تک وہ سہاگن تھی اور اب اس

سہاگن اب بڑا گیا ہے اجڑنے والا لاکھڑے نقدی اور دیو رات بھی سمیٹ کرے کی ہے

وہ پھر وہ کیٹین کو نہیں۔ ابھی سدی انسانیت کو ترپاٹے والا تھا اس نے فون کا ریسورڈ لٹا کر برڈ ٹائل کرنے کے بعد کہا۔

”میں کیٹین ہری رام لول بہا ہوں۔ حیات کے کونوں میں وہ ہمیشہ آیا ہے وہاں ایک پتھر رہا ہے جو ہانڈرا سداوی پارٹی مٹا کر دے۔ مجھے یہ تاخیر یہ ملت ملتی چاہیے کہ اتنی جلد سے کسی طرح بحفاظت اپنا راج مکتا ہے۔“

یہ حکم دینے کے بعد کیٹین نے خلائی کلب کے رابطہ قائم کیا۔

”میں کیٹین ہری رام کٹرول سینٹرل سے بول رہا ہوں۔ آپ فوراً تفصیل پر رٹ پیش کریں کہ کس شخص نے یہ وہ ایف سی ڈن۔ ٹو اوٹو چارٹرڈ کیا تھا؟ حیات سے میں کتنے افراد تھے؟ ان میں ایک پتھر بھی ہے اس کا تعلق کس سے ہے؟“

اس کے بعد وہ کس فیسری جگہ برٹائل کرنے لگا مگر وہ تنہا پریشان نہیں تھا۔ عقلمندانہ انداز میں ایک سے ایک سے دوسرے سے تک ٹیلیفون کی گتیاں بیچ رہی تھیں ایک ایک نوں کی چیز دیکار کے پیچھے جوڑتے اس کے دماغوں کی اسکرین پر صرف ایک معصوم بچہ تھا۔ جو دولٹوں کے پاس پڑا ہر زندگی کو پکار رہا تھا۔



آٹھ ماہ سے وہ پتھر ہر ایک کے وجود میں چھپ کر کرڈیں بدل مہلت وہ پیٹرنٹ پر ہاتھ رکھ کر سوچتی رہی تھی۔

”میرا پتھر ایک پتھر کا؟ اپنے باپ کی طرح یا میری طرح؟“

”نہیں“ وہ جیسا بھی ہوئے اپنے دل سے فوج کر پھینک دے نہیں سمجھتے سمجھتے آٹھ ماہ گزر گئے۔ اگر آپ پہلے ہی ماں جاتیں تو وہ پتھر اس کے فتنہ پر حجاب تھا۔ اب بھی وقت ہے باور اپنے آپ پر دم کرو۔“

”ای کی۔ یہ جوڑش وواس میں نہیں ہیں؟ کیا آپ میرے بچے کی قاتل بنا چاہتی ہیں؟“

”نہیں بیٹی! تم دونوں کا بھلائی چاہتی ہوں۔ تمہاری بھلائی اس میں ہے کہ تم سے جیسی بن جاؤ۔ ہم یہ دکان فروخت کر کے کسی دوسرے شہر میں پہلے جائیگے کوئی رہ جان کے گا کہ کسی تم سہاگنی بنی تھیں اور ایک سچے کو ختم دیتا ہے بچے کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ کسی فلاحی ادارے میں پرویش پائے۔“

”نہیں ماما! میں اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم کے ایک حصے کو کاٹ کر نہیں پسینک سکتی۔ میں اس معصوم سے جدا ہونے کا تصور نہیں کر سکتی۔“

”تم بھی آصف کے بھی جدا ہونے کا تصور نہیں کرتی تھیں۔ مگر اب اس کے ممبر کرنا اسی طرح رقتہ رقتہ پنپنے کے لئے بھی ممبر اٹھائے گا۔“

”آپ ضد کیوں کر رہی ہیں۔ میں اب شادی نہیں کروں گی جس دیکھ لا مرد کی دوستی ایکسٹنٹ مجھے داغ لگایا ہے۔ دوسرا کوئی آئے گا تو مجھے داغدار کہہ کر مٹا دے گا۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں ورنہ میں گھر سے چل جاؤں گی۔“

مال ڈنڈ کر خاموش ہو گئی کیٹین بیٹی سے بھی ہاتھ نہ دھبائیے وہ ماما کو سمجھ رہی تھی۔ جیسے وہ اپنی بیٹی کی آئندہ زندگی منوائے کے لئے دن رات پریشان رہتی تھی اس طرح بیٹی اپنی ماما سے مجبور تھی اور خیال ہی خیال میں پتھے کو ختم دیکر اویسے ہی سے لگا کر چومتی رہتی تھی۔ یہ نہیں سوچتی تھی کہ ایک پتھر کی وجہ سے اس کی جوانی ختم ہو جائے گی۔

جب وہ بالوں کو سمجھا کر تھک گئی تو یہ صبح کر خاموش ہو گئی کہ وقت کی گول ٹوکر ہی اسے سمجھنے لگے۔ یہ آجکل کے پتھے اپنی من مانی کرتے ہیں بڑے گن کے تجربات کو بغیر جھٹا دیتے ہیں لیکن وقت بڑا سنگدل ہوتا ہے وہ ایک ہی جھٹکے میں ماں کو بھی سنگدل بنا سکتا دیتا ہے۔ ایک رات باور ددیزہ سے ٹپ رہی تھی اور باہر قیامت کا شور برپا تھا بہت دوسرے ”ہر ہر مل دیوہ کی آوازیں آرہی تھیں اور میرے والے جوتا“ اللہ کر کے نعرے لگ رہے تھے۔

پوسے مجھے میں دیکھا ایک گھر آیا تھا جہاں کوئی مرد نہیں تھا کوئی خانہ نہ تھا
 ماں پریشانی کے عالم میں کسی بانو کے پاس بیٹھاتی تھی کسی بھاگی دو سہرے کمرے میں
 جا کر کھڑکی کھلی کر دیکھتی تھی۔ باہر جو انسان تھے وہ دندے بن گئے تھے۔ نہ عمر توں کی
 عزت کا پاس تھا نہ اس کی زندگی کی کوئی قیمت تھی۔ پانی کی طرح بہہ بہا جا رہا تھا۔
 ماں کو دلایا تھی یہ دیر ہوئی تو وہ دوسرے تہی اور کراستی ہوئی بستر سے
 اٹھ گئی۔ پانگ۔ کاسہارا لیکر دیوار تک پہنچ گئی پھر اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر باہر کا
 منظر دیکھا تو حق سے بیخ نکل گئی۔ ایک وحشی درندہ ایک فونائیدہ بچے کو
 فضا میں اچال کر نیزے کے اٹی پر رکھ رہا تھا اس سے زیادہ وہ کچھ نہ دیکھ سکی۔ ایک
 دم سے چکر کر فرش پر گر پڑی۔

ماں اپنی بیٹی کی چیخ سن کر دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی تو اب بانو تنہا نہیں تھی۔
 اس کے قدموں کے پاس فرش پر ایک فونائیدہ بچہ خون میں لختہ ہوا لیٹا تھا۔ باہر
 دندے ہو چاہاں کر زندگی چھین رہے تھے اور ایک ماں اپنے بہو کے چھینٹوں سے ایک
 ننھے لڑکے کو بچاتی تھی وہ مائے دہشت کے یہ بھول گئی تھی کہ وہ درندہ کی جوتا
 ہے اور وہ تخلیق کے رب سے کیسے گزر گئی۔ اسے ایک ہی منظر یاد تھا کہ بچہ
 نیزے پر اچال جا رہا ہے وہ جنونی حالت میں چیخنے لگی۔
 ”اے بیٹے بیٹے مسکرتے ہو پالیتے وہ ظالم اسے چھین کولے جا رہے
 ہیں۔ وہ میرے بچے کو مار ڈالیں گے۔“

اس کا ماں نے بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر سینے سے لگایا۔ پھر روتی ہوئی بولا۔
 ”بیٹی! اب تو خدا ہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔ اس دن کے لئے سمجھاتی تھی کہ اسے
 جہنم نہ دو۔ مہذب رندوں! اس دنیا میں ہم اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ پھر اس بچے کو
 کہاں سے جا کر چھپائیں گے؟“

باہر ایک مکان دھڑا دھڑا حل رہا تھا۔ اس کے دہکتے ہوئے شعلوں کا عکس کھڑکی
 کے راستے بانو کے چہرے پر پڑ رہا تھا جیسے خود اس کا چہرہ جل رہا ہو۔ اس کا دل سلگ رہا
 ہو۔ وہ تھر تھراتی ہوئی آواز میں بولی۔

”اے کہیں صحت چھپا دیجئے۔ اسے لے کر یہاں سے بھاگ جائیے میں صرف
 اپنے بچے کی سلامتی چاہتا ہوں۔ آپ میری فکر نہ کریں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔“
 وہ نہیں بانو اتھارے بچے کی سلامتی چاہتی ہو اور میں تباہی سلامتی کئے نہ مند
 ہوں۔ اب یہ وقت ان پڑا ہے تو میری بات مان لو میں اس بچے کو ایسی جگہ سپرد دوں گی
 جہاں اس پر کوئی آغ نہیں آئے گی۔“

”کہاں؟“ بانو نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔
 ”کہیں بھی۔ تم ایسی نہ پوچھو اپنے دل پر پتھر رکھ لو۔ تم اسے کسی نہیں دیکھ سکتی
 مگر یہ زندہ سلامت ہے۔“

”نہ۔ نہیں۔ میں اپنے بچے.....“
 اس کا انکار اس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا کھڑکی کے قریب ایک کورخت آواز مالا
 دس پھر شعلوں کی روشنی میں ایک سک کا غنی چہرہ نظر آیا۔ اس کا گڑا سا لہو سے بیگناہ ہوا
 تھا۔ ”دست سری اکال“ کہتا ہوا کھڑکی کے راستے سے کمرے میں آ جا رہا تھا اسی وقت
 اس کے حلق سے چیخ نکل گئی کسی سے اس کی پشت پر خونخوار گھونپ دیا تھا وہ کھڑکی پر سے
 اٹ کر باہر گر پڑا۔ ماں نے دوڑ کر کھڑکی کو اندر سے بند کر دیا اور روتی ہوئی بولی۔

”د بانو! تم خود غرض ہو۔ یہ تمہیں بچے سے دشمنی ہے۔“
 وہ بذریعہ انداز میں چیخنے لگی۔
 ”میں خود غرض نہیں ہوں۔ میں اپنے بچے کی دشمنی نہیں ہوں۔ اسے لے جائیے
 اگلے جاتیے میں اس کی جدائی بڑا شکر لوں گی مگر یہ الزام نہیں اٹھاؤں گا کہ مال کی

جنت ہی تھے کہ مار ڈالتی ہے "۔
 ماں نیز قدموں سے چلتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی تاکہ اس بچے کی آواز
 بھی باؤں کے کان میں نہ پڑے۔ تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر
 کاہنچہ منہ نہ دہرتے تو وہ بچے کو قسیم خانہ میں چھوڑ آئے۔
 باؤں کے کمرے فرش پر تنہا پڑی ہوئی تھی۔ جب بچہ نظر لگا تو اس
 نے آنسو بھری آنکھیں میچ لیں۔ پھر ایک طویل سانس اس پر لے چھوڑی جیسے افسوس بالکل
 خالی ہو جانا چاہتی ہو خالی تو وہ ہمیشہ تھی اب لکھنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اب کوئی چور
 کوں نال اس کے دروازے پر نہیں آسکتا تھا۔ اب وہ ایک غریب مفلس کی طرح آرام سے سو
 سکتی تھی۔

دوسری صبح بستر پر اس کی آنکھ کھل تو اس پاس کا ماحول ایسا خالی ایسا تنہا نظر آیا
 جیسے اتنی بڑی دنیا کے تنہا بدن سے آخری کپڑا بھی تار لیا گیا ہو۔ ماں سامنے کھڑی تھی۔ اس
 کی شکل جھکی ہوئی نظر میں کہہ رہی تھیں کہ اس نے ایک معصوم بچے کو اس کی ماں سے جدا کر دیا ہے
 باؤں آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے اس نے پوچھا۔

"میرا اصل کہاں ہے؟ میرے بیٹا ہوا تھا نا؟"

"ہاں بالک! آشرم میں۔۔۔"

"بالک! آشرم؟ باؤں کے دل سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "آپ میرے بچے کو ہندوؤں کے
 آشرم میں کیوں چھوڑ آئی ہیں۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے اتنی؟"

"میں مجبور تھی باؤں! مسلمانوں کی بستی ویران ہو رہی ہے۔ قسیم خانے میں گئی تو وہ
 خالی پڑا تھا۔ کچھ بچے مائے گئے۔ باقی بھاگ گئے قسیم خانے کے گرد و صحران بھی نہیں تھے۔ میرے
 دل میں بات آئی کہ ان انسان کا دشمن تو ہندو ہے مگر مذہب مذہب کا دشمن نہیں ہوتا۔
 کوئی دھرم نفرت اور دشمنی نہیں سکھاتا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ جس دھرم کے چاند کو

تباہی پڑے تو مار ڈالنا چاہتے ہیں وہ بچہ فی الحال اس دھرم کا پناہ میں محفوظ ہو سکتا ہے۔
 ہاں چند لمبے تک۔ ماں کو دیکھتی رہی۔ پھر مدتی ہوئی بولی۔
 "آپنے بچے سے صرف اس کی ماں کو نہیں، اس کی والدین کو بھی چھین لیا۔ کیا ایک سے
 وقت آپ کے دل سے بھی ایمان علی کیا تھا؟
 "مجھے طعنہ نہ دو۔ میں نے حالت سے مجبور ہو کر غلطی کر دی ہے پراپا ایک ہے
 خدا کو منکھور ہو گا تو وہ آشرم میں بھی صاحب ایمان ہے گا۔
 "کیسے رہے گا اتنی آپ کے بھلا رہی ہیں؟
 "اب سے بھلا وہ سمجھ کر صبر کرو۔ اب یہاں سے چلنے کی تیار کی کرو ہم اس شہر میں
 نہیں رہیں گے۔۔۔"



انامہ بالک! آشرم کے ایک کمرے میں انیس برس کی ایک حسین عورت بیٹھ ہوئی تھی۔
 اس کے بال شانوں تک ترشے ہوئے تھے سیاہ رنگ کے مائی بلانڈ اور اسکرٹ میں اس کے
 صو کی چاندنی کھل رہی تھی۔ اس کا نام میرا تھا۔

میرا بارہ سالہ سنڈریس کا صفو اول کی بچہ رخصتی۔ اخبارات کے حلقے میں وہ بہت
 ہی تیز وار بھی جاتی تھی۔ لیڈر ولڈا سیاست دانوں کے ملاؤں کو انہیں اپنے اخبار کی قیمت
 ماری تھی بڑے بڑے لوگ اس سے حوشر وہ بھی ہتھے تھے اور خادیا کی تھے لیکن اس نے میرا
 تیز و طرار نظر نہیں باری تھی اور نہ ہی بالک! آشرم سے کسی بچے اور اس کی ماں کا کوئی ملاؤ چار
 اخبار میں شائع کرنے کی غرض سے آئی تھی۔

وہ خود ایک راز بن کر اس آشرم میں پہنچی تھی بعد بار بار اس سے فائدہ کو دیکھ رہی
 تھی جس کے پیچھے پنڈت جی کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ وہ اپنی باری کا انتظار کر
 رہا تھا کہ کتنے ہی آرام سے بیٹھو۔ پتا تھا کہ کتنے کی طرف چلتا ہے۔ اس نے وہ وہاں

پہو بدل دی تھی۔ مگر وہی دیر بعد آشرم کی وڑھی ملازمہ اس کے پاس آئی تو وہ جلدی سے
اٹھ کر کھڑی ہو گئی ملازمہ نے کہا۔

”پیشوئی بیٹہ جاؤ۔ ابی زور دیر ہے۔ پڑت ہی خود۔ ہاں تمہیں بلائی گئے۔
وہ میٹر گئی۔ ملازمہ نے سامنے ایک کھڑی کی چوکی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیسا کھانا ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں آج سویرے میں
آشرم کا دروازہ کھولا رہی تھی۔ میں نے دیکھی ایک بڑھی عورت ایک ننھے بچے کو ہارے دھانے
پر رکھ کر جباری ہے۔ میں نے یہ پکارا تو وہ بھائی جی گئی تھی۔ دے گی بیلہ کی ہے نہیں تو
میں دوڑ کے اسے پکڑ لیتی۔“

میرا نے وقت گدے سے پہلے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”تم نے اس عورت کو اچھی طرح دیکھا تھا؟“

”اچھی طرح تو نہیں۔ مگر ہاں دیکھی تھی۔ اس کے سامنے میں سینڈ ورنس تھا۔ یا تو وہ
دو دھواں (بیوہ) ہو گی یا پھر مسلمان۔“

”ایسے وقت جب کہ ہندو مسلم فسادات ہو رہے ہیں ایک مسلمان عورت اپنے بچے کو
اسی آشرم میں کیوں چھوڑے گی؟“

”بیٹل، جس کا کوئی بپ نہ ہو، اس کا کوئی دھرم صی نہیں ہوتا۔ وہ بچہ اس بڑھی

کا نہیں ہو سکتا۔ اس کی کسی جوان بہن یا بیٹی کا ہو گا۔“

بڑھی ملازمہ کی یہ بات میرا کے دل کو لگ گئی کہ جس باپ نہ ہو اس کا کوئی مذہب
بھی نہیں ہے۔ واقف دنیا کا ہر مذہب صرف کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ محمد احمد۔ دام بشر
الہ ٹوٹا نہیں جیسے ناموں والے کسی باپ کے جائزہ لے کر مذہب سمجھ میں آ جاتا ہے یہ صرف
کیونکہ بڑے فخر کی بات ہے اور یہ بھی بڑے فخر کی بات ہے اس کے ناجائز بچے کا مذہب سمجھ
میں نہیں آتا۔ جب کہ وہ اپنی سوائی میں بیٹا روز سے نماز کی باتیں کرے یا بھگتا۔ یا بھگوان کی عورتی

کے سامنے ڈنڈوت کر دیا ہو گا یا مسیح کے بت کے سامنے سینہ پر صلیب کا نشانہ بنا دیا ہو گا۔
کیا مذہب یا دھرم کا تقدس اسی طرح قائم رہ سکتا ہے؟

میرا نے پوچھا۔ جو بچہ تھوڑے دروازے پر چلا ہوا تھا کیا اُسے آشرم میں رکھ لیا
جی ہے؟

”ہاں یہ آشرم ایسے ہی بچوں کے گھر ہے۔“

”تو آشرم کھلتے ہیں بچے کے باپ کا نام اور دھرم کیا لکھا جاتا ہے؟“

”وہاں بچوں کے ماں باپ کے نام نہیں لکھے جاتے کیونکہ یہاں آئے کے بعد بچوں
سے ان کے تمام رشتے ناپٹ لے لے جاتے ہیں اور وہ بچے بہتے دھرم کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔
ہاں جب کوئی بچہ نہ ہو تو پتہ کس بھی دھرم کی گود میں جاسکتے ہیں ماں باپ کو
کسی پہلو سے اعتراض کرنے کا حق نہیں رہتا۔“

میرا نے تھکے ہوئے انداز میں انھیں بند کر لیں مگر دوسرے ہی لمحہ اس نے چونک کر
انھیں کھولی دیں۔ اُس کے سامنے کمرے کا دروازہ کھل گیا تھا۔ کچن کوٹے دروازہ سم پر

بائیس برس کی ایک حسینہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے بدن پر قیدیوں کا لباس
تھا اور اس کے اس پاس دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے ان کے پیچھے ایک پولیس انسپکٹر نظر آ رہا تھا۔

میرا نے اس قیدیہ حسینہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ جہادی غلوں کی سب سے مشہور
ان کا رہ پشروانی تھی۔ دیش کے تمام غلوں رسالے اور فوجوازی کے تمام بیڑ دم اس کی تصویروں کے
بغیر مکمل نہیں ہوتے تھے۔ اب وہ قیدی کے لباس میں اور آشرم کے ہر منظر میں ایسی تصویر بنی
ہوئی تھی جیسے وہ خود اپنی زندگی کے کسی بھی خوبصورت کمرے میں لگا نا پند نہ کرتی ایسی تصویر بنی
تو صرف تقدیر کے جسے جس کیمرے میں آ رہے ہیں

اس کے پیچھے کھڑے ہوئے پولیس انسپکٹر نے کہا۔

”تم ڈک کیوں نہیں آئے بڑھو۔“

پشورانی چونکہ کراچی کے رٹھ گئی۔ اسی کے بوجھل قدموں سے پتھر چل رہا تھا کہ وہ کسی قیامت سے گزری ہے اور اپنے پیچھے اپنی زندگی کا اہم سرمایہ چھوڑ کر جا رہی ہے وہ چلتے چلتے رٹھ گئی۔ حوالی انداز میں اپنے سر کو انکار میں جھانکے لگی۔

”نہیں ہیں، میں آئے چھوڑ کر یہیں جاؤں گی۔ میرا اصل میرا پتہ۔ مجھے واپس کر دو۔“ وہ بیٹ کو دلپس کر کے اس طرف بھاگ چاہتی تھی مگر سپاہیوں نے پتھریاں پھرانے پھر کے حکم پر اسے پھینک کر باہر لے جائے تھے۔ میرا کایکیر کا پٹنے لگا۔ ایک سال کو اس کے پیچھے سے جدا کیا جا رہا تھا۔ ایسا تو کوئی قانون نہیں ہے کہ لڑتے کے جسم کے کسی حصے کو کاٹ کر یا بوجھ کر اس سے الگ کر دیا جائے۔ پھر وہ قانون کے محافظ اس جہنم جلی کو زبردستی کہاں لے جانے تھے اگر پشورانی نے پاپ کیا تھا تب بھی دنیا کی کسی قانون کی تمب میں یہ نہیں نکلا ہے کہ بچے کو اس کی پاپنا حال سے جدا کر دیا جائے پھر یہ تقدیر کی ہے۔ دوسروں کے رازوں کو ٹوٹی کر کہانیاں بنانے والی میرا نے سوچا۔ اس انسانک منظر کے جیسے لیکٹ لگا اس کے بچے کی دردناک داستان ہے۔ اس داستان کو کریدنا چاہیے۔

بعض اوقات زندگی اسی فرصت نہیں دیتی کہ دوسروں کی زندگی میں جھانک کر دیکھا جاسکے۔ میرا کا دھیان بڑھ گیا پنڈت جی نے دروازہ کھول کر کہا۔

”میں میرا۔ اندر آؤ۔“

میرا باہر جھانک کر دروازے کے پاس آئی۔ پھر پنڈت جی کے سامنے سے گزرتی ہوئی کر کے میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ پنڈت جی نے دروازے کو بند کر کے بعد میز کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”مجھے پنڈت گروہادی لال کہتے ہیں۔ بیٹی اہم جان بوجھ کر کسی دوسرے دھرم کے پیچھے ہٹے ہوں نہیں لکھتے۔ ہاں کوئی عجیبی ہو تو دوسری بات ہے۔ اب یہی دیکھو کہ آج سویرے سویرے کوئی بوڑھی عورت ہائے دروازے پر ٹیک پٹے کو چھوڑ کر چلی گئی ایسی

حالت میں ہم بچے کو کہیں بھیج سکتے۔ بلکہ ان کسی کو اتنا کٹھورہ نہ ملے۔ میرا نے قد سے مایوس ہو کر پوچھا۔

”دیکھا آپ میرے بچے کو نہیں لکھیں گے؟ جی۔ میں ایک عیسائی ہوں۔“

”بیٹی! تم اپنے دھرم کے الزام دار اپنی عیسائی شہری میں بچے کو دیکھ سکتی تھیں۔ میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟“ وہ فخر سے مسند میں کے بیٹھ کر سویش کر رہی تھیں۔ میں اگر ہم سے پرستش کرتی تھی کہ تم سے کہہ دوں۔ تب سے بچے کو ہندو بھجور کر دیا۔ میں تم سے صرف یہ پوچھنے کے لئے بلایا ہوں کہ بچے کا دھرم بدل جائے تو ہمیں انکار تو نہیں ہوتا؟

”نہیں۔ عیسائی میری سمجھ میں، گئی ہے کہ ہر مذہب میں تھوڑے بہت شیطان ہوتے ہیں ان کے بچے اگر کسی بھی مذہب کی پناہ میں آکر انسان بن سکیں تو یہ بڑی بات ہوگی۔ مجھے انکار نہیں ہے۔“

”میں میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا اب میرے من کی بات لکھتی نہیں رہے گی کہ میں نے کسی کے بچے کو اپنی اچھا سے اپنے دھرم میں شامل کر لیا ہے۔ اب تم جاسکتی ہو۔“ میرا جاننے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکی۔ وہ پکپکاٹی ہوئی بولی۔

”مجھے یوں لگتا رہا ہے جیسے میں اپنی آدمی جان یہاں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔“

اس کی آنکھوں میں آنسو آئے۔ پنڈت گروہادی لال نے کہا۔

”تم بڑی دھیر سچ والی ہو۔ اتنی خاموشی سے آنسو بہا رہی ہو۔ دوسری باتیں

تو یہاں گروہادی لال کہتے وقت دھڑکی مارا کہ انوکھی باتیں تم نے ایک ناری کو اسی طرح پیچھے چلاتے اور دے دیکھا ہو گا۔

”وہ اثبات میں سر ہل کر بولی۔“

”ہاں پشورانی کی آنکھوں میں حیرت والی دو تھیں اس آواز سے کہہ رہے تھے۔ میں میں پہلی

سے جلتے سے پہلے آ۔ آخری بار اپنے کچے گوشت کھانا ہی ہوں۔ اس شرم میں یہ میرا آخری دن
اور آخری خواہش ہے پھر یہاں کسی نہیں آؤ گی ۛ

”اپنی خواہش کسی آخری نہیں ہوتی۔ جب تک سانس چلتی رہتی ہے ایک کے بعد
دوسری خواہش چلتی رہتی ہے میں تمہارا دل نہیں توڑ دوں گا مگر تمہارے اندر میری سحری
حبیب کے کئی سال سے لے کر یہاں آئے تو اس لئے کہ تم نے بچے کی صورت نہیں دیکھی
ہے ۛ

”ہاں، مگر مجھ کا خیال تھا کہ بچے کی صورت دیکھ کر میری متاثر نہ ہونے لگے پھر میرے
چرٹنے کا ارادہ بدل دوں گی مگر اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ
اُسے دوسرے ایک نظر دیکھ کر چل جاؤ گی ۛ

”مگر میں تم اپنے بچے کو کس طرح پہچانوں؟ صبح سے اب تک یہاں چار بچے آچے
ہیں ان میں سے ایک لڑکا ہے باقی تین لڑکی ہیں۔ تم اپنے بچے کو کیسے پہچانو گی؟
”اے! میرا سوچنے لگی۔ میں کیسے پہچانوں گی؟ کیا میرا بچہ لے دیکھتے ہی پکارتے
ۛ ۛ کیا اس کا خیال ہے؟

پندرت گڑھاری لال سے کہا

”میں نہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا مگر مجھ سے ہے تو نہ لڑے ہم رنگ اور ہم عمر
تین لڑکیاں جن دن پندرہ ستمبر ہے ۛ



کنٹرول میٹر کی عمارت کے باہر اخراجات کے پروردوں اور فوٹو گرافوں کی بیئر لگی
بولنگ۔ کیپٹن ہری رام اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا میٹر کے کش پر کش نکالتا تھا۔ میٹر نے دوسری
طرف فلائنگ کلب لائن آفیسر پلٹ پیش کر رہا تھا۔

”میرا آج چندہ ستمبر ہے آج کی تاریخ میں دو دن پہلے ہی چارہ چارٹوڑ کر آیا تھا

چارٹوڑ کر لانے کا نام ہمیش چندہ چڑھی تھا۔ وہ ہمیش اسٹیل میٹر کے مالک تھے ۛ
کیپٹن رام نے پوچھا

”ہمیش چندہ آج فلائنگ کلب میں کب گئے تھے؟

”صبح پانچ بجے ۛ

”ان کے ساتھ اور کتنے لوگ تھے؟

”ان کے ساتھ ان کی دھرم چند اور تین نوجوان سال کا ایک لڑکا تھا ۛ

”وہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ لڑکا کا نام بریس کا تھا؟

”ہمیش چندہ میں رہنے کے کو گود میں اٹھا کر دیکھنے کے فرد جانے ہوئے اسے پکارا کہ بے
تھے اور کہتے تھے کہ آج وہ اپنے بچے کی پانچویں سالگرہ منائے ہیں ۛ

”ہم۔ ان کو بتا جانے ۛ

”وہ کلکوتے سے آئے تھے۔ دارجلنگ میں میں کا ایک کونچ ہے یہ ہے تو رنگ ماڈ
دارجلنگ ۛ

”تو میں دارجلنگ دارجلنگ کے لکول کر اندر آیا اور کیپٹن کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

”میرا پہلی کا پٹر واپس آئی ہے۔ اس کو دی چنانکہ اس پاس بہت سی چائیں انجری

ہوتی ہیں اس نے وہاں پہلی کا پٹر لید نہیں ہو سکتا۔ ان کی رپورٹ ہے کہ بچہ حرکت کر رہا ہے

پہلی کا پٹر سے کہیں اور کھانے پینے کی چیزیں چینی گئی ہیں۔۔۔۔۔“

اس کی بات اور عورتی رہ گئی کھٹے ہوئے دروازے سے تمام رپورٹ اور فوٹو گراف

دستیں گھسیٹتے تھے لکھا جنہوں نے طرح طرح کے سوالات شروع کر دیے تھے کیپٹن نے بدی

داری ہر سوال کا جواب دیا۔

”طیارہ فلائنگ کلب کے چارٹوڑ کیا گیا تھا۔

”اسٹیل مل کے مالک کو اپنی ہمیش چندہ چڑھی کر گیا ان کو لانے کچھ دیر لگتی

تھے۔ ان کے ساتھ ان کی دھرم جی اور ان کو بیٹا تھا۔ حادثہ میں ہمیشہ چندہ اور ان کی بیٹی چلوک
ہو چکی ہیں۔ بارہ ہزار روپے کی بلنگہ پر صرف ان کے پانچ سالہ بچے کی زندگی کے آثار پائے
گئے ہیں۔ آج پندرہ ستمبر ہے اور وہ زندگی اور موت کے درمیان ساغر وہ دن گذر
رہا ہے



سائے کے چلنے کی روانہ تو بالو جو تلک گئی۔ اسے ہوش آیا کہ وہ باورچی خانے میں
چولے کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے اور تھوڑی دیر بعد کچن میں سرتاج حسین اپنی سالگرہ منانے اس کے
گھر آئے والا ہے۔

سوچ کر رفتار آوار کی رفت سے زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتے سوچتے چلوک
پچھلے ہی دو سال پہلے نصف کے پاس پہنچ گئی تھی اس کی بوی نہ کئی تھی پھر ایک بچے کو جنم
دیکر واپس باورچی خانہ میں آگئی تھی۔ تاکہ سرتاج حسین کیسے ریانی اور سالن تیار کر سکے
تہائی میں مامی کی طرف دیکھتے ہی بچے اکیلے در میں کچھ کے ٹھٹھانے لگتی تھی۔
وہ میں طرح طرح کے سوالات ابھرتے تھے "وہ کہاں ہوا؟ اب پوسٹے دو برس ہو چکا
ہوگا۔ دو برس کیسے پتہ؟" ان سوالوں کو سننے لگتے تھے۔

اُنکی وقت سے اپنی ماں کی آواز نہ آتی تھی۔

وہ بالو کی سرور بھی ہو؟ کھانا تیار ہو گیا؟

"اُن اچھی ہاں۔ سالن در میں جی ہے۔ جگر کھانے کے قابل ہے۔"

"اوجھ میں دیکھو جی ہوں تم بہتہ دھوکا دے رہی ہو۔ میں اسے ساتھ لے آئی ہوں
وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہو ہے۔"

دو کون؟ سو سے بے خیال میں سوال کیا۔ حالانکہ وہ سمجھتی تھی۔

وہ یہ کہہ کر اتنی جلدی بھول گئی؟ اب تو جی افسر اس نے مجھ پر نہ کیا ہے

جانتی ہوں کہ نام سرتاج حسین ہے جلدی چلوک۔ بارہ برس سے تباہ زندگی گزار رہا ہے۔
اسے احساس دلادو کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہے۔

وہ وہاں سے جانے لگی پھر ایک ایک پلٹ کر بولی۔

"اتنی آپ کو تو معلوم ہوگا دو برس کیسے پتہ آتی کہنے ہوتے ہیں؟"

ماتے بیٹی کو بڑے کر سب دیکھا پھر قریب اگر محبت سے اس کے تار پر ہاتھ
دکھ کر بولی۔

"میں بیٹھتی ہوں ماں کو انساں یا اتنی کہتے ہیں لیکن تمہارا کوئی بچہ تھا اور نہ ہے
میں نے کئی بار سمجھا دیکھا کہ دو برس پہلے کی بات کر مارڈالو تم نے کیا جزیب ہے۔ ارشاد کیا
کہات چل نکلی تو تم پہلے بار وہیں بنو گی۔ سرتاج تمہارا بڑے تمہاری باتیں کرنا ایک ہے جاؤ وہ
نظارہ کر رہا ہو گا۔"

وہ صبر ساتھ دھونے کیسے غسل خاکی طرف چلی گئی۔ اس کے دل پر ایک عجیب سا
بوجھ تھا۔ ماضی سے رہا تھا اور مستقبل کی مسرتیں اپنی طرف بلا رہی تھیں حال بارہ سالہ بھائی
تھی کہ وہ چچے دیکھ کر چلتے ہیں وہ آگے ٹوڑ کھاتے ہیں وہ پوچھے حال کی بد نصیبی کا کٹھن
وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا اگر وہ میرے سبک گئے گی۔ تو پھر اس کے آگے چچے
پکے ہی بچے پر لگے۔

ماں کے خوشگوار زندگی گزارنے کا سبب پر محال تھی اور یہ اصول حال تھی کہ پھلا
سبب ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ کوئی بھی تحقیق کا لیتے پہلے فنی پائے کو کبھی نہیں بھولتا۔ وہ
بچوں کی ماں بننے کے بعد بھی بالو اپنی پہلی تحقیق کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

جب وہ منہ ہاتھ دھوئے کے بعد بائیں بل کر آئیے کے سامنے آئی تو کچھ دیر تک پتے
آپ کو دیکھ رہی تھی۔ آئینہ میں جو بالو تھی وہ بالکل کوئے کاغذ کی طرح تھی۔ جیسے اسی نکاسی
پر کسی نے اپنا نام نہیں لکھا تھا۔ اور نہ ہی اس کاغذ پر کسی کی پتہ کی تصویر بنائی گئی تھی۔ اور نہ

تو مرتاج بے اختیار اس کی طرف کھینچا چلا آیا تھا۔ بنا کر اس کی بات یاد آگئی۔

دو قدم چھوٹے مرتاج کھڑکھڑا ہوا :—

وہ آئینہ کے سامنے شرمناک مئی۔ اس نام کے سامنے میں شادی کا بیٹھ تھا۔ مرتاج کا پیار بھرا لہجہ کہہ رہا تھا کہ تمام مرد آصف کی طرح سنگدل اور بے حس نہیں ہوتے۔ وہ پھول کو پھول کی طرح اٹھتے ہیں اور آخری سال تک زندگی کے خوبصورت گزرتے ہیں سب کو کھتے ہیں وہ سوچنے لگی۔ ہائے ایسی بخت اور صبر اتنا کہ کہاں تھی اتنی دیر سے کیوں آئی ہے؟
روح کی عمر میں ہمیشہ دیر ہو جاتا ہے اسے اس میں ہر اک وہ آئینہ کے سامنے بڑی دیر سے سوچ رہی تھی۔ مرتاج ڈرنا تنگ عدم میں تنہا بیٹھا ہوگا۔ وہ تیزی سے پلٹی ہوئی اپنے کمرے سے باہر آئی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچ کر اس کی تیز رفتاری برقرار نہ رہی۔ شرم و جلالت اس کے پاؤں پکڑ گئے۔ وہ دروازے کے ایک پٹ کو تھما کر دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے یوں لگتا رہا تھا جیسے وہ ڈرائنگ روم میں نہیں بلکہ مرتاج کے دل کے کسی گوشے میں قدم رکھنے والی ہے۔

اسی وقت پتہ چلا کہ وہ کمرے میں تنہا نہیں۔ اسے مئی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

”بیٹا، بڑی شرمیل ہے۔ وہ اس طرح نہیں آئے گی اسے بلا کر لاتی ہوں؟“

”نہیں اس اپنے جائیں میں آپ سے ضروری تھی کہ آنا چاہتا ہوں مگر ڈرنا لگتا ہے کہ

کمپ نہاں ہو جائیں گی۔“

”بیٹے کیسی باتیں کرتے ہو، جب تمہیں بیٹا کہہ رہے تو تمہاری کسی بات پر ناراض کیسے ہو سکتی ہوں۔ تم عاجز ہو جاؤ۔“

”ای بات یہ ہے کہ میری شرافت کی گواہی دینے کیلئے میرا کوئی عزیز یا رشتہ دار نہیں

ہے۔ اگر آپ مجھے شریف اور ایماندار سمجھتی ہیں تو۔۔۔ تو بلا کر باقاعدہ میرے ہاتھ میں دیدیجئے۔“

اسے اپنی عزت بنا کر ہمیشہ اس کی عزت کروں گا۔

اچانک ہی بانو کے کانوں میں شہنشاہی ٹونجے لگیں۔

نگاہوں کے سامنے آتش بازیوں چھوٹنے لگیں۔

ایک ماہ بتائی تیزی سے سرسبز آسمان کی ہند کی طرف جانے لگی۔

اس کے ساتھ ہی وقت کا پچھلی تیزی سے پروں کو پھر پھیرتا ہوا اڑنا چلائی۔

ایک ماہ گزر گیا۔

وہ دلہن کا سرخ جوڑا پہنے۔ گھونگھٹ نکلے سہاگ کا سر پہنٹی تھی گھونگھٹ

کے سامنے میں ہر کنواری کا دل گھبرا آتا ہے کہ پتہ نہیں اب کیا ہوسے والا ہے لیکن وہ تو کنواری

نہیں تھی کلی سے پھول یا لڑکے سے عورت بننے کے بعد کنواری گھونگھٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ کیا

برودہ ہونے کے بعد بھی وہ اپنے مرتاج سے چھپی رہ سکے گی؟ گرچہ بڑے اور ماضی

کھل کر سامنے آجائے تو کیا ہوگا؟ کیا دوسری بار طلاق ہوگا؟ یہی سوچ کر اس کا دل

گھبرا رہا تھا۔

وہ سہانگی بن کر مسرتوں کے جھوم میں غور فرما رہی تھی۔ بعض اوقات انسان کو ایسے

بی ڈیلٹے دھمکانے والی خوشیاں ملتی ہیں ایسی خوشیاں خدا نہیں دیتا۔ بلکہ انسان خود جیتا

سے ایک دوسرے سے لین دین کے موقع پر اگر ایک اپنا سب کچھ دیکر کسی کچھ چاہتی ہے تو

یہ نہ مسرتوں کا صلہ کرنے کے باوجود ہم سب کو زندگی گزارا کرتے ہیں۔

سوچتے سوچتے انتہائی گھبراہٹ میں گھونگھٹ کے پیچھے کچھ دھکیلی ہیں

وہ ہاتھ پیر بھی وہ کچھ گئی کہ..... مرتاج مین سما کے کمرے میں آئی ہے اسے سمجھنے

کا جو تجربہ تمام تعزات کے مطابق اور زیادہ صبر کرنا پڑی تھی اس کا خیال تھا کہ دینے کا

دوبہ آصف کی طرح ایک ہی انداز میں دیکار ڈکا مانند بولتے ہیں اور گھونگھٹ اٹھتے ہیں

اپنا قرض وصول کرنے لگتے ہیں لیکن جب مرتاج نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے ہاتھ پر

اپنا ہاتھ رکھ کر بولنا شروع کیا تو بانو کا تجھ پر غلط ہو گیا کہ تمام ادب اپنی خواہشات کو اہمیت دیتے

ہیں اس کے برعکس وہ بھی ہوئی دلہن کی دلجوئی کرتے ہیں۔ اسے دائمی محبت اور دائمی محبت کا یقین دلاتے ہیں۔

محتاج میں انداز یہ تھا کہ باوجود دلجوئی کے اس کی طرف کچھتا چلا گیا۔ اس کے در و درمیان میں جو خوف مہیا ہوا تھا وہ آپ ہی آپ دور ہو گیا بعض مرد و عورتوں نے اس سے تودہ تودہ بھر دی ہو گئی تھی۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا اور کیسے ہے سرتاج کی خوش میں چلی گئی تھ سرتاج سے کہا۔

”اتج سے تم کچھ میں سو اور میں تم میں ہوں، میں حسین لخت کے بعد سانسے درمیان کوئی پردہ نہیں رہے گا میں پہلے ہی تمہیں تاج کا ہوں کہ تم سے پہلے میری زندگی میں دوا کرنا آجکل میں۔ اگر تمہاری زندگی میں کچھ سے پہلے کوئی آیا ہو تو مجھ سے نہ چھپاؤ۔۔۔“

انوکے دہ کی دھڑکیں ایک دم سے تیر ہو گئیں، جو خوف مٹ گیا تھا وہ بیکارگی سے بڑھ کر رینگنے کے سے جھٹکنے پہنچا دیا۔ وہ ہزار غصہ کے وجود کا پتہ نہ لگتی۔ وہ اپنی دست میں پی کوئی کمزوری نہ رہیں کہ وہ کسی یکن لعل باتوں کا رد عمل بے اختیار ہوتا ہے اس پر قانون نہیں پایا جاسکتا۔ سرتاج چند لمحوں تک استغفار کرتا رہا کہ شاید وہ جو تاج پہرے سے گی پھر وہ خود ہی بول۔

”تمہارے سو۔ میں سمجھ گیا۔ میں پہلے شخص ہوں جو تمہاری زندگی میں آیا ہوں۔ یہ تھا جسے مدد کی کوئی ایک پٹ ہے میں سمجھ گیا۔ بالکل سمجھ گیا۔۔۔“

”لوگوں کو دیکھو جیسے وہ طرز کردار ہے مگر وہ تو پیار کر رہا تھا اس کی مائیتوں کے راستے دہائی، تیر رہا تھا، جس بات کا جواب وہ نہ دے سکی تھی۔ سرتاج اس بات کو اس کی دائیں دھو بند رہا تھا۔ کوئی ضروری نہیں تھا کہ سرتاج سرفراز بن گیا جو۔ بانو کے دن کا چہرہ ایسا سوچ رہا تھا۔ حالانکہ سب ہی شوہر اپنے حقوق کے مطابق ایسے وقت سرفراز بن کر پیار سے تقشیش کرتے ہیں۔“

مگر سے میں مگر کی تادیب کی تھی۔ اس تاریکی میں وہ اپنے آپ کو بھی غیب دیکھ سکتی تھی اس لیے کچھ احساسات تھے کہ وہ آریٹس تھیں کے میڈر پر پڑی ہوئی ہے اسے محوٹ کا سر طان ہو گیا ہے اور سیتائی کے فشر سے اس کا آریٹس کیا جا رہا ہے یا واقعی دیا میں کوئی ایسا ہسپتال ہے جہاں سے محوٹ کی میڈیکل رپورٹ حاصل کی جاسکتی ہو؟

”نہیں۔“ بانو نے اسے حوصلے سے سوچا۔ ”کوئی میڈیکل محوٹ کو نہیں پتہ ہو سکتا اس کے۔“ وہ خود میں نے فیصلہ کیا تھا کہ محنت کرنے والا شوہر میں ہا تو اس سے کچھ نہیں چھپاؤں گی مگر اس نے مجھے اسی پتے کی قسم دے کہ ہے (جو نہیں ہے اور ہے) انہوں نے ان کی ہے کہ میں کسی راجہ یا قہار نہ کروں۔ سرتاج خواہ کتنا ہی شریف ایذا دار اور محنت کرنے والا شوہر ہو وہ ایک باسی دلہن کو کبھی رفاقت نہیں کرے گا۔

وہ بڑی قیمت کی رفاقت تھی مگر نہ ہی نہیں چاہتی تھی اور یہ شہر تھے کہ دل میں گھر رہے تھے اور اس کے چاروں طرف کی تاریکی اسے دل سے شہر دہی کی کہ ہے پریشان ہیں ہونا چاہیے۔ رات کی تاریکی میں اور ماں کے پیٹ میں ہر بات چھپ جاتی ہے۔

رات کے چھپے پہر سرتاج اُن کے کمرے کے پاس گیا۔ پھر اس کے کمرے کے کھولنے کے بعد ایک سنگریٹ سلگنے لگا۔ بانو نے جھپٹے ہوئے کروٹ بدل کر اس کی جانب دیکھا۔ بھڑکی کے باہر تاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں وہ ایک مائے کی طرح نظر آیا تھا اس کی پشت بانو کی طرف تھی تنوڑی دیر تک دونوں کے درمیان بڑی ہلچل مچ رہی تھی خاموشی دہی۔ پھر وہ ایک سنگریٹ کا ایک کیش لگا کر دھو جھپٹنے لگا۔ وہ کس پر نہیں رہا تھا۔ بانو پر یا اپنے آپ پر؟ ہنسنے کی کوئی وجہ تو ہوگی فیئر کسی وجہ کے صرف پائل بہتے ہیں۔

”میں بھی کیسا نادان ہوں کہ اپنے منہ کے ہر انسان سے یہ توقع کرتا ہوں کہ وہ پوری سچائی سے میرے منہ سے اسے یہ مراسر حاکقت ہے ہر انسان کا اپنا ایک ماضی

اپنے چند روزہ پانچ روزہ ہوتا ہے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے ذاتی معاملات کی چھان بین کرے ۔

اسے پھر سگریٹ کا ایک کنڈی یا انڈی میں سگریٹ کی آگ دیکھنے لگی ہانوں کو یوں لگا جیسے وہ اس کے منگتے ہوئے دل کو بھونک رہا ہو ۔ آخر اس نے کہا ۔

”ہالو میں یہ نہیں سمجھا کہ تم نے مجھے کچھ چھپایا ہے اگر چھپایا ہے تو پھر ہمیشہ ریکھا میں چاہتا ہوں کہ تمہاری اناجیت کو ٹھیس نہ پہنچے ۔ تم میری عزت ہو اور تمہاری عزت ریکھا میرا فرض ہے ۔

ہالو اس کی محبت اور شہرت کا یہ انداز دیکھ کر تو پتہ چلتا تھا اس کے دل میں آیا کہ وہ بھی جا کر اس کے قدموں سے پیٹ جائے اور اپنے ماضی کی یہ ایک بات اسے بتائے مگر کون کون سی بات ؟

وہ تو سوچ رہا ہوا کہ اس کی دلہن کی زندگی میں پہلے ہی کوئی آچنگ ہے ۔ وہ یاد دہانہ سے کنواں نہیں سمجھ رہا ہوا ۔ لیکن اسی دور تک نہیں سوچ سکا کہ وہ ایک بچے کی ماں ہی بن چکی ہے ۔ درست ہے کہ عدوت سرتاج جیسے شوہر پر اپنی جان قربان کر دیتے ہیں مگر عدوت کی جو بہو تو ہے اسے ٹھیس نہیں پہنچتی ۔ اپنے دل کی بات خود کبھی رمان کی نوک تک نہیں لاتی ۔ ہانوں کے ساتھ ہی یہی عورت کی مجبوری تھی جیسے وہ خود سمجھ سکتی تھی ۔ پیسے صبر و نہیں سمجھ سکتی تھی ۔

وہ قیامت کی رات کسی طرح گزری گئی دوسری صبح ناشتہ کی میز پر ماں موجود تھی اور بڑی خاموشی سے بیٹھی اور داماد کے چہرہ کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی سرتاج اپنی عادت کے مطابق ہمیں بول رہا تھا ۔ ہانوں کچھ چپ چپ سی تھی لیکن سرتاج کی کئی بات پر شرما کر مسکراتی تھی ۔ ہانوں کو ملتا کہ بات بن گئی ہے ۔ جب داماد خوش ہے تو ہانوں کی قسمت بھی خوش ہے ہانوں کو اپنی عادت سے محروم ہو کر چپ چپ سی رہتی ہے ۔

پھر دن بچتے اور جیسے گزرتے گئے ۔ سرتاج نے ہانوں کی اس بات نہیں چھوڑی جو ہانوں کے دل پر بوجھ بن جاتی ۔ وہ تو پہلے دفعہ سے ہی اس کا دیوانہ بن گیا تھا اس کی دیوانگی درستہ قائم تھی مشکل یہ ہے کہ اس کو کسی کر دت قرار نہیں ملتا ۔ ہانوں کے دل سے خوف اور اندیشے دور ہوئے تو وہ سرتاج کی دیوانہ وار محبت سے گھبرانے لگی ۔ وہ اپنے حلوں اور عزت سے عظمت حاصل کر رہا تھا لہذا وہ بھی کہ آپ ایسی ہی نظروں سے گرتی جا رہی تھی ۔ ایک ماں بعد سرتاج نے اس کے لئے دو بیڈروم اور ایک ڈرائنگ روم کا چھوٹا سا مکان بنایا اور اس کے ہاتھ میں مکان کی چابی دیکر کہا ۔

”یہ تمہارا گھر ہے اس کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھولو ۔ اور اپنی حق سے اس گھر کو جنت بنا دو ۔

اپنے مکان کا پہلا دروازہ کھولتے وقت ہانوں کے ہاتھ کاپ سے تھک چکا تھا نصف تھا جو گھر ٹوٹ کر چل گیا تھا ۔ ایک یہ سرتاج تھا جس نے اپنی محنت کے کھڑے پائینے سے محبت کا وہ چھوٹا سا تاج حملی بنایا تھا ۔ کیا وہ اس گھر کو اس کے لئے محبت مان سکتی تھی ؟ مگر کیسے مان سکتی تھی اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا خیال اس کے دل میں یہ آیا کہ اگر وہ بچہ آصف کا نہ ہوتا ۔ سرتاج کا ہوتا تو وہ اسے ہانوں میں لے کر اس نئے مکان میں قدم رکھتی ۔ پھر اس کے اور سرتاج کے درمیان کوئی جھوٹا رویہ اعتدالی نہ ہوتا ۔

جب دو بری گزرتے گئے تو سرتاج نے ایک رات اسے بازوؤں میں سمیٹ کر چوم لیا ۔ کیا بات ہے کی ہاں اسے اس پتھر سے گھر میں ایک ننہ سا بھول نہیں کھینچے گا ۔ ہانوں اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے بولی ۔

”میں کی کہوں ۔ یہ تو خدائی دین ہے وہ جب چاہے گھر میں بھول کھلا دے ۔ ایسا کہتے وقت اس کا حلق خشک ہو گیا ۔ اس کی نظریں ملنے دیوانہ سے

لے کر بڑے کینڈ پر لگن کینڈریدہ ستمبر کی تاریخ تیار تھا اس کا دل جیسے حلق میں لگا کر مڑنے لگا "وہ خدایا! اب تو میرا عمل چار برس کا ہو گیا ہوگا۔ وہ ایسی کی کر رہا ہوگا" ایسے وقت شوہر سے دعا کرتے کرتے ایک شخص کی دیوار حائل ہو جاتی تھی مگر پھر بھی ہوں گے مدد سے موت تو اسے چھوڑ کر شوہر سے بیٹھے سے لٹکا سکتا ہے مگر کچھ ہوں گے وصل ہو تو ازدواجی محبت کے درمیان وہ عورت کو سوئی کے بدلے صرف ماں بنا کر رکھ دیتا ہے ماکو کی مٹا دیتی منگی لڑی تھی۔

یہ برس اور گزرتا۔ پندرہ ستمبر صبح بالوئی آنکھ کھل کر اُسے سب سے پہلے یاد آیا۔ بیٹے سے پچھلے برس سے پانچ سال گزر چکے ہیں اگر وہ صبح موجود ہوتا تو صبح ہی سے اس کی پانچویں سالگرہ کی تیاری شروع ہو جاتی۔ بچے کے بچوں کو مدد کیا جاتا۔ کھانے کمانے پر درگرم ہوتا میاں بیٹا تاکا پتھر کے درمیان شہزادہ نظر آتا۔ کیسا ہنسا ہوتا یہ گھر عورتوں سے اتر جاتا۔

اس وقت گھر میں پرانی روایا گئے تھے۔ وہ ہڑکڑ کر بیٹھی اب اسے سرتاج کا خیال آیا۔ اگر یہ ہوتا تھا وہ صبح دیر تک سو رہتی تھی اور سرتاج ناشترے کے بغیر ڈیول پر چلا جاتا تھا وہ بستر سے اٹھ کر اپنی کوتاہیوں کا احساس کرتی ہوئی مکان سے باہر نکلتی تھی۔ ان سب باتوں سے تیار وہ ابھی مد میں بیٹھا خیار پڑھ رہا ہو۔ مگر وہ نہیں تھا۔ ٹھیک نو بج کر اس منٹ پر اسے یلحیہ کے کواڑ سنائی دی۔ وہ سراٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ نہیں جانتی تھی مردہ چھوڑا بیٹا زعفرانی کے یروپر سے پرواز کرتا آیا ہے اور موت سے روٹنے پر لپٹ کر سوت رہا ہے۔

اس کے دہانے دھڑک دھڑک کر یہ نہیں تیا کہ اس طیارے میں ایک پانچ برس کا بچہ سوار ہے یا چوبیس سالگرہ من رہا ہے۔

وہ جسے پانچ برس کا ایک ایک لکھ لکھ کر گنے کی طرح جھٹکا جاتا تھا اس کے خون میں بال نہیں آیا کہ اس کے خون کا ایک چھینا اس کی نگاہوں کے سامنے سے پرواز کرتا گزرا ہے۔

ہاں! اچانک ہی اس کے دل میں درد ماحسوس ہوا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ کون سے چور دروازے سے آیا ہے۔ وہ دونوں اٹھوں سے بیٹھے کو تمام کر مکان اندر چلائی



خبریں ملنا اخبارات سے پہلے ہی پورے گھر میں جاتی ہیں۔ دیوار کے تمام ریڈیو اینٹین پانچ بج کر جانی کے متعلق خبریں سن رہے تھے۔ طیاروں کو حادثات پیش آتے ہیں جی حادثات میں مرنے والوں پر افسوس بھی کیا جاتا ہے پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان حادثات کو بھلا دیا جاتا ہے لیکن یہ خبر سن کر ہر ماں باپ کا دل دھل گیا کہ ایک پانچ برس کا بچہ بارہ بار رست کی بلندی پر بے یار مددگار پڑا ہے خبر سن کر کوئی ماں ایس بھی تھی جس نے اپنے بچے کو فوٹا ہی کھینچ کر سینے سے لٹکا لیا ہو۔

ڈیول اور ٹنگ میل گرام کے ایڈیٹر نے ریڈیو سرج کو آف کرتے ہوئے اپنے بلاؤٹ ماس دیو سے کہا۔

وہ اس دیو! اپنے نوٹوٹرا فر کے ساتھ ڈیوٹا وارنگ نیچر۔ وہاں پہنچ کر کالی کالج کا تصویر لو۔ کالج کے اندر پہنچ کر اس بچے کے خال بستر کا بھی ایک تصویر آدہ۔ وہاں جو لوگ بچوں ان کے بیانات لے کر ایک معصوم بچے کے متعلق ایس مڈ خبر کیانی باڈو کر پڑھنے والوں کے دل پر چلی جائیں۔ یہ سنہری موقع ہے ہمارے اہلکار کی اشد ضرورت ہے کہ وہ میں سمجھ ہوں ہیں! جب دھماکہ خیز خبریں سنائے نہ ہوں۔ اتنا بڑا تصور ہوتا نہیں جیتا۔۔۔

ایڈیٹر نے کہا "وہ صرف دھماکہ خیز سچی باتوں سے کام نہیں چلتا ان خبروں میں ٹنگ

”یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جانی تو اہم موضوع ہے اس کی تصویر تمام اجازت
شائع کریں گے۔“

میر نے کہا: ”اس طرح حال کے متعلق جتنی خبریں ہو سکیں وہ سب ہی اہم ہوں گی
لہذا فضول سمجھتے بازی سے پرہیز کرو۔“
اتنے میں دربارہ کھل گیا۔ ایک بوڑھی ملازم سے سادھی کے انچل سے آنسو پونچھتے
ہوئے پوچھا۔

”آپ کون لوگ ہیں؟“

ماس دیو نے اپنے فوٹو گرافر سے کہا کہ آنسو پونچھتی ہوئی اس عورت کی فوٹو تصویر اندر
جائے۔ فوٹو گرافر نے کیمیرے کی آنکھ سے دیکھا۔ اس وقت میر نے اس بوڑھی عورت کو بائیں
قرب آکر اپنے رومال سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔ کیمیرے کاٹھن بننے کے بعد فوٹو گرافر کو پتہ
چل کر میرا بھی تصویر بن چکی آئی ہے۔
اس دیو نے جھنکار کر کہا۔

”یکہ حرکت ہے کی ابھی آنسو پونچھنا ضروری تھا۔“

”ہاں! اس دیو۔ ہم پہلے انسان ہیں بعد میں بوڑھی ہیں ایک کبھی عورت نے آنسو
پونچھ کر اسے تسلی دینے کے بعد ہم اپنا کام کر سکتے ہیں۔“
بوڑھی ملازم نے اس سے متاثر ہو کر کہا۔

”وہی تم بہت اچھی جو عورت ہی عورت کے دکھ درد کو سمجھتے ہو، اؤ، اندر آ جاؤ۔“
اس دیوار سے پہلے ہی کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے پوچھا۔

”مالی جی! آپ کچھ بچے کے ساتھ کیا دھرتے ہو؟“

”وہیں اس گھر کی ملازمہ ہوں۔ مگر ایک ماں کی طرح دن رات جانی کو گود میں کھلیا رہی
ان کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ جانی کو ہوائی جہاز کی سیر کرنے کے بعد آتے ہی ہوں گے اس وقت

میں نے ریڈیو دیکھا تو یہ منحوس خبر سنائی دی۔ اپنے کانوں سے سن کر کبھی یقین نہیں آتا ہے۔ جانی
بے خبر جھوٹی نہیں ہو سکتی؟“

”نہیں مالی جی!۔ میرے پاس کہا۔ یہ خبر جھوٹی ہوتی تو ہم یہاں نہ آتے۔ آپ کی
مر کے جانی کی ایک تصویر میں ہے دیں۔ کیا آج جال کی سالگرہ منائی جا رہی تھی؟“
”ہاں، یہ دیکھو۔ کل رات ہی یہ روبرو دے کے ایک منگوا دیا گیا تھا۔“

ملازمہ نے آگے بڑھ کر ایک میر پر سے کپڑے کو ہٹایا۔ جال ایک بڑا سا تھوڑے
بیک دکھ ہوا تھا۔ فوٹو گرافر اس کی تصویر تانے لگا خوب عورت سے ایک پر واضح
انعامیں ”پندرہ ستمبر“ لکھا ہوا تھا۔ میر نے سالگرہ والی بات جانتی تھی اور یہ سمجھتا تھا کہ
”ج کو کسی تار سے ہے لیکن ایک پر۔“ پندرہ ستمبر کی تقریب دیکھ کر اس کا دل جیسے
لگا اس کے دماغ کی کوکھ میں اس کا بچہ میں چل کر پوچھنے لگا۔

”تم جی! آپ میری سالگرہ نہیں منائیں گی؟ دیکھئے نا؟ میرا تھوڑے بیک تار
ہے۔ بوئیے نا۔ کیا آپ میری سالگرہ نہیں منائیں گی؟“

ایک بچہ اندر ہی اندر آگے جھنبھڑا ہوا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اب
کچھ ہونے والا ہے اس نے اپنے تپ کو ٹھلا کر کہا کہ ہو سکتا ہے؟ یا دیکھ کر کہہ دیجئے تو وہ
اندر سے مرجھائی تھی۔ مرنے کے بعد اور کون سا مالہ اسے ٹھلا سکتا ہے؟

انسان جو سوچ بھی نہیں سکتا وہی اس کے آگے آ سکتا ہے وہ چپ چاپ کھڑی
ایک پر لکھی ہوئی تار دیکھ کر تنکے جا رہی تھی۔

”میرا بارہ سال سے ملازمت کر رہی ہوں۔ پانچ برس پہلے میں بیٹھ اور بیٹھانی
کے ساتھ خود جانی کو لانے گئی تھی۔“

”لانے گئی تھیں؟“ اس دیو نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

”یعنی آپ سب پتالیا میٹر نئی ہوم سے اسے لانے گئی تھیں؟“

وہ آرتھ ملار سے ایک ڈیجیٹل مینٹل ٹی۔ وہ اپنے دونوں بازوؤں کو گود لینے کے بعد میں بولنے لگی جیسے بچے کو اٹھائے بہت دور سے لاہری پور۔ پھر وہ حسب عادت ڈیڑھ گھنٹے لگی۔

”اس کے پاس دے تو سو رنگ ماسی ہو گئے اب یہ بتانے سے کیا فرق پڑے گا کہ وہ ہسپتال سے لایا گیا تھا۔ یا آشرم سے۔۔۔“
یہ بات میرے سینے میں گونگ مچ گئی وہ ایک دم سے روک کر اٹھ کر چل پڑی۔
”سب سے بڑا خبر داس دیوے چٹکی ہو کر رہا۔“

”وہ مارا۔ یہ خبر دے دیا کہ خیر ہوگی کہ وہ پھلے پلکے ہے اگرچہ حادثہ میں اس کا باپ اور اس کی ماں مر چکی ہے اس کے بعد اس کے خفیہ دفینے والی ماں کہیں زندہ ہوگی۔ اُف! اس خفیہ کیسی سس پھیل جائے گی۔“
منا کیسی سس اور کیسے کر کے گزر رہی تھی۔ یہ میرا کا چہرہ بتا رہا تھا اس کے دماغ میں زندہ جان پل رہی تھیں۔ ”میرا بچہ۔۔۔ میرا بچہ بارہ ہر انٹسٹ کی خند کی بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے میں بھی جاؤں گا۔ ساری ٹیلیوین کو گر کر اسے پیسنے دے لوں گی۔“

وہ تھکھرائی ہوئی آٹھ رکھڑی ہو گئی۔ اس وقت داس دیوے نے کہا۔

”میرا، میں تم سے یہ وہ حادثہ ہوں۔ دیکھو لیڈ یہ خبر سننے سے پہلے میرے اندر یہ آگے لگی۔ پھر داس نے خلاف سے پوچھا۔ ”جانی کو کس آشرم سے لایا گیا تھا؟“
”جلیٹی ٹوٹری کے بالک آشرم سے۔۔۔“

ملارہ کی بات سن کر میرا کو سسکل یقین ہو گیا کہ وہ پورا اسی کلب ہے اس نے داس دیو کا بازو تھام کر کہا۔

”ظہیر۔ داس دیو۔ میری ایک بات مان لو ہم میں سے کسی کو یہ خبر شائع

نہیں کرنی چاہیے کہ وہ پتھر سے پالکے۔“

”کیوں؟ داس دیو نے سبزی سیکڑ کر پوچھی۔“

”اس بچے کو وہ بچہ ایک کرڈر پتی سینٹو مہیش جڈر کے نام سے پہچانا جاتا ہے اگر تم یہ خبر شائع کرو گے تو اس معصوم بچے سے ایک باپ کا نام چھن جائے گا۔ اُس کے کچھ کام کام کیر میرا سا ہو جائے گا۔“

”میرا! مجھے بے وقوف ماننے کی کوشش نہ کرو۔ تم یہ حریم پناہ روک کر خود اپنے اخبار میں شائع کرو گے۔ اپنی یہ چالاکیاں ہی پاس رکھو۔“

وہ تیزی سے چلتا ہوا باہر جانے لگا۔ میرے لئے آواز دی داس دیو نے مددگار سے پلٹ کر میرا کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے فوٹو گرافر سے کہا کہ وہ اس گھر سے جانی کی ایک تصویر حاصل کرے پھر اسے فوٹو گرافی ملار سے پوچھی۔
”ماں جی! مجھے یقین ہے کہ آپ جانی کی اصلی۔۔۔ ماں کو حاضری پئی کیا آپ مجھے اس کا پتہ بتائیں گی؟“

میرا نے جلدی سے کہا۔

”ماں جی کچھ نہیں۔۔۔ جانتی۔۔۔ کچھ نہیں بتائیں گی۔“

فوری حد تک تھک کر کہنے لگی۔ ”یہ سچی ہے بیٹی۔ آشرم والوں سے جانی کے

ماں باپ کا پتہ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔“

”میں اچھی طرح سمجھتا ہوں میرا! اماں کی کو تھرا اشارہ مل گیا ہے لیکن میں نے کوئی گولیاں نہیں کھینچی ہیں۔ میں آشرم سے معلومات حاصل کروں گا۔“

یہ کہتے ہی وہ کوئی جواب نہ لے کر کالج سے باہر آگیا ڈاک خانہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا وہاں پہنچا پھر ٹک کال کے ذریعے اپنے ایڈیٹر سے بات کرنے لگا۔ اس نے ایڈیٹر کو بتایا کہ وہ میرا کے مقابے میں کتنی

تیز رفتاری اور دہانت سے کام کر رہا ہے۔ دو کو گرفتار کر لیا۔ تم تعجب میں نہ کرو۔ فریج میں سے
اس کا اس سے وہ دھماکہ خیز خبر بھی سنا دی کہ جانی بے پلک لڑکا سے اور اب وہ آشرم کی طرف کو
جا رہا ہے تاکہ جانی کی اصل مال کا سزا لے سکے۔

یہ تفصیلی رپورٹ دینے کے بعد وہ ریوے اسٹیشن آیا وہاں سے نیر و جیج کے
دریوہل گوری بینی سٹی کوڑی سے راولڈ گج کے دریوہل چپٹی گوری بینی کراسمنے
آشرم کا پتہ معلوم کیا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ سائیکل رکشا میں بیٹھ کر آشرم میں آیا تو
دریوہل قدم دیکھتے ہی ٹھٹھک گیا۔ سکا مہر جوش و خروش سرد پڑ گیا۔ میریا اس سے پہلے
ہی وہاں پہنچ کر ہیڈ رومہری سال سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے داس دریوہل کو دیکھتے
جی کہا۔

”داس دریوہل! میں نے نہیں سمجھا تھا کہ ایک معصوم اور مظلوم بچے کا کیریر تباہ
نکرو۔ کسی ماں پر کیڑا نہ اچھو۔ یہ کہنا ہی کوئی ماں نہیں ہے۔“
دفعہ اول باتیں کر کر میریا۔ میری سال ایک آدرش ناری ہے۔

”تو پھر اس آدرش ناری سے جا کر۔۔۔ یہ پوچھو کہ وہ تمہارے جیسے پوت کو کسی عورت
ذات کی تو ہیں کہ سننے کی اجازت ملے سنتی ہیں یا نہیں؟ اپنا نام کرنے اور اپنا اخبار سیکھنے
کے لئے کوئی کتا نہیں گرا جائیگا۔“

داس دیوہل سے ناگوار رہی سے دیکھتے ہوئے ہیڈ روم کی طرف گیا۔

دریوہل ان آپ دھرم کی بات کریں۔ ایک بے پلک پوچھو اپنے مال باپ سے
مردم ہو چکا ہے۔ یہ پوچھو۔ ان کا لالہ ایک پنہیا۔ کیا ہمارا تو (دھرم) نہیں ہے؟
”ہاں بیٹے! یہ نہ کہ۔۔۔ مجھے تو شبہ ہے کہ تمہارے جیسے نوجوان اپنے کرتوت
سب سے کم سن کم اس آشرم سے دست بردار ہو جاتے ہیں ان کی جا
سکھام کسی کہتے ہیں کہ رہیں گے جسٹ کیونکر ایسے ماٹوں سے اورا کا رشتہ ہمیشہ کے

نے ٹوٹ جاتا ہے اور جو چیز ٹوٹ جاتی ہے اسے مسکال کر نہیں دکھا جاتا۔
”یہ سیکے ہو سکتا ہے؟“ داس دریوہل نے کہا۔ ”ہم آپ جب دفتر کھول کر بیٹھے ہیں
تو جھوٹے سے چوٹی چیز کا حساب دیکھتے ہیں پھر تکیے یعنی کیا مانگتا ہے کہ مال کو سچے
کا حساب یہاں نہیں دکھا جاتا ہے۔“

”مسیحہ بیٹے! ان ماٹوں کو کھانے کے لئے ایک عمر چاہیے اس دنیا میں چھوٹے
چھوٹے اور ٹری سے بڑی چیزوں کی گنتی ہو جاتی ہے ٹکڑا دی اپنے ہونے کو نہ کہ
حساب نہیں رکھتا۔ ایسے ہی لہو کے جھینٹے اس آشرم میں آتے ہیں۔ اگر وہ اپنے باپ ان کے
سے انکار نہ کرے تو کوئی عورت اپنے بچے کو یہاں نہ لے آئے اب اگر وہی بوقت حائل تو
مات بہت دیر تک جائے گی۔“

”آپ مجھے ٹھٹھکے کیلئے یہ سب کہہ رہے ہیں۔
بیٹے جو صبح صادق میں سے کہہ دیا۔“

”سیر شریان! میں بچہ نہیں ہوں کہ بھل جاؤں۔ میری ماں نے عورت و ت کی
راج لکھنے کی پڑتھنا کی ہوگی۔ اسی سے آپ مجھے اس بچے کی مال کا نام اور پتہ نہیں بتائیں
گئے لیکن میں ہار ملنے والا آدمی نہیں ہوں۔ جب یہ خبر میرے اخبار میں چھپے گی کہ پڑ
لی چوٹی پر جو بچہ ہے وہ پندرہ ستمبر کو پیدا ہوا تھا اور چپٹی گوری کے ہالک آشرم
سے ہمیشہ چندرہ اور ان کی پتی کی گورنری پنہیا تھا تو جانتے ہیں کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جو میں
چاہتا ہوں۔ اس بچے کی اصل مال چاہی ہوگی، وہ اخبار پڑھتے ہی مات پر مول سے
نکل کر اپنے بچے کی طرف بھٹکے گی۔۔۔ اونہو، میرا نام داس دیوہل ہے۔ داس دریوہل۔۔۔
وہ بڑے گھمنڈ سے پاؤں پٹختا ہو وہاں سے چلا گیا۔ میریا نے میوہی سے کہا۔
”یہ نہیں مانے گا۔ اس کی نادانی سے ان دو ماٹوں تک یہ خبر پہنچ جائے گی۔
یہ میں جانتی ہوں کہ ان کے دلوں پر کیا گزرتا ہے۔ میری سزا تو اسی تڑپ اور بے چینی ہے۔“

کریں پھر ملکا کر یہ بڑا چوٹی پر پہنچ جانا چاہتی ہوں۔
 و حیرت دہانی! انسان ہے کس سے پرستگار و دہم تین عورتوں کی
 لاج بھی رکھے گا۔ یہ نہیں وہ دہم تین کہاں ہیں۔ انہیں سے ٹکے نہ اپنے بچے کو
 ہر دم کے دروازے پر چھوڑ دیتا یعنی اپنے آپ کو چھپ لیتا مگر اس بچے کی پادشاہی کر
 وہ چھپ نہ سکے گی۔
 دوسری کو میں پہچانتی ہوں۔ اس کا نام یثودا ہے۔



یثودا کی جیل کی انہی سلاخوں کے نیچے کھڑی ہوئی خلد میں ایک ٹکے دیکھ رہی
 تھی۔ یہ انسان کی بہت پرانی داستان ہے کہ جب وہ چنے اندوہی نکلتا ہے تو بے اختیار
 خلد میں گھسے نکلتا ہے اس طرح یثودا کی خلد میں گھس کر ہوئی جیل کی آئین سلاخوں سے
 ٹک کر ماضی کے اس دور میں پہنچ گئی تھی جس میں وہ کنواری کہلاتی تھی۔
 مانتا ہے اس کا نام یثودا تھا۔ جس کو ان کرشت کسب کو حرم میںے وال نادری
 کا نام بھی یثودا تھا۔ اس ناطے سے یثودا کے ماں باپ نے اپنی بیٹی کو تیراود جانا تو ان
 بنسنے کے لئے اس کا نام یثودا رکھا۔ لیکن جب وہ بیٹھ کر پرانی صرے کے لئے حانہ
 لگتی تو ایک دن بستی کے ایک شریروہ جو ان نے غلیل چلا کر پانی سے بھری ہوئی اس کی
 چاکر گادی یثودا حانے غرقہ سے کہا۔

دو تونے گا تو زردی دانی گردن ساری بھگودی۔ مجھے تھکے تھکے کیا ملا؟
 فوجوں نے صکر کر کہا۔ کہ کرشن کہنا! میں اسی رادھا کو اس طرح تباہ کرتے تھے۔
 "مگر میں رادھا نہیں ہوں۔ میرا نام یثودا ہے۔"
 "کسی ماں کا نام یثودا ہو تو اچھا لگتا ہے تیرے جیسی جوان، چھیل اند
 الیں نا صرف رادھا کے دل میں بھی لگتی ہے۔"

یہ بات یثودا کے من میں بھٹکتی اسے اس اس ہو گیا کہ وہ دنیا کے جوان انھوں
 میں سنانے کے لئے جوان ہو گئی ہے اس بات وہ دیر تک بستر پر کر دینی ملتی رہی۔ اس
 فوجوں کی ٹاپوں کی گرمی بھی اس کا یہ پہلو اور کبھی وہ پہلو حلاتی رہی۔ دوسرے دن پہنچٹ
 پر فوجوں نے کہا۔

"میرا نام مرلہ ہے۔ آج رات جب چاند ڈوب جائے گا تو میں تیرے
 مکان کے پھر ڈیسے کھیاں میں منتظر کروں گا۔"

اس کی ہر بات انگارے کی طرح چور چوروں کو جھلکتی تھی رات آئی تو وہ اپنے
 جذبات سے روٹنے لگی کہ کھیاں میں نہیں جلتے گی یہ بڑی بات ہے واقعی یہ باتیں بری ہوتی ہیں
 کوئی ایسی حد تک وہی شریلوں کی روک خود کبھی بے شری کی طرف نہیں جاتی۔ جوانی کا مقناہیں
 جزا اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اس کنواری کے منہ میں۔

مادھا بھی شام سالوں سے سے ملنے جاتی تھی۔ اگر اس میں کوئی رات ہوئی تو بھگوان
 خود کبھی ایسا نہ کرتے۔ ان کی سرئی کی ماں سمجھتی ہے کہ پریم جانا سے کوئی نہیں فراموش
 پریم ایسی شکتی ہے جو رادھا کرشن کے دل میں پوری جاتی ہے۔

جب چاند ڈوب گیا تو کھیاں میں یثودا کا حسن طور ہو گیا دینکے تمام ماں
 باپ اپنی جوان بیٹیوں کے لئے پھر دیکھا۔ کھینٹے ہی کہ بیٹیاں اس جادو حانہ
 کی بکیر سے باہر قدم نہ نکالیں لیکن پریم شکتی سے کھینٹ کر لے لیتی تھی اس سے یثودا حانے
 یہ نہیں سوچا کہ پریم اند پاکچہ بیچ نہیں براہ راست ہوتا ہے۔ جانا تو انیں ڈوب کر یہ فائدہ کیسے
 ختم ہو جاتا ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا۔ پھر بھی وہ بڑی سبھی ہوئی تھی۔ مرلہ دھرتے فائدے کو پانا
 چاہا تو وہ کتر بن گئی۔

"نہیں مرلہ! اگر تم زیادہ سے پہلے مجھے لاکھ لاکھ تو میں اپنی نظروں سے
 کر جاؤں گی۔ تم میرے من میں رہنا چاہتے ہو۔ اس لئے چلا آئی میرے اس طرح آنے کی لاج رکھو۔"

کام لینا پڑا ہے۔ اس لئے وہ ٹرلی دھڑک معلق کے مطابق کام کرنے لگی۔ ایک ماہ بعد علم کے ایک ایسے سین کاربہر سن تھا جس میں دین میں روشن کر دھوکے سے شراب پلایا اس کی عزت بڑھ گیا ہے پتالال نے اسے سمجھا کر کہا اسے ایک گلاس میں شربت پلایا جاتے گا اور وہ پیئے کے بعد ایسی ایجنٹ کرے گی جیسے قلعہ شرب پل ل ہویشو دھارے گا۔

وہ میں شراب اور ت کی ایک ٹنگ کیسے کر لیں گی میں کی جانوں کے شراب پل کر کیا لگتا ہے ؟

تم فکر نہ کرو۔ پتالال نے کہا ہے کہ یہ بہت اہمیت سب کچھ سیکھ جاؤ گی شراب اور معمولی چیز ہے۔ تم ہر پل کر می مرے گا کیا اب اوکاری دکھا سکو گی۔ چلو اب میں لکڑی کے شربت کی ایک ساس میں پی جاؤ۔

پیشو دھارے گلاس کو اٹھایا۔ مگر چند محوشت پیئے کے بعد اسے اُجالا کر اسے لگی۔ معلق ملنے لگا۔ پتالال نے ذرا صبر سے کہا۔

وہ شربت کو میں نے جان بوجھ کر دیا کہ وہ اسے تاکہ تم خود کو بیچ کر شراب پیتی ہو لی محوشت کرو۔ اسی لئے لکھا ہوں کہ ایک ساس میں پی جاؤ۔

شراب ہو یا نہ ہو، پہلی بار پیئے وقت ایک سانس کی مفت بھی بہت ہو رہا ہے۔ سانس میں گلاس خالی ہو گیا مگر سر میں آدھیاں ساتھیں۔ ماری دینا اس کے چاروں طرف محوشتے لگی۔ اس وقت جو کچھ ٹی پر گر رہی تھی اسے وہ غم کا سین سمجھ رہی تھی کیونکہ وہ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ غلوں میں دھرایا جاتا ہے اور غلوں کے ذریعہ جو کچھ سکھا یا جاتا ہے زندگی میں اس کی کسی دیر میں ہوتا ہے۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رہنے لگی۔ شام میں اسے آیا تو وہ اس کے قدموں سے پیٹ کر روتے ہوئے صاف صاف کہنے لگی۔

اب میں آپ کے قابل نہیں رہی جس پتالال کو تم دیوتا کہتے تھے اس نے دیوتا کو ملے مسل ڈالا ہے۔ میں آپ سے مائے شرم کے آنکھ میں ملا سکتی۔ میں مر جاؤں گی۔ مر لہو دھارے گا تو میں سے اس کا کہ پیئے لگایا۔

میری جان اتنی دواسی بات پر رو رہا کہ پہلے ہی چانس میں پانچ ٹکڑوں کی ہر دین پیئے کے لئے ہر طرح کی قربانی دینی پڑتا ہے۔

یشو دھارے جو ٹنگ سر اٹھایا۔ پھر جراتی سے اس کا منہ لگی۔ وہ صبح رہی تھی کہ ٹرلی دھڑکاتے سنتے ہی غصہ شربت کے ہوش میں پتالال کو قتل کر دے گا۔ پھر اپنی دھرم چٹنی کا ہاتھ تمام کر ماری دولت اور جھوٹی عزت و شہرت کو ٹکڑی ماری کر کے ٹانگہ واپس لے جاتے گا لیکن پیئے چٹنی بے غیرت دیکھ کر جیسے ایک جھلکے سے اُسے غلٹ لگتی کہ وہ اس کی کسی کب تھا؟ لکھ کہاں ہوا تھا؟ اس جھگڑا کے سامنے جو پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اگر اس پتھر کے پیئے میں دل ہوتا تو وہ اسے ٹوڑ کر اسے پیئے ہی چلیا مگر بے غیرت اور پیئے پیئے تک ہے۔ جھگڑا نے بڑی خاموشی سے اسے ٹرلی دھڑک بے غیرت جھول میں ڈالا۔ مری دھارے اس طرح پتالال کی جڑوں میں اُسے ڈال دیا۔ ایسے وقت میں بحر میں نہیں آتا کہ جھگڑا اور انسان دونوں کا مل ایک جیسا کیوں ہوتا ہے ؟

اس روز وہ ٹرلی دھڑکے پھر بولی۔ من ہی من میں کڑھتی رہی۔ دوسرے دن پتالال آیا تو وہ بولی۔

سیٹھ صاحب ! اب تو میں کس سے ہوا ہے ؟

تم سے ۔۔۔۔۔

اب آپ ہر ماہ بیس ہزار روپے کس کے ہاتھ میں رکھیں گے ؟

تمہارے ہاتھ میں ۔۔۔۔۔

وہ کوئی اور کار کس کا ہے ؟

تہاڑی ہے میری جان ۔

”حبیب تہاڑی جان بول تو یہ دلال اس کو بھی میں کیوں رہتا ہے اسے دھکے مار

کر گاں رو ۔“

یشودھانے نفرت سے مرل دھرن طرف اشارہ کیا تو وہ انہیں کرکھڑا ہو گیا ۔

”یشودھانے یہ کیا سوچا کر رہی ہو ۔ کیا تم جو حق میں ہو کہ تم نے اپنے حق کا اہمان تو چھوڑا

کیا ہے ؟“

”میں اسی ہوش میں آئی ہوں ۔ تم میرے ہی کہتے تھے ، اور تم کی جان کو جیتی نہ کر تو

ہوتا ہے ؟ اسے بے شرم ! مرد وہ ہوتا ہے جو ایک ہاتھ سے اپنی عزت کا ہاتھ

پکڑتا ہے اور دوسرا ہاتھ اس کے نیچے ماری دینے سے ڈرتا ہے مگر تم دلال ہو دھنل مکمل

جاؤ میرے گھر سے ۔ حبیب میں عزت کرتی ہوں ، میں کاتی ہوں ، میں اپنی پرورش آپ کرتی

ہوں ۔ صبر بکری ہی کرتی ہوں تو پھر تمہارا یہاں کیا کام ہے ؟ میں ایک کتے کو پال سکتی

ہوں تمہیں نہیں پال سکتی ۔ میں پتال ل اگر تم سے دوستی رکھنا چاہتا ہوں تو اسے بے عزت

کرنا بھی میرا حق ہے نکال دو ۔“

یشودھانے اس حکم سے مدد مرلی دھر دودھل منھی نہ گیا ۔ پتال ل کے آدھوں

اسے چٹکی سے پکڑ کر کوٹھی سے باہر پھینک دیا ۔ اس نے ایک ہفتہ بعد فلم کی سیشن شروع

ہوئی تو پتال ل نے کہا ۔

”یہ یشودھانے بہت نام نہان ہے تمہارا کوئی ماڈرن قسم کا نام چنا چاہیے ۔“

یشودھانے کہا ۔

”وہاں یشودھ بہت ہی پوتر اقدس نام ہے میں نے مانا پتا اس نام کے بدلے

میں مجھے ایک شریعہ دینی مانا تھا جتنے تھے ۔ آہ میں نے بھاگ (غصیب) میں یہ دھکے

تھے جو اب کوئی مدعا میں قسم کا نام رکھ دو ۔“

پتال ل نے منہ سے برتنے پیا ۔

”اب تم میری باتیں کرنا سیکھ گئی ہو ۔ اب تمہارا اداکاری میں گہرا رنگ ہے ۔“

میں نے خیال سے تمہارا نام دیا تو پتال ل نے قلم دیکھنے والوں کے دلوں پر اچ کر دی ۔

وہ صرف دانی نہیں ، میں نے اپنے نام کا بھی کچھ حقدار ہونا چاہیے ۔ تاکہ میں اپنے

آپ کو یاد رکھ سکوں ۔ یشورانی کیسا نام ہوگا ۔

”بہت غریب صورت ۔ اس آج سے تمہارا نام یہی ہے ۔“

یشورانی اپنے نام کے ساتھ ساتھ خود کو بھی ۔ دوماہ بعد فلم کی شونگ شروع

ہو گئی ۔ آٹھ ماہ کے بعد وہ فلم مکمل ہو کر ریٹر ہوئی تو ویس کے کونے کونے میں یشورانی کے

نام کا ذکر کیا جانے لگا ۔ تمام کرڈیٹر فلم ساز اس کے دروازے پر آئے تھے لیکن وہ ہر سال ایک

پتال ل کی پابندی پتال ل اب اسے ہر ماہ ایک ماکٹسے دے رہا تھا اور دھکے مار رہا تھا کہ دوسری

فلم مکمل ہوتے ہی اس سے شادی کر لے گا ۔ اگرچہ پتال ل اسے بھی زیادہ دولت مند لوگ

اس سے شادی کی تمنا کرتے تھے لیکن یشورانی نے سوچا کہ جو اس کی عزت تک پہنچ چکا ہے

اسی ایک مرد کو جو کہ ہے تو بہتر ہے اس نے وہ دوسری فلم کے ریٹر ہوئے تک پیر

ایک نرودا ہی اور گھر کو زندگی کے خواب دیکھنے لگی ۔

دوسری فلم ریٹر ہوئی مگر اس آف پر کامیاب نہ ہوئی ۔ ایسے ہی وقت یشورانی

کو پتال ل نے کہ وہ ماں بننے والی ہے ۔ اسے نوں پر پتال ل کو اطلاع دی کہ فوراً ہی شادی

کر دو ۔ ورنہ ہمارا سچا ناجائز کہلائے گا ۔ پتال ل فلم نگاہی کے باعث سر پرٹے بیٹا ہو

قا ۔ اس نے چلا کر جواب دیا ۔

”میں نے ایک کرڈیٹر سے ڈوب سے ہیں اور تمہیں شادی اور رنگ دلیوں

کی سوجھ بوجھ ہے ۔ ابھی میرے ساتھ جو اس نے کر دیا

یشورانی نے غصت سے کہا ۔

”تم کو اس زکوٰۃ میں ڈال دے گی ہوتا تو تمہارے ڈوبنے کی پروا نہیں کروں گی
ہاتھ ہرے لے پے کو دے دے گی۔“ نہیں تو میں تمہارا پیٹھا نہیں چھوڑوں گی ۱
پتالہ بزم دہلی۔ کیونکہ شیروانی اب پیٹھے میں کمرہ دو بے سہارا عورت نہیں
تھی کتنے ہی دولت مند تمہارے سہارا لینے کے لئے تیار تھے ایک مشہور فلمی میرزا
چندر شیکھر سے دیوار دشمن کرتا تھا۔ پتالہ نے شیکھر سے ملاقات کی اداس سے پوچھا
”میں شیروانی کو چھوڑ چاہتا ہوں۔ کیا تم سے پناؤ لے سکتا ہوں؟“
مشہور نے ایک دم سے غصہ ہو کر کہا۔

”میں دلہن دیاں سے اُسے پناؤ نہ گا۔ مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ تم اتنی حسین
خلعت کو میری خاطر چھوڑ دو گے ۲

”یقین کرو۔ میری دو شرطیں مان کر تم سے حاصل کر سکتے ہو پہلی شرط یہ ہے
کہ تمہیں کل ہی شیروانی سے بیاہ کرنا ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تم میری فلم میں کام کرنے
کا معاوضہ نہیں لو گے ۳

”میں نے منظور ہے ۴

”تو پھر جاؤ، وہ شیروانی کو یہ خوشخبری خود ہی سنا دو کہ تم اس سے بیاہ کر
کے اس کے ہوسٹل کے پتے کے باپ بن جاؤ گے ۵
”کیا مطلب؟“ شیکھر نے چونک کر پوچھا۔

”کیا تمہارے اس جرم کی وجہ سے چھوڑ دینے سے ہو کہ وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی
ہے؟ یہ تو بڑا ہی کہیدہ ہے ۶

”شیکھر، میں مغول باقی نہیں کرنا چاہتا۔ اپنا آخری فیصلہ سنا دو۔ میری دو
شرطیں منظور کرتے ہو یا نہیں؟“

”میں شیروانی سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اس سے ہر حال میں شادی کروں گا ۷

وہ بڑے عزم سے شیروانی کے پاس پہنچا۔ پتالہ اطمینان سے اپنے کمر میں بیٹھ گیا
اس کا خیال نہ تھا کہ وہ اپنے کو تنگے کا سہارا بنی ہوئی ہے شیروانی کو کمر کی دل لہر پر اپنے
پچھلے ایک باپ کی ضرورت ہے ہندو شیکھر کو قبول کرنے کی لیکن رات کے دس بجے ملازم
نے آکر اطلاع دی کہ شیروانی سننے آئی ہے۔
پتالہ نے کہا۔

”جو کہہ دو شیرو صاحب کمر میں نہیں ہیں کل اگر ملاقات کرے۔“

ملازم پہنچا۔ پتالہ نے کمر کی تھاکہ وہ چپکے ذکر کرنے آئی تھی اور اس نے اس کا پیٹھا
نہیں چھوڑے گی اس نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ دنوں کے لئے بیٹھا چھوڑے گا۔ جب ڈاکر پت
شر شیکھر سے شادی کرے گی تو پھر واپس آجائے گا۔ میں زمینے واپس آکر بتایا کہ شیروانی
واپس چلی گئی ہے اسے اطمینان ہو گیا کہ ملاقات کی گئی ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں سونے کے لئے لی تو وہ بلا واپس موجود
تھی۔ پتالہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”وہ تم یہاں کیسے آئیں؟“

”دی اسی بیڈ روم میں میں پہلے کسی نہیں آئی۔ آج کوئی خیمات تو نہیں ہے۔“

وہ شیکھے۔ ”کیا بے آرام سے بیٹھو“

”میں بیٹھنے نہیں، ہاتھ تمہارے دیکھ کر گناہوں کا حساب کوئے آئی ہوں، جوں
کے ظلم کیا تم اس دن کے لئے مجھے جنت کا فرما رہے تھے تم لوگ اتنی بے مٹری کے بعد
بھی مرد کیسے کہلاتے مرلی دھسے نہ تھے تمہارے حوالے کیا اللہ اب تمہیں شیکھر کے حوالے
کرے؟ ہو کی اپنی بیٹی اللہ بہن کے ساتھ ہی ایسا ہی کرتے ہو ۱

”دیکھو شیروانی! جیسے اندر بڑھاؤ۔ میرا خاندان آدمی ہوں۔ تم فلموں میں اپنے
والی خلعت جو گھر میں تم سے شادی کروں گا تو میرا ہی خاندان سے ملے گا ٹیٹوٹ جانی گے

دوسری قسم میں میری رقم ڈوب گئی ہے۔ تیسری قسم کے لئے میرا اپنا پیسہ رقم نہیں ہے
 کام دونوں کی بھلائی اس میں ہے کہ ہم صرف چودھ سو سو روپے ہر دوں کے نام سے
 ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہیں۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ شیکھر جیسا ہر دو تھا
 جو بے ساقی بنا چکا ہے۔

شیکھر زوی ہمیں دیو تلے پہنچ جیتے اسے کہتے ہیں وہ میرا چچا اور بچے کا
 پتان کو مجھے تمہاں پر پردہ ڈال دے گا۔ میں اسے مرد کو جھگڑانا کر پوجتے رہوں تو
 جو کم ہے ملائی تو میں تم سے ملنے آؤں۔ میری موت اتنی سستی نہیں ہے کہ
 تم لوگ مجھے رشاد پہنچا سکو، ایک طرح دوسروں میں ہاتھ دبو مارا دھڑکا کر کل
 گیسے مگر تم زندہ ہیں بگھے۔

یہ کہتے ہی اس نے پیل کا گھٹان اٹھا کر اس پر حملہ کیا۔ پیل بدتر وہ فوجی گدہ دوسرو
 ہار پائی بھولے بھولے تھے۔ یوترو لے کے اتر آؤ پکڑا تھا۔ غصہ اور
 جوں میں وہ اس کے سر پر گداس سے سر میں لٹائی رہی۔ میرا اس وقت ہوش آیا جب پتالوں
 خد میں است پت ہو کر فرش پر میوہ کے لئے فٹ ہوئی۔

یشور نے دیکھ کر یہاں ڈپ ڈکرائے دیکھے تکی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ
 اسے ایک سال کی بائال ہے ایسے وقت اسے پنے ہونے دے نہ پنے کا خیال آیا
 گردہ میل جانتی تھی اسے مصوم بچے کا کہنے کا جب اس نے مارا تو اسے سوچا تو
 عقل آگئی۔ کہنے میں اسے گدراں کو ساڑھی کے آٹھل سے حاف کی ہر کھڑکی کے
 لہتے سے باہر جلتے وقت میں اس تمام چٹھوں کو پوچھتے چل گئی جہاں اس کی انگلیوں کے
 نشانات پائے جا سکتے تھے۔

اسی احوال کے باوجود دوسری صبح پولیس اس کے دروازے پر پہنچ گئی۔ قانون
 کے باوجود اسے حوالت میں لے گئے۔ پھر حوالت سے کچھ رہی اور کچھ رہی سے جیل میں لے گئے۔

مقدمہ ملتے کے دوران بڑے شے ظلم سارا سے سزا سے پانے کی کوشش کرتے رہے
 شیکھر اکثر اس سے ملنے آتا تھا اور اسے لکھیاں دیتا تھا۔ پتالوں کے موزم کی گواہی
 نے اسے جیل میں پہنچا دیا تھا۔ لیکن گواہ نے یہ بھی کہا تھا کہ جب پتالوں نے ملاقات سے
 انکار کر دیا تو شورا نے واپس چلی گئی تھی۔ پتالوں کا ————— باپ یشور دھالے غار
 کھا شے بیٹھا تھا۔ اس نے ملے موت ملا کے لئے ایڑی چول کا زور دیا تھا۔
 مقدمہ کے دوران جیل کے لئے تھے۔ زبانی کا وقت قریب آئی۔ ان دنوں مقدمہ
 اس کے خلاف چلا تھا اور وہ سوچتی رہتی تھی کہ اگر اسے پانسی کی سزا ملے گی تو پتے لایا
 اب وہ ہوگا جیلر اور دوسری قیدی عمر میں سمجھتی تھیں کہ پتے کو کس اثر میں چھوڑ دینا
 چاہیے۔ اگر نہیں چھوڑے گی تو پانسی کا پتہ نہ اسے چھڑائے گا۔

آخر وہ بڑا بڑا ہسپتال کے نئے نئے ہوم میں پتلے چھپا دیا۔ وہ وہاں لکڑی کی جیل
 میں مشغول رہی۔ کچھ ہی عرصہ وہ پتہ چلا لکڑی کے اثر میں رہی۔

اب وہ حسیل کا اپنی سلاخوں کو تار کر خلا میں گھر رہی تھی۔ یہ انداز کی
 بہت پرانی حادث ہے کہ جب وہ اپنے خذہ جاتا ہے تب وہ خذہ میں گھسے گھسے
 ہے مگر اب یشورانی دھنی کے بے اہل سے واپس آگئی تھی اور سوچ رہی تھی۔

دیکھئے پانسی کی سزا ہوگی، نہیں انہیں میں زندہ رہوں گی میں کسی
 چار دیواری سے باہر جاؤں گی اور اثر میں رہی پتے کو اپنے پتے کو بے سے کاروں کی
 اسے برقیات پر اثر سے حاصل کر لوں گی۔



پندرہ ستمبر کی صبح جیل کے کو عادیہ پیش آیا تھا۔ دفاتر کے گیدہ کے ایک
 میڈیکل کے ذریعہ یہ خبر ملک کے ایک صبح سے دوسرے صبح تک پہنچ گئی تھی۔ کوئی
 یہاں نہیں تھا جہاں ایک مظلوم اور دہشت زدہ پتے کا ذکر نہ ہو۔ کوئی یہاں نہیں

تھا جو بچے کے سلامتی کے لئے دعائیں نہ مانگ رہا ہو۔ ملک کے کئے کوئے سے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں کو فون کر کے یہ مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ اس بچے کے متعلق ایک ایک لمحہ کی خبر شریک کی جائے۔ بعد ازاں اسے گھنٹے کے بعد ریڈیو کے ذریعہ یہ یقین دلایا جا رہا تھا کہ بچے کے سلسلے میں جیسے جیسے خبریں معمول ہوتی رہیں گی انہیں عوام تک پہنچایا جاتا رہے گا۔

یہ لوگوں کا خیال تھا کہ بچہ مر چکا ہوگا کہ لوگ یہ سمجھ کر کانپ جاتے تھے کہ بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک ناکھ پھر دو پھر یک دھوپ اور رات کی سردی کا مقابلہ کیسے کرے گا؟ وہ حادثہ سے بچنے کے بعد رات کی تاریکی میں دہشت سے مر جاتی دوپہر کو ریڈیو سے یہ خبر سنائی گئی کہ بچہ کاپڑے جانی گئے کھانے کا سامان اور میل دینے پہنچے جاتے ہیں۔

دھ گھنٹے کے بعد پھر یہ خبر سنائی گئی کہ پولیس، اسکاٹ اور فوجی فوجوان اس پہاڑی کے دامن میں کیسپ لگا رہے ہیں ریڈیو محکمات اطلاعات اور اخبارات کے رپورٹر اور فوٹو جرنلس بھی وہاں پہنچے ہیں۔ اس کے علاوہ غریب طور پر بجلی پنچائی جا رہی ہے تاکہ رات کے وقت وہ تک اس پہاڑی کو روشن دکھا جاسکے اس کے باوجود وہ بجلی کی روشن جانی کی بلدی تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔

جیسے جیسے ساری خلقت نے حادثہ کی یہ خبر سنی تھی صرف ایک بانواس خبر سے یہ خبر تھی وہ سب سے پہلے معلوم ہی ہے چینی محسوس کر رہی تھی۔ ریڈیو آں کر کے کوئی گیتوں بھر اپر ڈرام سننے کو دل نہیں چاہا۔ اس لئے گھر کا ریڈیو خاموش پڑا۔ شام کو پانچ بجے سربراہ حسین فوجی جیپ میں بیٹھ کر آیا تو اس کے ہاتھوں میں شام کا اخبار تھا اس نے اخبار کو بانو کی طرف مڑھلتے ہوئے پوچھا۔

”آج ریڈیو سنا تھا؟“

”نہیں، میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔“
”آج کا خبریں سن کر تمام انٹرفون کے دل میں درد اٹھ رہا ہے ایک ایک بار پہاڑی چٹان سے ٹکر لگتا ہے۔“
”ہوائی جہاز کے حادثات جوتے ہی جیتے ہیں یہ انہوں کی بات ہے مگر کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔“

”نئی بات یہ ہے بانو کہ ایک پانچ برس کا بچہ زندہ بچ گیا ہے۔ بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر تنہا پڑا ہوا ہے۔“
بانو کا دل دھک سے دھکا۔ پانچ برس کی لڑکی کے ساتھ بچا پنے کے کی جدائی تو پانے لگی۔ اس نے اچھ میں پکڑے ہوئے اخبار کو دیکھا پہلے صفحہ پر جانی کی تصویر تھی بڑی ہی من موہنی دل میں اتر جانے والی تصویر تھی۔ بانو نے سوچا وہ میرا بچہ ہی تھا ہی بڑا ہونگا اور ایسا ہی محسوس اور خوبصورت ہوگا۔۔۔۔۔

متراج حسین نے کہا۔ ”ذرا گرم کر جائے پلاٹو۔ میں ابھی چلا جاؤں گا۔ پہاڑی کے دامن میں میری ڈیوٹی ہے میرا خیال ہے بچے کو اتنی بلندی سے بچے لانے تک ساری رات گزر جائے گی۔ ساری رات جاگنا ہوگا۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے ریڈیو کا سوئیچ آن کر دیا۔ موسیقی کا پروگرام نشر ہو رہا تھا وہ چائے پانے کے لئے کچن میں چل گئی۔ اگر وہ اپنے ساتھ اخبار لے جاتی تو چائے تیار ہونے کے دوران وہ دھاک خیر معلومات حاصل کر سکتی تھی لیکن اخبار کا صرف ایک تصویر نے اسے درد ماضی میں پہنچا دیا تھا۔

جب وہ ایک کمرے پر چائے سے مبرا ہوئی تو یہاں ایسا رنگ کرانے متراج کے پاس جانے لگی تو موسیقی کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ پھر ایک ہی وہ آواز تم گئی اور کسی مرد کا آواز سنائی دینے لگی۔

یہ آگ لڑیاری کی رو سے دوسرے ہے چند منٹ کے لئے عریض ہو کر پھر دیکھو
 دو کربانی کے متعلق تازہ ترین معلومات فراہم کی جا رہی ہیں۔ سامعین! وہ
 بلعصب جانے والے مردہ مال باپ کے قریب زندہ ہے وہ اصل ایک لکے پانکس پتھر
 ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اس کی تائید پیدائش.....

ہاں ایک دم سے فتنہ کار کھڑی ہو گئی۔ پندرہ۔ ستھریک تائید من کو اس کے
 باتوں میں چلنے کی ٹھکانہ دی تھی۔ میڈیو کی آواز بے گناہ۔

”اب ایک مقامی احباب نے یہ بحث کی ہے کہ سورج کی تابانی ہمیشہ چند چڑھی
 اور ان کی دھرم پتی نے اس کے کو چلیاں کوڑی کے بالک اشرم سے حاصل کی تھی۔ خیال
 کی جاتے ہیں کہ اس کی اصل.....“

ایک روزہ دھماکہ ہوا، حالانکہ چائے کی پیالیں گر کر ٹوٹنے سے دم مار
 نہیں ہوتا۔ سرتاج ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔
 ”کیا ہوا یا تو؟“

کیا ہوا؟ مانو کیسے بتائے کہ کیا نہیں ہوا۔ ایک نکتہ مایہ پتھر اس کے سینے پر لائیں
 مار رہا تھا۔ ”اچی۔ اچی، مائی جان نے مجھے چپائی کی ٹوڑی کے بالک اشرم میں چھوڑا تھا۔
 وہ پتھر بالوں کے درمیان میں تھی مٹیوں میں مسل رہا تھا۔“ اچی! آپ نے
 مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ دیکھتے تھے میرے بھی کچھ کھانا ہے جا کر چھوڑ دیدیجئے مجھے ایسی
 بلندی میں چاہیے مجھے اپنی گودیں آتیں تھیں۔“

ہونے میں سے بے قابو ہو کر دونوں ہاتھ اپنے سینے کے اطراف یوں پھینچ لئے
 جیسے پتھر کو نامعلوم بلندی سے اتار کر سینے سے لٹک رہی ہو۔ ایسے وقت وہ بھول
 جاتی تھی کہ اس کا سرتاج اس کے ساتھ موجود ہے۔ یہ تو اسی پام کی بلندی بہت سا تھا
 دنیا آباد تھی۔ مگر سے پتھر پتھر کے سو کھو لکھ رہی تھیں ہاتھ اس کے پاس تھے جسم دیا تھا اور

جس کی صورت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس پتھر کے تصور کو جان کی تصویر سے
 قائم کر چکی تھی۔

پھر وہ چونک گئی۔ سرتاج اس کے دونوں بازو پر دو کھمبہ بٹھا رہا تھا۔ ہاں
 کچھ تو کہو۔ یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر رہنے لگی۔ اب اسے یہی ہے جس
 کا احساس ہوا کہ وہ صرف ایک پتے والی نہیں، ایک شوہر والی گتے اور اپنے شوہر سے
 اس گناہ پتے کا وجود چھپاتی آئی ہے اب وہ کس طرح چھپا سکتی ہے؟ گلاب بھی اپنی زبان
 بند کر کے گتے پتے کے پاس کبھی نہیں پہنچنے کے گی اور اگر اس کو لے گی تو سرتاج کے دل
 کو ٹھیس پہنچے گی۔ وہ مجھ سے دل دجان سے چاہتا رہا۔ اسی عجب بیوی کا جھوٹ
 اور قریب سامنے تھے گا تو جھوٹ کا حد تک محبت کر کے ملے شوہر کا ڈھن کیا ہوگا
 ہر مکت ہے کہ وہ اس قریب کو برداشت نہ کرے اور اسے طلاق دے دے

وہ دور اسے پرکھ رہی تھی۔ ایک طرف سرتاج کی رعایت تھی، عزت اور اور
 خوشگوار اور دوسری طرف پتھر کے پتھر سے پتھر ہونے لاپتہ پتے
 کا پیار اپنا پتہ بتا رہا تھا۔ اب وہ اپنے دامن میں حلق نامہ اور بدامی کے کراہی مٹا کر
 تسکین کر سکتی تھی۔ اس نے ذرا سی دیر میں فیصلہ کر لیا کہ سرتاج کو سیکڑوں میوے مل
 سکتی ہیں مگر ایک ماں نے دیر کی ٹوڑی تو وہ پتھر پتھر سے ملے گا۔

سرتاج سمجھ رہا تھا کہ بانو کو کسی قسم کا دہی عہد نہیں ہے اس نے قتل دینے کے
 لئے سے سینے سے لگایا۔ وہ ایک دم سے تڑپ کر لٹک ہو گئی۔ پھر وہ رو کر کہنے لگی۔
 ”اب آپ مجھے سینے سے نہ لگائیے۔ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ میں نے آپ
 کو دھوکا دیا ہے۔“

دیکھا دھوکا؟

م۔ میں آپ کی بوند بننے سے پہلے ۔۔۔ ایک مطلقہ عورت تھی یہ حقیقت
میں آپ سے چھپاتی رہی ۔۔۔ اب آپ جو چاہیں مجھے بتادیں :
بانو نے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا ۔۔۔ شاید طنز یہ انداز میں مسکرا رہا تھا ۔۔۔ پھر وہ
میں سے ۔۔۔ شاید اپنی شریک حیات کے لیے خیالی یہ نہیں رہا تھا ۔۔۔ پھر اس نے کہا ۔
" میں مایہ جوں اور مایہ کس حد کو فتح کرنے سے پہلے اس کے جھڑپائی
حالات سے واقف ہو جاتا ہے میں نے بھی تمہیں اپنی منکوحہ ماننے سے پہلے معلومات
حاصل کی تھیں ۔۔۔ یہ چند کثرت ماں میں پیدا ہوئی تھی ۔۔۔ وہاں جا کر مسلمان
کے مجھے میں پڑھا کہ آصف نام کے کسی شرابی جواری سے تمہاری شادی ہوئی تھی وہ قہر
کمر بٹا کر اور تمہیں حلق دے کر چلا گیا ۔۔۔ یہ بھی معلوم ہو کہ تم ایک پتے کی مٹی نے دھار
تھیں ۔۔۔ یہ تباہ و برباد پیدائش سے پہلے فتنہ کر دیا گیا ۔۔۔ "۔
" نہیں ابیں وہ زندہ ہے ۔۔۔ وہ قدموں سے لپٹ کر دلت جیجی جیجی جیجی
" آپ مجھے مار ڈالیں مگر میرے بچے کو یہاں کی اس خطرناک بندی سے زندہ رکھا
انہ کے آتش ۔

مہر تاج نے حیران ہو کر قدموں سے لپٹی ہوئی ۔۔۔ تو کوئی بچا ۔۔۔ چشم زدن میں یہ واضح
ہوئی جو بچہ یہاں کی بندی پر ہے ۔۔۔ مائی ماں قدموں کی پستی پر ہلک کر بندہ
ہے اور چکیوں اور سسکیوں کے درمیان تار سے بے پروہ اور بندہ متعجب کی درجہ
شب سب طرح فرقہ وارانہ اس کی آگ بھڑک گئی تھی ۔۔۔ فوراً زندہ پتوں کو نیزوں پر
اچھال دے تھے اس حالات میں نہ پتے کو زندہ رکھنے کی خاطر آشرم میں چھوڑ دیا گیا تھا ۔
مہر تاج نے سے دونوں بازوؤں سے تھم کر قدموں سے اسٹاپ ہوئے کہا ۔
" میں پوچھتی تھی سال سے انتظار کر رہا تھا کہ اپنی حقیقت بتاؤ گی کسی میں سوچا
تھا کہ تم چھوٹی اور دماغی ہو ۔۔۔ مگر اب مستقبل منظر کے لئے تم نے مجھ سے شادی

بے سمجھی تمہارا کے لمحات میں تمہاری قربت اور محبت سے یہ جیسا تھا کہ تم صرف
مجھے چاہتی ہو ۔۔۔ مگر اس چاہت کے دوران کوئی کاٹا سا کھٹک رہا ہے مگر کوئی
دقیب کاٹنیں کر مانتے آہ میں بھی برداشت نہ کرتا ۔۔۔ لیکن اب یہ من کر چلنا ہوا کہ
ہماری محبت کے درمیان صرف ایک بچہ کھٹک رہا ہے اور ایک مسموم بچہ کسی کا دشمن
نہیں ہوتا :
بانو نے خوشی سے رشتے جوئے کہا ۔

تو پھر آپ میری مدد کریں گے میرے فعل کو زندہ سلامت میری گردن میں پہنچائی
گئے :
" بانو اس بچے کو صحت سلامت پہاڑی چوٹ سے نیچے لے کر ہر ممکن کوشش
کی جا رہی ہے اب میں بھی ایک باپ بن کر اس بچے میں دلچسپی لوں گا ۔۔۔ میں وہاں جا رہا ہوں ۔
تم فوراً چلی گئی گھر کے آشرم میں پہنچ کر یہ ثبوت حاصل کرو کہ وہ بچہ تمہارے لئے ہمارا
" اور تراج : آپ انہیں نہیں فرستتے ہیں آپ نے یہ کہہ کر مجھے ہمیشہ کے لئے
خرید لیا ہے کہ آپ میرے آس پاس کے باپ ہیں ۔
وہ اس کے سینے پر ہلکا کر خوشی سے رونے لگی



میرا جب پہاڑی کے دامن میں پہنچی تو بے ہزاروں آدمیوں کا مجمع تھا ۔۔۔ ہزاروں
آنکھیں پہاڑی کی طرف اس نمودی چٹان پر لگی ہوئی تھیں جہاں سے وہ بچہ نظر
نہیں آسکتا تھا مگر ہزاروں دلوں میں ایک ہی شکر کہ عورت تھی کہ وہ غیرت نظر آجائے
اتنے بڑے جرم کو روکنے کے لئے دور تک لوٹے ہوئے تھے باندھ کر حد بندی
کر دی گئی تھی ۔۔۔ حد بندی کے اندر فوجی فوجان کو پہاڑی کی مدد کر رہے تھے ۔۔۔ پہاڑ
پر چڑھنے کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں ۔۔۔ دستے کے چاروں طرف پولیس اور اسکاؤٹس کے

وہاں کھڑے ہوئے تھے۔ جہنم کے باہر پہلی کھل گئی تھی تو گوں کو دات گزارنے کے لئے فی چار پائی پاؤں پٹے کے حساب سے بتیا کی جا رہی تھی۔ بستر اکبر گرم کپڑے دھوپ کے چشمے دور میں اور کھانے کے مختلف چیزیں فروخت ہو رہی تھیں ایک پوچھو جبکہ زندگی اور موت کے درمیان اچھوتی ہنڈی بندھی ہوئی تھی۔ اس کی پستی میں جو غرضی لوگ تجارت کر رہے تھے اور ایک گلاس پانی کی قیمت دس پیسے وصول کر رہے تھے۔

میسرہ اس جگہ میں ادھر سے ادھر بھٹکتی ہوئی معلومات حاصل کر رہی تھی کہ کچھ کو بھلائی پچھاننے کے لئے کسے کیسے استقامت کئے گئے ہیں وہاں جتنے ملائی باتیں تھیں سب کو پڑا اس عود کی چٹان کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ پیراؤنٹ کے ذریعہ اترنے میں خطرہ تھا کہ تھنے والے نہ جانے کس کھڑکیں جاگے۔ اسی لئے دیوار کے مشہور درخت پر کار کو پھانسیا جیت سنگھ کی خدمات حاصل کی جا رہی تھیں وہ اپنی ٹیم کے ساتھ اس خطرناک جگہ کو گھر کر کے کسی میں مصروف تھا۔ ایک اندازے کے مطابق وہ صبح تک اس جگہ کو دیکھ نہیں لاسکتا تھا۔

میرانے کو کہ گلیب حالت تھی لہذا بھی آنکھوں سے دودھین لگا کر ہنڈی کا طرف دیکھتی تو اس کا دل خوف اور مایوسی کی پستی میں ڈوبنے لگا اور وہ سلامت سے سوچنے لگی "میں تمام کدو میں سے اس معصوم کو اپنے دل سے نوح کر چیکر ہوا اور ابھی اس کے لئے اندر ہی اندر ہی لہو سرد ہو رہی ہے۔"

پھر وہ سوچنے لگی "وہ میری بچی ہوگا۔ بلکہ میرے ہی بچہ کا بیڑا ہے۔ جہاں کہ دوسری دعویدار عورتیں یہاں نہ آئیں۔ میں براہ بدنامیوں کے ساتھ اپنے لئے کو اپنے پیسے سے لٹا کر یہاں سے لے جاؤں گی۔"

اسے اپنے پیسے دس روپے اور مسنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھ کر وہ بھی آنکھوں سے دودھیں لگاتے کو یہی وہی طرف دیکھ رہا تھا۔ بڑی بڑی سرج

ڈنٹ دوپٹا کو روشنی کر رہی تھیں دھس دھسے آنکھوں سے دودھیں بہتے ہوئے۔ "میرا اہم ہے۔ آج تمام کا جہاد خیر پر جا رہا ہے اس کے اندر لگاؤ ڈکچہ کچھ نہیں رہتا ہے سے کام کرتے ہیں۔"

میرانے کوئی جواب نہیں دیا میرے کہے کا۔

"میں اس یقین کے ساتھ کہ ہوں کہ جہاد جہاد ہے۔" یہ سچ کی بات ہے۔ وہ اس کی مگر اتنے ترستے۔ مجرم پر صرف ایک حکومت تھی نظر آ رہی ہو۔"

میرانے دھڑکتے ہوئے دل سے جہاد کی اس مارتوں کہہ کے کہاں تھانے سے لڑ رہے تھے۔ "جہاد نہیں جہاد یہ مارتے بہت ہے۔"

اس ماں کے دماغ کے کسی گوشے میں یہ بات تھی کہ پچھلے کالہام دیکھنا چاہیے اور وہ زندہ مصلحت پالنے کے گاؤں کو کھل کر بچے کا دھڑکی کرے گا ورنہ کسے ساتھ ماں کے لئے بھی دھڑکی کرے گی۔

اس کے سوچنے کے دوران دھس دھسے ہاتھ لگا۔

"آج کل جس کا استعارہ تھا وہ آج کل میرے لئے ہے۔ کتا چوہا کو دھس دھسے کے کمال ہے۔" میرانے گھر پر مگر دیکھا۔ بانو میرانے کو جینا کی پستی کی طرف آ رہی تھی۔ اس کا شواہد پر کار تو دودھ تھا۔ وہ پٹا ایک ٹانہ سے ڈھک کر اس کے قدموں سے الجھ رہا تھا۔ چہرے سے وحشت بریں سی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں یوں جھلکی اندر میں پستی ہوئی تھیں جسے دل کی تمام حسرتیں آنکھوں کی دھڑکی پر آکر پڑ رہی ہوں۔ یہ میرے لئے رات ہو چکی ہے واپس آ جاؤ، میں دودھ اور بدکردار گی۔"

دھس دھسے کو "اس کی اجڑی ہوئی حالت بتا رہی ہے کہ میں نے کچھ کی ماں ہے میں ابھی دھاکہ خیر سلوات چل کر رہا ہوں۔" اس کا اخبار دھس دھسے کے لئے تھا۔ بانو دھسے کے پاس آئی۔ پھر وہ جھک کر دھس دھسے کے اندر جاتے لگی۔

ایک پولیس آفیسر نے اس کا دستہ روک کر کہا۔

”تو تمہاری لڑکھائی کونسا ہے آپ باہر سے جاؤ۔“

ہانے پہنچے ہونے کہا یہ مجھے معلوم ہے تم ماسے سے ہٹ جاؤ گے میں کیوں
مراجہ جس کی یوٹی ہوں :

”فیسر فور ہی ادب سے یہ کہو ہٹ گیا۔ اس دیوے شعلہ کرکھڑا ہو گیا۔ میرا منہ
خسریہ منڈر میں پڑھا۔

”وہ بھوکے تھے، کی تو مجی کیس کی بیوی نے تھوڑی کھوپڑی میں دھماکا کر دیا ہے“

اس دیوے کھوپڑی سے لڑکھائی کر رہا تھا ہونے ہالو کو دیکھ کر بولا۔

”تو تھوڑے سے کیس کی بیوی ہیں، صرف ایک جڑی ہوئی ماں نظر آ رہی ہے“

میرا یہ سن کر اس نے ہانے کے متعلق سوچنے لگی کہ ایک کیس کی بیوی کہاں پریشان حال

کیوں تو ہے پتے سے اس کا کوئی تعلق تو معلوم ہے اور تجربہ بددوں کے گھر
سے آیا ہے یہ ایک سالہ ماں ہے بچے کو ایسے آشرم میں چھوڑ سکتی ہے۔

چھوٹے لڑکے بات نہ تو یہ یاد آ رہی تھی عورت پہنچنے کے کو آشرم کے دروازے پر

چڑھ کر تھی کہ وہ عورت یہی کیس کی بیوی تھی؟ میرا سوچتے سوچتے تھک گئی اس نے کہا

تھک گئی کہ وہ بچے کو صرف اپنی ملکیت سمجھتی تھی کسی دوسری عورت کو اس کا حق

سمجھنے سے تکلیف پہنچتی تھی وہ تھکن مٹانے کے لئے ایک ریٹائرمنٹ کی طرف چلے گئے

جان میں اس دیوے اس کے ساتھ تھا اور اس سے کہہ رہا تھا۔

”تم عورت ہو کیس کی بیوی سے دوستی کہہ کے بہت کچھ معلوم کر سکتی ہو“

میرا بے خشک لبہ میں کہا۔

”اگر میں کچھ معلومات حاصل کروں گی تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا“

”تم تو بے گناہ تھے اسی لئے تمہیں کچھ نہیں پتہ ہے“

تمہیں ناراض نہیں ہونا چاہیے :

”اگر سچی خبر سے کسی معصوم اور غلام کی زندگی تباہ ہوئی تو اسے شمع کرنا اخلاقی

جرم ہے :

”کیا اس ناجائز شے کو جہنمیتے وقت اس عورت کو اخلاقیات کا خیال نہیں آیا؟

”تم کیا سمجھو گے کہ عورت کن حالات میں مجبور ہو جاتی ہے کسی طرح محبت کے نام پر

بھگت جاتی ہے؟ اور کس طرح وہ مردوں کی ہمدردی میں لٹ جاتی ہے؟

وہ میرا کو گہری نظر سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا تباہ اپنا ایسا کوئی تجربہ ہے؟“

وہ چائے کا آخری گھونٹ پی کر جلد سے اٹھ اٹھی اس دیوے نے اس کی دھمکی دیکھ کر

اجلی رکھی تھی مگر وہ بھی باز آنے والی نہیں تھی۔ پھول کے کاؤنٹر پر وہ بیٹھ چائے کے پیسے

اداکار ہوئی ہوئی

”یہ میری اور میرے اسی پیسے کی چائے کے پیسے ہیں :“

پھر وہ اس دیوے کو طرف پلٹ کر بولی

”میں کسی اخبار میں شائع نہیں کروں گی کہ تم میرے ناجائز پیسے ہو :“

وہ تیزی سے چلتی ہوئی پھول کے باہر چلی گئی اس دیوے کو حیرت کے لئے ساکت رہ

گئی۔ پھر اس نے غصے سے میرا ایک جانب دیکھا لیکن غصہ نہ دکھا سکا ٹھیک اسی وقت

ایک بڑی سی دیوے کی گاڑی پھول کے قریب آ کر ٹکی ڈرائیوٹ سٹاپ کا دھڑا دھڑا کر لیا

بہت مشہور میرا شیکر باہر آیا۔ پھر اس نے دوسری طرف کاؤنٹر دھڑا دھڑا کر اس دیوے سے

اس بجے کی تیسری عورت تباہ کر دی تھی۔

وہ سیاہ بارو کی سفید ماری پیٹے ہوئے تھی۔ سیاہ جوتے سے ابلے بدن کی

چاندنی سیٹھ دی تھی۔ ماتھے پر چند لائیکا تھا۔ ریشمی جوڑے کے پس منظر میں اس کا

جس چہرہ پر غم تھا وہی ہے ہاتھ ہے اس کی انھیں سباز کی تاریک چوٹی
 جتنی تھیں وہ انھیں پس رہا نہ رہا سے کہہ رہی تھیں
 "میرے کرشمے میرے سدھال میں سے مکمل چوتھ کی نشو و نما آگئی ہے ایک
 عیاش نے یہ نہیں سوچا کہ یہی مٹی کے کتے ہیں پروردگار کو اور حرم کو کتنی بڑا مال
 ہے یہ ہے یہ تو صرف مال کا وجود ہے تاکہ کہ وہ اس کی شگال کو شے پیسے سے وہ دھڑلے
 ہے اگر آئیں یہ میں میری گود والی ہے۔"

اس دیو سے دیکھتے ہی میرا کے قریب آکر کہا

"یہ تو مشہور فلم ستار میوٹا ہے میں نے متاقت کر کے کسی عقل کے کیس میں
 سہاٹ دی تھی تھی مصروف زادہ ایک بچے کو دیکھتے ہیں کئی جے یقین نہیں آتا کہ
 بچے کی ماں ہو سکتی ہے میں ابھی معصوم کرتا ہوں۔"

دہائی سے چلتا ہوا میوٹا کے پاس پہنچ گیا پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا
 "میرم میں بونگ برادر پورٹا... اس دیو بونگ آپ کے آج شام کے اخبار
 میں پڑھا ہوا کہ وہ بڑے پائے ہیں اس کی اصل ماں اب بھی کہیں زندہ ہوگئے تھیں
 سب کو وہ ہیں اُسے گل میں اس کی تلاش میں آیا ہوں۔"

میوٹا چند لمحوں تک دیکھتے اور سوچتے رہے پھر اس نے پوچھا۔

"آپ اس کی ماں کو تلاش کر کے کی کریں گے؟"

"میں کوئی بچہ ہاتھ سے میڈم میں اس عورت کی تصویر اور اس کا بیلی شائٹ
 روں گا۔"

کسی عورت اور ایک معصوم بچے پر کیڑا چھل کر کہہ گئے پیسے کا اور گئے۔

وہاں ہم میں تو سستہ تھی۔۔۔۔۔

وہاں ڈاکٹر بول "سچاؤ کہ بات زکرو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"

مچائی کا آئینہ میری کسر مل جاتا ہے۔ پھر اس نے ٹیکہ لگا دیا۔

"ٹیکہ اس روپوش سے پوچھو کہ اس کے خباثت کی دفتر اور پریس کی قیمت کیسے ہے یہ

جتنے دلم تاشہ اتنے ٹوٹ اس کے منہ میں ٹوٹ کر عزت بزرگ دو۔"

وہ اپنا پر منبھالتی ہوئی کتے کا لہر جتنے گلی میرا تیرہ دنوں سے چلتی ہوئی اس
 کے ساتھ ہوگئی پھر اس سے بول۔

"دیشورانی امیرا کا میرا ہے پہلے ہم اہل سامنا ہو چکا ہے شاید تم نے مجھے پہچانا

نہیں؟"

وہ ڈی کر اس سے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی پھر انکار میں مرہا کر بول۔

"میرے تانے پر سنا رہی کہ میں بیک کا چہرہ یا وہ نہیں دیکھ سکتی۔"

"میں تمہاری پرستار بن کر تمہارے سامنے نہیں آتی تم اس سے پانچ برس پہلے ہندو متبر

ک صبح ہم دونوں آشرم میں موجود تھیں اور ہم دونوں ایک ہی اٹلے سے وہاں ٹھہری تھیں۔"

یشو سانی نے بیک گہری سانس لی اور کہا۔

"ا وہ میں مجھ گئی۔ میں بڑت گردھاری لال سے مل چکی ہوں انہوں نے بتایا

جے کہ اس بچے کے تین دو عیاد رہی۔ ایک میں ہوں۔ دوسری تم نظر آ رہی ہو۔ کی یاں

تیرا بھی موجود ہے۔"

"ہاں۔ یاں ایک عورت اور بچہ۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ تیری دو عیاد

ہوگی بہتر ہے کہ ہم کہیں اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں۔"

"نہیں، پہلے میں اپنے بچے کی خبر لوں گی۔"

میرا بچہ کتنے صبح کی۔ اپنا پتہ نہیں، ہمارا پتہ۔ جب تک یہ فیصلہ نہ ہو جائے کہ

وہ کس کا ہے اس وقت تک وہ ہم تینوں کا ہوگا۔"

یشو مان کو اس کی بات بڑی لگی۔ کیونکہ مٹا خود غرض ہوتا ہے اپنی گود دیکھنے کے

دوسری خود سے مسلوب نہیں کر سکتی۔ لیکن مدت دوسری ماؤں کا درد بھی سمجھتی ہے۔ مثلاً
کوئیم کہ پڑا کر لی اسیں وہ تیوں کا مشترکہ پتہ ہے۔

میرا بے کب۔ صبح سے پہلے پتے کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکے گا۔ کوہ پیا
احیت سنگھ اپنی ٹیم کے ساتھ وہاں ہو چکا ہے جب تک کوئی سیٹا ملائے، ہم کہیں تنہائی
میں بیٹھ کر قیام کریں گے۔

یشور لی اس کے ساتھ ہی گاڑی میں مگر بیٹھ لئی پھر اس نے پوچھا۔

”اس بات کا فیصلہ کیسے ہوگا کہ وہ پتہ کس کا ہے؟“

”یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ جب میں پہلے پتے کو حتم دیا تو اس وقت میں نیم
سے کوشش کی حالت میں تھی میرے ایک ہمدرد شریک نے مجھے اس پتے کی صورت نہیں دکھائی کہ
کہیں میری متاع میل نہ ملے۔ ہنوں سے اسے آشرم میں پہنچا دیا مگر میں اس کی صورت دیکھ کر
بے بسی ہوئی تو کیا پتہ اس کے بعد وہ صورت سے پہچان جا سکتا ہے؟“

”ہیں، یشور نے اس سے اس سے ہم دینے کے بعد یہ سمجھا تھا۔ آج اخبار میں
اس کی تصویر بھی دیکھ رہے ہیں۔ وہ پہچان نہیں جاتا۔ پانچ برس میں بڑی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔“
”یہ اس سے ہم پر کون واضح تصدیق ملتا تھا؟“

”پھر یہ سوچئے کہ بعد میں“

”ساتھ کا پتہ جیال رکھ لکھے اس کی کوئی مثال یاد رکھنی چاہیے تھی مگر میں
تقریباً۔ مقدمہ در پہلے جھڑنے کے خیال سے اس طرح دماغی پریشانی میں مبتلا رہا
کہ یہ کب سے سرخسختی شان لہرے دھیرا۔ دے سکے۔“

”وہ بڑے بڑے سوچے لگی دیکھ کر میں پتے کو آشرم میں نہ دیتی مگر وہ
تو کبھی یہ یقین دہانے کے لئے پھانسی پھانسی گئی۔ دونوں شیکھر میں دیں گے
بہر تو ان میں مصروف تھا وہ میں نے اس کے حوالے کر دیتی اور جب وہ واپس

آتا تو میری تقدیر بڑے ہی میرا ساتھ دیا۔ علاقے کے یہ کہہ کر مجھے بری رو بہ پناہ کے
ملازمہ نے مجھے پتالال سے ملاقات کے لئے بلوایا اس جانتے دیکھتا تھا۔ اسے بعد دوبارہ
اس نے مجھے اس کو کئی میں نہیں دیکھا اللہ ہی جانتے وہ اس پر میری موجودگی کا کوئی ثبوت
پایا یہ ہے محض شبہ کی بناء پر نہ مجھے مزا نہیں دی جا سکتی۔

جیل سے رہا ہونے ہی میں شیکھر کے ساتھ آشرم میں پہنچی تو ایک سال کا لڑکا
چمکا تھا۔ پنڈت گردھادی وال نے یہ کہہ کر مایوس کر دیا کہ اس آشرم میں کسی کے بچے کی شناخت
نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں وہ تحریری کاروائی نہیں کرتے ہیں۔ البتہ میرے یاد دلانے
پر پنڈت جی کو یاد آگئی کہ وہ ۱۱ پندرہ ستمبر کی مدعیانی شب فرقہ داروں کی حالت ہوئے
تھے۔۔۔۔۔“

میرا بے پوچہ۔ یشورانی کی سوچ رہی ہو؟

”آپ؟ وہ جو تک کہ بولی؟ اپنے بچے کے لئے سوچ رہی ہوں۔ جواب ہمارا
مرد ہے۔“

اسی وقت ان دونوں نے گاڑی کے باہر نکلے۔ باہر تاریکی میں ایک حرکت سامنے کی
طرح نظر آ رہی تھی۔ میرا بے فوراً ہی پیپریں لیں وہ دروازہ کھول کر بولی۔

”وہ تم کیپٹن سرناج حسین کی شریک حیات جو امداد آج آئے؟“

”بائو نے گاڑی کے بعد اگر دروازے کو مدد کی پھر اس کے پاس ٹھٹھکی ہوئی بولی۔“

”وہ میرا نام یا تو ہے شاید میں پہنے پتے کی دو ماؤں سے مل رہی ہوں۔“

میرا بے اس سے بھی کہا کہ وہ اپنا پتہ نہیں بھلا سکتا ہے۔ باؤ نے اس کا سر ہلاتے
ہوئے کہا۔

”جو پتہ ازل سے میری کو کمر میں لکھ دیا گیا ہے میں اسے آخری ماؤں تک اپنا لکھ

گی۔ تم دونوں بھی اسے اپنا کہو گی تو میں اعتراض نہیں کر سکوں گی۔ میرا بھی اس بات سے وہ پناہ

ہوتا اور اپنا نیت نہ ہوتا تو ہم تینوں یہاں رہتیں ۔
 یثروا نے کہا " تم تنگ کہتی ہو ۔ اسے پناہ دے دے وقت اچھا پیدا ہو سکے گا
 وہ پناہی ہے مگر اس طرح ہلے درمیان جھگڑا پیدا ہو گا ۔
 " وہں سمجھوتے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا ہے ۔
 " پھر تمہارے بارہوی میں ماؤں کے درمیان نیلا بھی نہیں ہو سکتا ۔
 " اس کے لئے لاشی کی پرچی بھی نہیں اٹھائی جا سکتی ۔
 " حضرت میمان کے دو بار میں دو غور تو نے ایک نیچے کا دلوئی کیا تھا وہاں اصل
 مال کے ساتھ انصاف ہو گیا تھا مگر ہمیں ماؤں کا فیصلہ کسی دہریہ میں نہیں ہو سکتا ۔
 میرا نے کہا " جو غریبی کا قصہ ہے کہ ہم اپنی ہی حسد و حسرتوں اور طاقتوں کے بل پر
 اُسے حاصل کریں ۔ مگر پال قلم کی طاقت ہے میں اپنے بچے کو حاصل کرنے کے لئے دوس
 کے لئے اخبارات کو بھروسہ ڈالوں گے ۔
 یثروا نے کہا " میں یہ کسٹم میں کام کرنے کا معاوضہ چاہیے لاکھ روپے لیتے ہوں
 اس وقت میرے پاس سات لاکھ روپے ہیں اور دو کروڑ کی جائیداد ہے میں اپنے بچے
 کے لئے اٹھ کروڑ روپے مار کر لگا دوں گی اور سب جانتے ہیں کہ پٹے سے بڑی کوئی طاقت
 نہیں ہے ۔
 ہانسنے سین کی پشت سے ٹیک لگا کر قین مستحکم سے کہا ۔
 " دوسرے پاس بھی بہت بڑی طاقت ہے اور وہ ہے خدا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "



رات پہاڑ بن گئی تھی ۔ ان تینوں کی اچھوٹے سے نیند آ کر چلی تھی ۔ یہ نہیں وہ بچے
 یا نہ ہزاروں کے بلندی پر آسمان کے پالنے میں سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا ۔ زندہ تھا یا مر چکا
 تھا ۔ اسی تشریش میں ماؤں کی نیند گر گئی تھی

میرا نے جتنے ہوئے کہا " ہم سب پڑوسی تھے سب دار کوڑی ہیں ہیں جاہلوں کے انداز
 میں ایک دوسرے کو جھگڑا نہیں کرنا چاہیے اگر ہم سہولت کے پڑوسیوں کو دیکھیں تو شاید
 کوئی مل نکل آئے ۔
 ہانسنے کہا " میرے خیال سے تم تینوں اپنی اپنی داستان سنائیں اس طرح ہم ایک
 دوسرے کے دکھ درد کو اپنی طرح سمجھ سکیں گے ۔ جب ہمارا درد مشترک ہو گا تو ہم مشترک وقت
 کے جذبہ سے کوئی دانش مندانہ فیصلہ کر سکیں گے ۔
 وہ دماغی ہو گئیں ۔ پھر ان کے کھینے بادی بادی اپنی داستان سناتے لگیں پہلے
 میرا بے اپنی کہ پڑونگی کھولی ۔ اگے انہی کے کہ وہ جذبات کی رومی ہو کر حوائی کا ایک مہم
 اس خطی کریمٹی تھی اس کی داستان عام سماجی مگر متاثراتی فالت میں خاص درجہ رکھتی ہے
 وہ بجات محروم بچے کو خدا تو کر سکتی ہے لیکن اس کی محنت کو دوسرے فوج کر نہیں سیکھ سکتی
 اس سے داستان کے آخر میں کہا ۔

" میں یہ برواہت نہیں کر سکتی کہ دنیا اگلے میرے بچے کو مانا جائے کہیں ۔ اد میں اپنا کریر
 میں تباہ نہیں کرنا چاہتی تھی ۔ اس لئے میرے بچے کو آخر میں چھوڑ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
 یثروا نے اپنی داستان کے آخر میں کہا ۔

" فلم کی ہیروئن کوئی اتنی نیک نام ہو نہیں سکتی میں دنیا میں اٹھانے کے کو غرض دیا پالتی ۔
 مگر پانسی پانے کے خیال سے میں اپنے بچے کو آخر میں جیسی محو نظر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی ۔
 ہانسنے اپنی داستان حیات سنانے کے بعد کہا ۔

" نہ مجھے جہاں کا ڈر تھا اور نہ ہی کوئی میرے بچے پر اچھل اٹھا سکتا تھا ۔ میں آخر وقت تک
 اپنی ماں سے روتی اور خدا کرتی رہی کہ پتھر مری گو میں پیدا ہوں پائے گا لیکن مدد سب اور دھرم
 کا آؤ لے کر خون کی ہولی کھیلنے والے دندنوں سے میرے دل میں بدست بٹھا دی کہ بچہ کسی
 محضہ معام پر نہ پہنچا یا کسی تر ظالم اُسے نیروں پر اٹھائیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

دو۔ تم کبھی ہانو کے ہاں جا کر ایک ماں کی حسرتیں پوری کر سکتی ہو اگر تم دونوں نے میرے اس فیصلے سے انکار کیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ بچے کی عزت تمہیں پیاری نہیں ہے
 یہ کہہ کر پنڈت جی باہر چلے گئے میرا اور میثورانی تھوڑی دیر تک سر جھٹکتے بیٹھ رہے۔ جب ہانو ان کے قریب گئی تو وہ دونوں ہانو کے سینے سے لگ کر رونے لگیں ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو ایک محسوس نہ ہونے کی بدنامی کو ہیئت کئے دھوہے تھے۔
 باہر داس دیو نے پنڈت جی کو دیکھ کر کہا۔

”پنڈت جی! میں سب سمجھا ہوں کہ اس گاڑی کے اندر کیا کچھ ٹری پک ہے۔
 پتی خبر میں کیا جادو ہے اگر یہ ہے جی۔“

”پنڈت گردھاری لال نے قریب اگر آہستگی سے کہا۔“

”میرے بچے سمانی بیٹے، ایک سال ن عودت نے ہنڈ غنڈوں سے اپنے بچے کو محفوظ رکھنے کیلئے اسے انشورم میں چھوڑ دیا تھا۔ کیا یہ سستی خبر تم بہانے دیں گے کسی جادو میں شائع کر سکو گے؟“

داس دیو کاٹھا ہوا منہ بتا رہا تھا کہ ایسی سستی خبروں کو اخباری زبان میں پڑھنا
 کہتے ہیں۔



کلی کافن

لوگو!

تم انتقامی جذبوں کو لٹو کافن
اور پھول کے رشتوں کو حزاں کافن پہنتے ہو
اب آؤ

اور اس کلی کہ ہوس کافن پہنتا اور
تمہاری تہذیب مکمل ہو جائے گی۔

کبھی میری ٹانگیں دھن کی طرح ہوتی تھیں۔ وہیں کے خوشامیروں
سہرہ ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ آگے بیٹھنے والے غلہ دھن مناتے جاتے ہیں اور آگے
چلے جاتے اور وہاں کے دوست دار یا غریب پیسے اور دسی پیسے لے لیتے ہیں۔ ایسے وقت
وہ لگتا ہے جیسے میں اپنی پیسوں میں لکڑی کی مشین دکنے کے لیے اس دین کے بیٹے بازار سے
ایک دو لکھا ہوا کرے جا رہا ہوں۔

رات ہوتے تھے شریف بہادر سے ملتی تھی اور وہ بھی ساڑھے گیارہ نمبر پہنچ کر ملنے
تھی۔ جہاں صحبت کے واسطے لوگ تنگدیش سے آکر پناہ لے جاتے تھے۔ ہمارے دو بھائی نام
شریف احمد ہے۔ شریف احمد واقف امام ہاسٹنی ہے ہمارے تھے جس میں شرافت کی مثال
قائم رہی ہے۔ وہ بھی طریقہ ادا کر جان لڑکیوں کو میں دیکھتا۔ میرے بچے مکان کے ٹیک
ماتے اس کا پتہ مکان سے احمد میری بہن شریف دے اس کی تعریف کی ہے کہ شریف احمد ہمیشہ
اس کے پاس سے سر جھکا کر گزر جاتا ہے۔

میں سب سے بڑا ہوں اس کی عمر سے زیادہ شرافت کے بچے پڑی ہے میں چاہتا ہوں
وہ دوسروں کی نظر میں میری بہن کو دیکھے۔ مجھ سے چپ کر میری بہن کی محنت میں گرفتار ہو جاتا
میں نے بہت کبھی دیکھا وہ کہیں مجھے نوکے بہن کا دلال کہہ کر ساریں گے مجھ کو
کہے سے مجھے نہ کو میری عری لا میرے بچے مکان کو دیکھتا ہوں گا۔ میری بہن کی بڑھتی ہوئی
لڑکا سارے بچوں کا حال میں رکھنے میں چاہتے ہیں کہ کوئی روکاں کی طرح کی خوبصورت
ادھب سیر کر دیکھ کر عجب ہائے اگرچہ میں نے اس عمل کا نام دلال ہے تو ہم سب اس موٹائی
کے مہربان ہوتے ہیں۔

شریف احمد کا پختہ تعلیم حد تک بہت زیادہ شریف اور غریب پرورد ہے وہ اپنے بچے
کے کسی عریس کی کو بیو بنا کر لانا چاہتا تھا اور اکثر میری شمشاد کی تعریف میں کرتا تھا
اس لیے کہ میں بہادر کسی دلی میری بہن کا رشتہ نہ لگنے لگے گا مگر اپنی دولتیں بنگلہ

میں جہاں کے قلعے تھے۔ ان کی مصیبتوں میں کام لے کر اپنے خاص خیریت کو دیکھ کر میرے
ہندو کے علاوہ ہر کے خاندان کے افراد کو کہیں کا ہندو سے لگے تھے اور کہیں
کا گھر سے لگے تھے۔ فیضان احمد بھی ایک مہاجر کو لے کر اپنی جو بھانجے اپنے وقت کے لکڑی بستی
پہنچ گئے۔

میں جب کہ صاحب خاندان سے مجھ کو ہے لہذا میں نعم احمد سے یہ پوچھ سکا کہ وہ چور
یہ میری بہن کی تعریف کیا کرتے تھے میرے خاندان میں ہندو لڑکی کی خدہ بادی کیوں کرتے ہیں؟
یہ پوچھتے وقت میں خود غافل ہوتا تھا اس نے چپ چاپ شریف احمد کو دو بھائیوں کی جھکی
میں مٹا کر اس لڑکی کے دروازے پر لے آیا جو میری بہن کی جگہ دہلی میں پہنچی ہوئی تھی۔

میں ٹیکسی والے یوں تو اپنی مرضی کی سواری بناتے ہیں لیکن پولیس والوں کے سامنے
اور اپنے خاندان کے سامنے اپنی من مانی نہیں کرتے کہ وہ میری بہن ہیں رہنا میرا ہے
اور حالات میں ہم رہنا نہیں چاہتے۔ مگر میرے سہیلی جو تو میں شریف احمد کی بات کے ساتھ
حلنے سے انکار کر رہا تھا میں ٹیکسی والے کو دیکھ کر ہنسا اور کہتا تھا کہ اس نے مجھے نکاح
میں لے کر لیا ہے۔ مگر وہ ستم یہ کہ نکاح پڑھانے والے قاضی صاحب نے مجھے قاضی بنکر
دو دیکھوں کے ساتھ لڑکی کے پاس بلایا تو وہ کہنے لگے بیٹی دیا۔

مجھے یہ اطلاع ملنے حاصل ہو اگر میں ٹیکسی والے کو دیکھوں۔ انگریزی چلی
فرح سمجھ لیتا ہوں اور وہ فصاحت و بلاغت سے بولتا ہوں۔ مجھے دونوں پر میرا اد میری
بہن کا دلکشا کی رہتا ہے کیونکہ وہ بھی ان دونوں میں سے ہیں۔

جب میں نکاح قبول کرنے سے خود تو میں گیا تو وہ مافوق منوی نکاحی دوشیزہ کو نکاح
کاڑھے چٹھی تھی۔ نکاح کے حسن کا سوا پانچ مشورے ہیں اس کا چہرہ تو نہ دیکھ سکا مگر نکاح
باقول کی نزاکت اور ملائمت بتا رہی تھی کہ بڑا اعلیٰ حسن ہے میں اس کا کھڑا ہوں مگر نکاح
کے ایک ایک پردے کی طرح عورت کے کل پردوں کو سمجھتا ہوں میری داستانِ حیات تانے لگی

کو ایک طرف نہ لایا کیونکہ اس وقت کو سمجھا کہ ضروری ہے۔

جب تک میں ہی ہوں کہ میں مارکر حصہ نہ کرنا، اس وقت پہنچنے لئے دہلیز ہیں اس وقت تعالیٰ ہماری ایک رات کی دہلیزوں کے ساتھ ہیبت شرافت سے رد گار گوار رہا تھا۔ اس وقت میں اس سالوں میں روکی کو دہلیز سے دیکھ کر ٹیکسی کے میٹر کی طرح میرے دل کا یہاں میٹر بہت تیزی سے چل رہا تھا مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس طرح اس سے نکاح قبول کر لیا تھا لیکن یہ معاملہ کے دوران صرف اتنا یاد ہے کہ اس دہلیز کا دروازہ صرف ایک طرف میل دلتی تھا مجھے صرف میٹرا را یا یاد دلا گئی

رحمتی کے وقت جب میل داروں کو سٹاپ کی ضروریوں میں چھپا کر ٹیکسی کی پچھل سیٹی پر انھار لایا تو میں نے غلط سمجھا اپنے باج میں کی طرف پھیر دیا تاکہ تمام راستے اس کے ہنگامے ٹیکس پر لے آئے تھے۔ اس وقت شریف احمد میری پس کو دہلیز مار کر لے جا رہا تھا تو اس نے آئیٹھے لگا کر ریشم سے ملتا۔ وقت وقت کی بات براتی ہے وقت انہیں کو کبھی میرت مند بنا دیا کہ اور کبھی میرت دینے میں جب تم مار گوار میر عورت کو پھیسی تو میں باسکتا؟

میں سے میداروں کو اس کے مہنگ کی پیل مسرت تک پسپا دیا۔ شریف احمد دوا کر کے ملال میں کہہ رہا دیکر بے ٹھکر میں نے گئے۔ اسی ٹھکر کے ساتھ میرا ٹھکر تھا شیش دکھائی دے لگی ایک روکی کو دہلیز میں کو پھی مسرت تک پہنچتے دیکھ رہی تھی میں سمجھا تھا کہ اس وقت اس کی شکایت میں کتنی حسرتیں جوئی گا اور میں نے کتنے طر دہلیز آٹھ ہے جوں گئے ایسے وقت میں اپنی پس کا سامنا نہیں کر سکتا تھا اس لئے ٹیکسی اسٹارٹر کے دائرہ پیچے چلا گئی۔

مگر جب بہت زیادہ دھوکریں ملدے تھے تو سب میں پائی جاتی ہے سداقت میں ہیں جوتہ میں تو میں کا اس جہرہ کا ٹھکر کے ساتھ ہے علم غلط نہیں جوتہ میں جوتہ میں غلط نہیں سمجھا تھا اس لئے اس کی عمر میں لگتی ہیں۔

دو میرے ٹیکس ڈیوڈر دھاتی تو میں مسافر کو اس کی مسرت تک پہنچی دیکر بے میرت کو

دوستی میں کبھی بھٹو دینے ہے؟ کتنے ہی مسافروں کو تو میٹر تیز کر کے بیسیا تاکہ مجھے بھی یاد دلا دے سے تو میری بے ایمانی سے ہی کبھی یہی پڑے۔ ٹیکس کی دہلیز ہٹانے میں دیا جی سب کچھ کر رہے تھے سے کبھی جوتہ.....

میں بہت کچھ کر سکتا ہوں یہ میں ہی ادا دھاتی میٹر کے مطابق پیسے لیا کرتا تھا میں سمجھا تھا کہ یہ دہلیز ٹیکسی چلا کر ریشم عظمیٰ جادو کا کچھ میری سمجھی آگیا کہ اس دنیا میں ایک کو نقصان پہنچانے بغیر دوسرا نقصان حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ وقت کہ وہ لی کہ سٹاپ کی گئی کہ کسی کی جوتہ کے پید نہ لگا پڑے کہ میں کس سواری سے کہوں کو میٹر سے چلتے ہی میرا نقصان ہے ایک روپیہ یا دو سو۔ وہ سیدھی طرح کہی ہیں تھے گا اسے میرے نقصان کی پروا نہیں ہوگی کیونکہ وہ جس طرف اپنے منہ سے پر نظر دیکھتے ہیں میری کبھی نہ رہا ہوا ہوا دیکھا؟

اس لئے میں نے میٹر تیز کر دیا۔ ایساں کا میٹر بہت سست ہے کہ ٹیکس کی کا حساب قیامت کے دن ہو گا۔ ابھی جس قیامت کا مارا ہے اس سے محبت حاصل کرنا ضروری ہے کہنے کہنے کہنے، مکان کا گورنر بار تعلیم کے احکامات کے لئے ہر شخص سے ایسا ہی کا میٹر تیز چلا رہا ہے۔ یہ جتنی تیزی سے چلا ہے اتنی ہی تیزی سے مہنگاں بھی بڑھتی جاتی ہے اور ہن کی کمزوری آپ میں دل کو چھپن کر لیتی ہیں اس لئے میں نے مسافروں کو باتوں میں دیکر پراہتہ حرام ہونے کا باز کر کے ٹھہرتے سے ملے جاتے ہیں۔ وہ فریب کھا کر لے خوشی سے بار بار پیشہ کرتے ہیں اور مجھے اس ناراضی سے مسرت ہے کہ بڑا فریب کہ کبھی خوش رہتی ہے۔

اس طرح جوتہ نہ پا کر برس میں ہن کی مٹا دی گئے۔ بے پڑے، اس نے کے زیور ملات اور جہرہ کا ٹھکر سامان مان جوتا رہا ہے، لیکن آٹھ بے ایمانی کے باوجود میں سمجھی ہیں آگ کو ہن کے لئے کسی طرح بے ایمانی سے ایک دو بار خرید کر آؤں؟ اگر ایک دو بار کو پھا اس کے سلسلے میں ذرا اسی ٹھکر ٹھکر جوتی تو میں میری شرافت و دل کا کھلا دواں۔ دارو کی آگ حلق سے قارے وقت میں ایسی بہت سی گہری باتیں سوچا ہوں۔

فلاح و بہبود کے اور درجنوں سماج کے مصلحین کو سرچا چاہئے۔ پیسے میں نے ایک آدھ پیرا
عہدہ اپنی اٹھان تک پسینہ پی ا تو میں نے ایک تو اور ملحق سے تارہ پھر شرمی اگر کہے شرمی
آواز میں ملحق گت گت آواز کیسی کر کہ ملحق گیا۔

موسمی زور تک ڈالنا تو کر کے بعد ایک مرقعہ پوش عورت نے ہاتھ اٹھا کر کسی دھڑکے
 ڈالنا دیکھا۔ میں سمجھ کر وہ ہتھ پاتا تو کئی سیس ہے اور ایک کتلاش میں لگ ہے۔ ایسی مرقعہ
 پوش تنگبیاں ہری آمدی ہیں۔ خدا کو کتا چھا اس نے جس نے گاڑی روک دی اور فز میٹر کو کئی
 کر دیا تاکہ صدمہ نہ ہوئے تنگ میٹر تری سے بل بلاتا ہا۔ اسی نے نقاب اٹا کر گاڑی کے اندر
 جھانکنے ہوئے دیکھا۔ پھر خوش ہو کر بولی۔

”اے میرے دوستے!“

ہاں میں شیدا کیسے نہ خود ہوں۔ اس شہر کے تمام درویش، جو اپنی جوانی کا بیشتر ترانہ کر کے
سودا کی کٹاڑ میں بھنکتے ہیں، وہ مجھے پہچان جاتے ہیں، اند میں، نہیں پہچانتا ہوں اور ہم سب کو پولیس
ڈائری پہناتے ہیں اور پولیس والوں کو حرام کی آمدنی پہناتے ہیں۔ اس طرح بہایت ایسا ملک
سے ہم عزت کی کمانی کو لے کر آئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ ملک بھارت کی کامیابی کرتے ہوئے ہے۔

جب اس نے نقاب الہیہ اتار اس وقت نشے کے باعث میری کھوپڑی ٹھوم ہئی لگی
میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھی پھر جھومتے ہوئے بوجھا۔

۱۱ کون ریوڑ؟ وہی آسوات کوٹھلی ہے۔ مگر کسی ایسا مدار پولیس وائے نے پکڑا یا تو سید کا
حوالات ہیں یہیں حاشے ملے :-

وہ شیشی کا اگلا دھارہ کھول کر میرے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

”جو پیش سے ایسا بدست ہے، ان کی معلومات بھی محدود ہوتی ہیں۔ وہ مجھے پوچھ رہے ہیں کہ میں نے کون سے نوٹس لکھے ہیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں نے کون سے نوٹس لکھے ہیں۔ اس وقت کوئی سازش کرنا میں مستعد نہ ہوں۔ جی ہاں“

تسے بڑھا، ہاتھ میں کوٹا نہ کوٹا ایک پھنس ہی جائے گا۔

میں نے کسی کے میٹرک طرف دیکھا، اسی ٹک ای بوی دس بیسے ختمے یہاں
جس کے بڑے نہیں چاہتا میں سے اس کے۔

”اگر جلدی چھننے تو میری میٹھے سے ہیں میں مگر یہاں سے ٹھیک بازو تک جانے آئے کے جیسے دھڑے لگتا۔“

۱۰ شیفہ! تو حجاب ہے۔ میں پہلے جیسی نہیں رہی پہلے ایک میرے لیے تھے
 اوسکے صدمہ مانگی ترقی تھے۔ یہ میں اندر سے کھل کر کھڑی ہوں اور اوپر سے ابوالکلی ہوں
 اسی نے دن کی روشنی ہی نہیں نکلتی ہو۔ رات کو تو تھرپے لیتے ہیں تاکہ یہ چمکے ہوئے کمال
 ہوگا جو اجسام اسی طرح نظر نہ آئے۔ کچھ تو گہرے ایک آپ سے چہرے پر رونق اُٹا ہے
 اور کچھ ایک حقل کے اندر سے جو تپتی رات کو اٹھ شراب کے نشے میں مبتلا ہیں یہ وقت ایسا
 گزرتا ہے خود پر کا نظر آتی ہے اس طرح مجھے میرے حلقے کا زمانہ ملتا ہے
 یہ کہ گمراہ میں قرب کسک آئے پھر میرے گھنے پیکر گول۔

۱۱۔ ذوقِ ملکہ ہے پھر بھی ایک دو وقت کے لختے بہتے ہیں۔ دلِ مہربان اسی دم تیر دیتے کہ میں اسی سے پولیس ڈالوں کہ جس سے سکون دور ٹیکسی ڈرائیور کا بل دیا کر سکوں اور مہربانگی کے برکت سے جوئے ہاتھوں کو کاٹ سکوں۔ آج میں تجھے بیس بیسے نہیں دے سکوں گی۔

شیرے.....

وہ میرے بالکل قریب آئی تھی اس نے ٹھیک کہا تھا کہ نفع کی حالت میں سوکھا
ہوا کلاب میں پڑشید نظر آتا ہے وہ مجھے دنیا کا سب سے حسین عورت نظر آئی تھی تم شراب پی
کر گندھی مایوں میں گر نکلے گی میں نے اس کو کسی عورت کا پناہ نہیں دیا بہتر جوتا ہے میں نے اس
سے کہا ۔

” میری ٹیکسی میں رہ جاؤ میں تمکے بیس روپے روں گا “

وہ خوش ہو کر بول۔ "تیری شادی ہو گئی۔ تو اب ہی آدمی بنے۔" مگر جلدی ہو کر
 لے گا، دوسروں کی طرح پریشان نہیں کرے گا۔ مجھے جلدی واپس چاند ہے۔ میرا بچہ بہت چل رہا ہے۔
 اپنے کاؤڈاؤتے ہی میری موٹی خوب ہو گئی کہ دیکھو دس دس کے کوٹ بیٹھتے وقت مرد فخر
 کوں در چھوٹی عورت کا لہو کرتا ہے میں نے بڑا دکھا۔

تم مائی ٹیک سہا رہتے تھو پیدار کرتی ہو، میری ٹیکسی نے تو کبھی پڑ نہیں دیا ٹیکسی
 کو صرف پیسے پیدا کرے چاہئیں پتے ہیں چل چاہیں میں سے بیس پیسے بھی نہیں دوں گا۔
 میں کا انکھواریں، اسوٹے ٹیکسی کی بڑا دیکھ دیکھ دنیا میں چند لمحات کئے سب کچھ
 بڑی رف رف کر ڈونکھلا ہٹ رہی یہ جو شراب ہے نا میں بہت کم رو بہا دیتی ہے، ہلکے
 شوونی تب ہی تار کر پے، ہم نے جو سے بہت کچھ بھی دیتی ہے وہ بڑے کرب سے
 کہہ رہی تھی

"دو دن چھٹے، میری چھاتی سے دودھ نہیں آتا۔ بچے کو اوپر دودھ چلایا
 تو وہ مار بھاگ گیا مجھے روانی کئے پیسے نہیں چاہئیں نے پٹرے خریدنے کے لئے میں پرانا
 رقعہ دوا رہیں نگلی ہو اور نہ ہی پنے جسم کو کھنڈر بنا کر تیش محل میں رہنے کا خواب لے کر
 ان میں صرف بچے کی دوا دیکھنے پیسے حاصل کرنے آئی ہوں۔
 میں سے، میں کے انسوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے پتھر بیٹنے کی کوشش کا اندھ
 محتسب بھی نہیں کیا۔

"تم سب جیسا کہنے لگتی ہو عدالت عجات کے مردوں کی بے خبر تم ہو گئی کہ
 میں نہیں آتی، مگر دوسروں کی عہد ویدیاں حاصل کرنے کے لئے ہی عمریں بھول کے اقلانے گھر
 میں جو، وراساں سے کو کا ٹکس یہ بیٹھنے کے لئے ایک روز امیدہ دودھ پیتے پتے کو
 پیش کرتی ہو، یہ سب محض ڈرامہ ہے اور کچھ نہیں....."
 اچانک ہی وہ میرا گریب سا پیرا کر مجھے جھوٹے لگی اور جھپٹا کر کہنے لگی۔

وہ بڑا دلہن نہیں ہے وہ بچہ دودھ کھانے اور دوا کھانے بلکہ، وہ بچہ کس
 کا ہے، کسی حاجی کی کم الدین کا ہے، کسی صنعتکار یا سٹاک کا ہے یا کسی مہتمم یا سٹاک کا ہے
 یا تیرے جیسے ٹیکسی ڈرائیو کا ہے سب غیرت ہے غرور تھا ہی کچھ میں ہو گیا نہیں آتا کہ
 تم سب کے مشن کو پتہ کو دودھ چلا سکتے تھے اپنے جسم کا کاروبار کر رہی ہو، تم سب میرے
 وجود سے ہی جیتی ہوئی ٹریڈنگ کی طرح گدہ جاتے ہو اور میں نے کچھ بڑھ چلتے ہو کی اس کیلئے
 دودھ کی ایک بوتلی خرید کر نہیں لے سکتے؟

میں نے جلدی سے بیس لپٹے نکال کر اسے دیے ایک ناشتہ کا ذرا ہی پر مشورہ نہیں چلا
 کئے بیس روپے کا ہی جو حقیقت ناقابل روشت ہو تو بے لگے دولت کی لاپسی سے اس کا
 بیٹیکہ دیا جاتا ہے اس نے دس دس کے دونوں کے لئے اپنے پیسے سے ٹھکانا بیچنے کے لئے اور
 ٹیکسی کا دوا دھارہ کھول کر اپنے بچے کی طرف جانے کے لئے نکل پھر شعل کر گھر کی ہو گئی، اور
 پٹ کر بولی۔

"اوہ امیں تو جلدی ہی گئی تھی کہ ابھی بیس لپٹے کی قیمت چکانی ہے۔"

اس نے دوا دھارہ دوا دھارے کے طرف متوجہ نہ کیا، اس سے پیسے ہی جرنے گاڑی
 اسٹاک کی، ٹیکسٹر بلا صبر یک چھٹکے کے ڈیبا شوکر تا جو اس سے دوا دھارہ، عدالت جب اس
 کے روپ میں آتی ہے تو سارا اندر سن ہو جاتا ہے، میں بڑا نا اہل اور اس کے کا بیس دیا چالپنے
 گھر کے دروازے پر آ کر ڈک گیا۔

جب میں دروازہ کھول کر مکان میں داخل ہوا تو اس وقت ماٹکے دوں بچتے۔
 شمشاد اگلن میں جا پاٹی پھاٹے اس پر پاروں شلے پت لیں ہوئی شریف احمد کے مکان کو
 دیکھے جو رہی تھی ہمارے آجکل سے شریف احمد کے مکان کی اوپر کی منزل کا ایک کمرہ اور ہاتھوں
 نظر آتی ہے اور اس کی بالکونی سے ہمارا پورا انگلی نظر آتا ہے جب چاند کی رات میں شمشاد
 چادر پاٹی پھاٹک لٹ جاتا تھی تو میں سوچا کرتا تھا کہ شریف احمد اپنی بالکونی سے سے دیکھ رہا ہو گا

پہلے ہیں مجھے بات ناگوار گذرتی تھی میرا دل اتنے غم سے سمجھا دیا کہ پرانے ہاتھوں میں جانے
والا ہر چیز کو شوکتیں ہیں رکھ کر اس کی اہمیت بڑھاتی جاتی ہے اس حد تک اگر وہ میری بھی
کو دیکھے وہ میرا نہیں ہے دیکھے اور دنیا و مافیہا کو اس کی حریر کو تو بے شرمی نہیں ہے۔
مگر اس وقت گدگد چکا تھا۔ شریف احمد بیلارانی کو یہاں کو لے آیا تھا اب شریف احمد کے
دیکھ رہی تھی ۹ اور یہ دیکھ رہی تھی جیسے کہ گئی ہو۔ اسے بھائی کی موجودگی کا احساس بھی
نہیں تھا ہر بات اپنے وقت پر سمجھتی تھی اس وقت میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اب وہ شریف احمد
کو نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ دماغی اسکرین پر بیلارانی کو سہاگ کے سرخوں سے گھسے دیکھ رہی تھی
میں چپ چاپ سر ہٹا کر اپنے کمرے میں آئی دوسری صبح شریف احمد کے باپ نعیم احمد
سے ملے ملائے۔ دوستوں کے مطابق بیلارانی کو اس کے میکے بھیجا جا رہا تھا۔ صبح سویرے اپنی دکانی
کوں پر باز کر آئے۔ میں ٹیکسی لے کر نکلا تو اس وقت پہلے پیسے لینے والی سواریاں مل جاتیں
دلوں سے پیسے کم ملتے ہیں۔ پھر بھی میں سے پیدا والی کٹے اس کے میکے جانا منظور کر لیا۔

جب وہ میری ٹیکسی کی پچھل سیٹ پر آ رہی تھی تو پچھلی رات کی طرح گھر لوگ گھس دیں نہیں تھی
میں سے عقب مانتے کارخانہ اس کی طرف پھیر دیا۔ بائیس میں بیان نہیں کر سکا کہ اس ماحول لڑکی کا
چہرہ کتنا دلکش تھا۔ آئیے سے گھر کر میداں میں آ رہا تھا۔ میں چند لمحوں تک دم بخود رہ کر
سمجھ دیکھتا رہا گی۔ دوستوں کے مطابق شریف احمد کو بھی اس کے ساتھ چاہیے تھا۔ لیکن صرف
اس کی ماں اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ راستے میں میں نے محسوس کیا کہ شریف احمد کی ماں بہت
عام و شہیہ اور بہت اداس ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہر کوئی ہی وجہ عورت کیوں نہ ہو
اس کی پیٹنے کا دل سے سے ناپسند کرتی ہے اور کسی خوشی کا اظہار نہیں کرتی۔ بیلارانی کے میکے
پہنچ کر شریف احمد کی ماں نے مجھے متعارف کرانے کیے کہا اور سو کو لے کر کہاں کے گھر پہنچ گئی
میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ انتظار کرنے لگا۔ خودی دیر بعد مکان کے دروازے پر
جھگڑنے لگا آئیں آئے لگیں۔ میں سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی لیکن بات سمجھ میں نہیں آئی

رکس نے ٹھنڈا چہرہ دیا ہے؟ ایک گھنٹے کے بعد شریف احمد کی ماں تنہا واپس آ کر ٹیکسی میں بیٹھ
گئی۔ میں نے ٹیکسی سٹارٹ کیا اور پیسے ملنے کا طرف روانہ ہو گئی میں نے عقب فرمائے میں دیکھی
وہ اپنے ڈوپٹے کے آئینل سے آنسو پونچھ رہی تھی اور میٹن کا پشت سے ٹیک لٹکا کر ٹیکری گہری
سائیں لے رہا تھی۔ وہ مجھے برسوں کی یاد نظر آئی میں نے پوچھا۔

وہ ماں جی کیا بات ہے کیا پیسے ہی دن بہرے جھڑا ہو گیا ہے؟

میرے سوال پر وہ چونک پڑی۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ ٹیکسی میں تنہا نہیں
ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں کوئی پیسے گھر کے ماذ کسی غیر کو نہیں جانا، وہ میرے سوال کو بال گئی لیکن
میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ادھر ہر گھر کی خاتون ہر گھر مرنے جا رہی ہے۔



کبھی کبھی میری ٹیکسی بلانڈ بن جاتی ہے۔ کیا بڑی میں ایک کشتی ڈوب گئی تھی کہنے ہی
ڈوب کر مر گئے تھے اور کتے کھاتے تھے جسے جہاں کی کی حالت میں ایبوسنس کے نیلے ہسپتال
لایا جا رہا تھا شریف احمد کی ماں پچھلے کئی دنوں کے ہسپتال میں پیر ہونے کے بعد مر گئی تھی
اس کی لاش گھر لانے کے لئے ایبوسنس میں مل رہی تھی کیونکہ ہسپتال کی ٹما ایبوسنس کی لاش کی
طرف گئی ہوئی تھیں میں مجھے ٹیکسی ڈرائیوروں اس نے اس کی لاش میری ٹیکسی میں لال گئی ٹیکسی
کی پچھل سیٹ پر ایک بچہ پہلے اس کی بڑی کو دلہن بنا کر لے گیا تھا اب اس ٹیکسی کو جنازہ بنا کر
لے جا رہا تھا۔

خیر والے شریف احمد سے اور اس کے باپ نعیم احمد سے، انوس اور جہاں کی کا
اعمال کر رہے تھے۔ ان پر ایک ساتھ کئی ہی علم کے پڑ ڈھونڈ رہے تھے بیلارانی سہاگ کا دوست ہی
صبح پانے کے گئی تھی پھر ملے کہ اپنے شوہر سے پاس نہیں آئی تھی۔ بہو نے پہلے ہی گھر کو واپس
کر دیا تھا ۱۰ اب ماں کی موت نے مجھے بے گھر کر دیا تھا، جہاں کو لے دیا تھا۔ نعیم احمد وہ
کر مجھے دلوں کو بار بار تھکا کر ہر کشتی تک چڑھ گئی۔ اس کی بیوی بڑے آراموں سے لے رہی تھی

لائی تھی وہ وہی ہی رشتہ شریف احمد سے کہہ رہی تھی کہ وہ ماں باپ کے الگ ہو جائے۔
کسی ایک پر ان بہادروں سے پہلے مشرقی پاکستان کو الگ کیا اب یہ لوگ یہیں آکر
بیٹے کو اور اپنے الگ کر رہی تھی۔ ان لوگوں سے بہادر کی گرفتاری ہے ۱۱

نصیر احمد نے یہ سب تو یہی کہتے ہیں اور دیا میں ڈال دیتے ہیں۔ میں نے تو چاہا
تھا کہ ایک جاہل اور نادان ہیں، مگر کچھ چین کی رند گاندے کی مگر واقعی یہ بہادر جی
فطرت سے محمود ہیں۔ اپنی الگ حیثیت نہ رکھنے کے لئے بہادر کے ساتھ ہیں نہ دوسرے کے ساتھ
کیونکہ ایک دن وہ کسی طرح پھٹتے گی۔

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پتہ نہیں کہ یہ نصیر احمد کو دیتے دیکھ کر کتنے خوشی
ہو رہی تھی، اس کی وجہ یہ جانتی ہے کہ اس سے میری بہن کی خوشیوں کو سراہا کیا تھا اور خود
میں طرح برادر ہو گیا تھا۔ علم کرنے والے کو انھوں کے سامنے سراسر مل جائے تو مظلوم کے
دل کوڑا سکھن حاصل ہوتا ہے۔

اس واقعہ کو چھ ماہ گذر گئے۔ شریف احمد سے بد دل کو طلاق دے کر اس کے
مہر کی رقم پانچ سو روپے دے کر دی میرے بیٹے محمد امجد مدھ گشتی۔ راتہ رات ہر چکا تھا اب
میں گھر سے کسی دن بھی میری بہن کا رشتہ نہ ملتا تھا۔ شمت و معمول کے مطابق روزانہ کالج
جایا کرتا تھا اور میں نے معمول سے زیادہ سے زیادہ شروع کر دی تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ آمدنی
ہو کر سب سے الگ ہو کر رہ سکے تو محمد و نامدنی کا واسطہ ہے۔

لیکے صبح وہ کالج پہن گئی میں گھر سے نکل کر انجمن میں آیا تو وہ انجمن میں نکلے
کے پاس بیٹھی تھی تو وہی تھی میرے پوچھا۔

”کیا راتہ رات شمت و نامدنی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟“

میری آواز سن کر وہ انجمن پر نکلا۔ وہ اکہ دم سے گھبرا گئی تھی۔ اس کا چہرہ
اب دور ہو گیا تھا جیسے برسوں کی مہاجر۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل گھرنے لگا۔ میں

اس کے قریب آیا تو وہ اپنی منہ میں پکڑی ہوئی کسی چیز کو پشت کی طرف سے ہا کر چھپانے لگی
دیکھ کر تھکے تھکے تھے؟

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی ناکام سعی کو شروع کیا لیکن میں نے
حیران اس کی منہ کھول دیا۔ منہ کھلتے ہی آپ کے اچھا لکھا منہ اڑیں پر گر پڑا۔
میں ایک دم سے شمت میں آئی۔ اب میں ابنا دھن بھی نہیں تھا کی بات کرتا تھا۔
پہنچ سکتا۔ میں نے ایک زوردار نچر دیا کہ تھکے ہوئے ہو چکا۔

”بولیہ سب کی ہے مجھے حیا غیبت، کیوں میں نے تجھے کالج میں پڑھنے
کے لئے بھیجا تھا؟“

اس کی خاموشی اور اس کے منہ سے شمت کی تصدیق کر دی۔ میرے تھکے
اصناف نے پہنچے۔ اس حالات میں بھائی ہو یا باپ وہ بہت مجبور ہو سکتے ہیں اور میں
مکالمات نہیں کر سکتا اور جھگڑا دیکھ کر بھی یا بہن کو غصہ پڑی نہیں سے جہنم نہیں کر سکتا اس
لئے میں خاموشی سے اسے مار مار کر کسی کو خبر نہ ہو۔ وہ مار کھاتے کھاتے زمین پر گر پڑی تھی
میں نے شمت جھاکرے میں لے آیا وہاں لاکر میں نے اس سے پوچھا۔

”بتاؤ کہ کون ہے؟ میں ابھی اس سے پتہ تھا بڑھ دھلا کا۔ نہیں بتائے گی تو
گلا گھونٹ کر ہمیشہ کے لئے تجھے ختم کر دوں گا۔“

اس نے روتے روتے بتایا کہ وہ کالج کا ایک پرنسپل تھا شمت کی کتاب پڑھتے
پڑھتے اسے خوابوں کی دنیا سے گذر کر اپنی خواہ گاہ میں لے گیا مگر اب وہ اس شہر میں نہیں ہے
ملازم مستحق ہو کر کہیں چلا گیا ہے۔

میں سر ہچک کر بیٹھ گیا۔ میں جو میکسی ڈیوٹی ہوئی اور شرمک پہنے والی ہر گز کا
چہرہ بڑھ لیا جو اپنی بہن کے تجویز برسر کے چہرے کو نہیں پڑھ سکتا تھا۔ میں بھول گیا
تاکہ میرے سچے سچ کے درخت میں جو پھل پک رہا ہے وہ پکے پکے پکے پکے دیوار کے باہر پڑے

میں گہری سوتھ میں ڈوبا پنی بنائی کے حیل سے کانپ رہا تھا اور ہر شریف آدمی کی طرح اپنی پہن کے دامن پر لٹے ہوئے دھتے کو مٹانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ اسے میں وردان سے پردہ سنگ سنائی دی۔ میں یوں چونک پڑا جیسے بدنامی و سنگ نے رہی ہو۔ جب عزت حضرت میں ٹپک جو تو پر و سنگ اور ہر آہٹ پر دل کا قہقہے میں نے دانت پیستے ہوئے شمش کے کہا۔

”خبردار اس کمرے سے باہر نہ نکلا میں ابھی آتا ہوں۔ میں اسے غصے سے دیکھتا ہوں ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آیا اور باہر کے دروازے کو کھول دیا۔ دروازے پر نعیم احمد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ادھیڑ عمر کے قد اور ایک صحت مند آدمی تھے اجلی پٹنی کا ایک داغ بنا ہوا تھا کہ وہ پانچوں وقت کے نمازی میں اس وقت میں کسی نمازی یا فرشتے سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن انہوں نے بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بھئی تھاری شکل آسان کرنے آیا ہوں۔“

نکابت سن کر مجھے یاد آیا کہ میں شمش کو نہ کہ جو نہ چاہتا تھا اس وقت وہ واقعہ شمش بن کر گئے تھے میں نے فوراً ہی انہیں کمرے میں لائے رہائیا۔ انہوں نے بیٹھے بڑی نرمی سے پوچھا

”ادک بھائی کو کوئی کو مٹانے بیٹھے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں؟“

میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ میں نے تو بڑی خاموشی سے شمش کی پٹائی کی تھی میری آواز سیکر مکان کے دروازے تک بھی نہیں پہنچی تھی، پھر میں کیسے پتہ چل گیا کہ میں شمش کو مار رہا تھا۔

”انہوں نے مسکراتے کہا۔“

دوبیٹے ’میر’ مکان بہت اونچا ہے اور بالکونی سے تمہارا لیکن نظر آتا ہے۔ میں نے شمش کو سٹے کرتے دیکھا۔ تو پہلے یہی سمجھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے لیکن تم

غصے کی حالت میں اسے مٹانے لگے تو ماری بات میری سمجھ گئی۔“

ان کا باتیں سن کر میرا دل بیٹھے لگا۔ انہوں نے مجھے گہرا تے دیکھ کر کہا۔

”وہ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ تمہارا لہجہ ہمیشہ میرے سینے میں دھن ہے گا، بلکہ میں

تمہاری بدنامی پر مردہ ڈٹنے آیا ہوں، میں تمہاری شمش کو کراپی ہو بنا چاہتا ہوں۔“

ماتے حیرت کے میری آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس بدنامی

ایسے فرشتے بھی موجود ہیں جو پرانے گناہ کو جوہر بنا کر اپنے گھرے جاتے ہیں۔ مجھے یقین

نہیں آ رہا تھا میری آنکھوں میں بے یقینی دیکھ کر اڑنے لگا۔

”میں تمہارا روج ہوں۔ میں تم سے مذاق کرنے یا جھوٹ بولنے نہیں لگا۔ دراصل

جاننا ہے جو بات میری زبان سے نکل جاتی ہے وہ پتھر کی کیرین جاتی ہے۔ آج شام کو میں چند

شریف آدمیوں کے ساتھ قاضی صاحب کے لئے کھڑے ہوؤں گا اور شریف احمد کا جناح شمش اسے

پڑھو اور اسے اپنے گھر کی عزت بانگ پر اسے لے جاؤں گا۔“

میں فطری عقیدت سے تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے تلاموں سے ہٹ کر بولنے لگا۔

مجھے بھی طرح یاد ہے کہ میں زندگی میں بھی نہیں دیا اس وقت بھی آنکھیں پانچنے کیلئے میں نے

ہاتھ اٹھا یا تو پتہ چلا کہ میری آنکھوں سے آنسو نہیں بہہ رہے ہیں میں صرف غصے سے روتے کے

فقد میں غمزدار رہا ہوں۔ میں بہت سنگدل ہوں انسان کا کوئی جہد یا کوئی معیت مجھے نہیں

نہیں بڑا لاسکتی۔

پھر وہ آدمی کیسے روکتا ہے جس پر مصیبت آتے ہی اس مصیبت کا خوبصورت

حل پیش کر دیا جاتا ہے میرا وہ مصیبت بھی بڑی آسانی سے ٹل گئی۔ شمش اور دیگر لوگوں

کا نظروں میں عزت آبرو سے دلہن بن کر اس وقت شریف احمد کے دل چل گئی۔ میں نے جو

ذہنیات ہمیشہ سے لائے جتنی نقد کے ایوان سے آج کی تھی وہ بے ایمانی سے بنائی دلہن سے

جہیز میں ملے دی۔

اس کے بعد اور دو چکی اب اس بات کی فکر نہیں تھی کہ کسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے مجھے دور تھیں۔ چنانچہ میں اپنی مرضی کے مطابق مشہد شاہ بن کر ٹیکسی میں بیٹھا تھا۔ وہ چاہتا تو پیسہ کی سواری اٹھا لیا اور نہ کسی ٹیکسی آؤٹے پر بیٹھ کر چری کے سگریٹ پیتا رہتا۔

شادی کے ایک ماہ بعد شمشاد کا حمل خدشہ ہو گیا مگر وہ خوش تھی۔ اس کا شہر اور اس کا سسر خیم احمد بھی بہت خوش تھے اور شمشاد کی بڑی عزت کرتے تھے ایک سال بعد شمشاد کے پاؤں بھاری ہوئے۔ کچھ عرصے بعد اس نے ماں بن کر مجھے مانگو جان بنادیا۔



کبھی کبھی میری ٹیکسی صبح کی کچھ گاڑیوں جاتی ہے اور اس شہر کی جتنی خلیفہ خوب بات ہوتی ہیں ان میں ایک جگہ سے سمیٹ کر دوسری جگہ جاتی ہے تقریباً دو ماہ کے بعد میں نے ذمہ سنا۔ اشرف پر بیدار کو دیکھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر ٹیکسی روک کے کاغذ کی میز سے دیکھ کر پہلی نظر میں پہچان کر لیا۔ گرمیوں کی ٹیکسی مہنگی سی شام تھی وہ مجھے تھان ٹنگ کی گاڑی میں ٹکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی اس کے گاڑی باندھنے کا اندازہ تاخیر سے تھا کہ بدل کے نشیب و فراز دت کے انداز میں ابھرا اُسے تھے اس کے چوڑے میں چھوڑا کہ وہی ٹھنڈک رہی تھی اور سافلی پستانی پر سنہری بندیا جگمگ رہی تھی اس سے ساتھ ایک خوبصورت جوان کھڑا ہوا تھا۔ ٹیکسی رکتے ہی وہ دونوں پچھلی سیٹ پر اگر بیٹھ گئے۔ میں نے فوراً ہی عقب مٹائیے کا رخ اس کی طرف پھیر دیا۔ وہ آئینے پر ٹیک نظر ڈال کر مسکراتی ہوئی ہے مٹائیے سے بولی

کہ چننے ہے؟

اس کے ساتھ ہی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

۱۱ سوسائٹی۔ طب اور دوا

میں نے ٹیکسی آگے بڑھادی۔ جب ٹیکسی کہ دو ٹکڑی مٹی توڑنے سے ٹوٹی کی ٹکڑی ٹوٹی آواز سنئی۔ ہم ٹیکسی ٹوڑا تو صوف کی پارٹیکل میں پڑی۔ وہ ہمیں مدد سے ملنے کی طرف دیکھتی ہے اور باقی آئینے کی دو آنکھیں چپکے کے منظر کو دکھاتی ہیں۔ وہ سوسائٹی تین نوٹ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ بیلارانی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے دیکھی اور میں کہا۔

”نہیں۔ پرے سے پانچ سو.....“

اس نے سوا ایک نوٹ اور بڑھادیا۔ وہ ہاتھ جھٹک کر بولا۔

”وہی کوئی فٹ پاتھ کی ٹیکسی نہیں ہوں“ مجھ سے اس طرح سوسے بازی کر رہا۔ اس نے پانچ سو پچھپے پونے کر دیے۔ بیلارانی نے پانچ سو نوٹ کو تھپک کرے پر اس میں رکھ دی۔ راستے میں اس نے جوان نے ٹیکسی روک کر دھسکی کی ایک بولی خریدی پھر رات روٹ کی ایک حالت کے پاس پہنچ کر وہ دونوں اتر گئے۔

میری ٹیکسی خالی ہوئی۔ مجھے یوں لگا جیسے سینہ دل سے خالی ہو گیا ہے وہ شروع ہی سے میرے دل میں دھڑک رہی تھی جب میں نے شریف سے اس کا رخ بدلیا تھا۔ اس وقت سے اس کا خالی ہوا تھا میرے دل پر رکھ کر تھا آج دوسری بار اس ٹیکسین ہاتھ کو ٹیک دو سر ششخص پر کر میرے صاف سے لے گیا تھا۔ ٹیکسی خالی ہونے کے بعد بیلارانی رہی۔

میں نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھی جیسے وہ واپس آگئی ہو۔ وہ نہیں آئی پچھلی سیٹ پر بیلارانی کے پھولوں کی بنی ہوئی دینی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ بٹھا کر اسے سنا لی پھر دونوں ہاتھوں پر رکھ کر اسے سونگھے۔ عجیب سی خوشبو تھی۔ میرا خیال ہے بیلارانی کے ساتھ بیلارانی کے بدن کا پینڈ بھی ہلکا سا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ اور کون سی لڑکی

کے سب سے علائقہ سے زین العابدینؑ کے ہوتے حالات تک کے پہنچ گئے، وہاں کے حالات تھے محض اس سے کہ دیا تھا کہ وہ بہت اونچی قیمت پر ہرات پاؤں کو بیچ دینا چاہتا تھا کہ اس کی قیمت اس کے برابر ہو۔ وہاں ایک رات وہ کر وہ سڑ گئی تھی کہ اس کی قیمت ہے

یہ سوچتے ہیں میر دل دھڑکنے لگا کہ کیا میں اس کی قیمت جاکم ہوں ۱۵۴
میں نے دل و دماغ پر پھل پل تو لی تھی جب وہ نیکی کی پھل میٹ پر اٹھتی تھی تو مجھ میٹ
پر لی اسکی تھی یہی میں اس کے ایک صفحے میں بھی پائی جو سوچے جمع نہیں کر سکتا تھا نیکی
کا تسلیں ان کے لئے اور آئے وہ اس کی حرکت کرانے میں میری آمدنی کا تین چوتھائی خرچ
ہو جاتا تھا۔ بالآخر میں سے کچھ ٹینک پولیس سے لیتے تھے اور کچھ اسٹے کی ضرورت میں
سے جاتی تھیں۔ بالآخر پینٹ کی آگ بجھانے میں خرچ ہو جاتا تھا۔ اس وقت میلادانی
میں نے بہت بہت ہنگامی تھی۔ بہت اونچی تھی۔ میں اتھاٹا کر سے چھو نہیں سکتا تھا۔

میں نے اس کے دل پر زور دیا اور چھوٹے لکڑی کے پتے تو میں نے سوچا کہ وہی لکڑی کا چوبیسے غٹ پاتھ پر جو تین تالی میں پہلے بن کاریٹ بہت اونچا تھا سب سے چمڑا ہوتا ہے وہ کچھ کم آجاتی ہیں اور ان کا بھار آٹے لگتا ہے دو چار سال تک انتظار کرنے کے بعد وہ مجھے پچاس پٹے میں مل سکتی تھی۔ اس وقت واقع میں نے صبر کر لیا لیکن غیر شعوری طور پر وہ میرے دستانوں کی بجائے دبی جب ٹریفک کے ہنگاموں سے دو روٹ کی تنہائی اور خاموشی میں، میں نے سونے کی کڑھکشی کی تو اس کا حنائی ہاتھ میری جگہ ہونے کے سامنے چلایا۔ میں نے اس خیالی ہاتھ پر تمام کر پوچھا۔

”امامی زریب لکھنؤ، ملا علی نقی، شیدائے ٹیکس، ڈیوٹو کے نکاح میں
 بیوی پانچ سو روپے دین بہر ن شب کے حلیہ سے دیا جا رہا ہے۔ کیا تمہیں یہ غریب شری
 نکاح قبول ہے؟“

اس کی ساری آواز سنا لی وہ کہہ رہا تھا کہ یہ تو میرا ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔
پھر وہ دھن دھن بنی میرے پیچھے لگ گئی۔ لہجہ خود داشت کے تھا جس کے
چہرے کے نقوش کو دیکھنے اور چہرے کے رنگ سے چھتہ وقت میرا سر گھوم رہا تھا وہ
رواں گھوم رہے تھے پیٹ کے پھول کے ساتھ اس رنگ کی دشیزہ کے جھلا سے جو پینڈیک
پہاڑی میں پھولوں کی بند تھی۔ مجھے بھائی اسٹنٹ کی میرے پاس کھڑے تھے کہ
وہ بچکانہ طور پر تھے۔ وہ اصل میں بہت نیکو شخص کے بعد فرماؤں کی پہلی ڈیڑھ میں کمال تھی
اس شخص کی خاصیت ہے رنگ کی دشیزہ یا زار کی تھی۔

یہی اس طرح وہ کسی نگہ بند سے یاد آتی ہے۔ وہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیکھ کر
اپنی حریت بہت زیادہ بڑھا رہی ہے اس کے متعلق نہ سوچنے کے بخیر و خیر اس
سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔ ایسے وقت جہاں ایک دوسری کی طرح سوچا نہیں تھا اگلے
کے یہی مگر وہ سر پر پاؤں تکست پیش اور دیکھ رہی تھی میں اسے کئی کہہ کر کہہ کر
نستیاں نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب تھوڑے تھوڑے پیسے پرانہ پانچ
سو روپے جمع کرنے کے اسے اپنے گھر لے آؤں گا۔

اس حد سے میں نے پیسے پہلے شروع کر کے ٹیکس جو گھڑی نامہ داندلی میں بیٹھے
پہناتے ہیں، اسی میرے حالات کو سمجھ سکتے ہیں کہ پچھلے جنے سے ملے ہوئے ہمارے مردوں
کی ذمہ داریوں میں کچھ ماہ کیلئے جب میرے پاس مذکورہ صحت کو دیکھ کر جو میں نے پہلے
ہی بیان کیا تھا، ٹیکس داندلی کے آگے کو داندلی میں لکھی کر سکتے ہیں وہ تو کسی وقت بھی آسکتی ہیں
میں نے ہر ایک ملک بہت زیادہ کچھ لکھ لکھی ہیں میرے حدود سے پہلے ہی میں ہر ایک ملک کے ساتھ
جو میرے کہ نامہ داندلی میں جاتی ہے مگر ضرورت میں نہیں کہیں ٹیکس کا سامن اگر منہ داندلی قسط
سے لے لیں کچھ داندلی اور داندلی میں ہیں جسے میں نے پہلے سے لکھ کر کہ میں نے لکھ کر تو جابانی
لی سالگرہ حتیٰ کے کسٹومرز کا منہ داندلی اور داندلی میں لکھ کر کہ میں نے لکھ کر تو جابانی

موت کرانے کے بعد کئی کینے نکلا تو اس وقت تک پہنچے ہوئے ساڑھے تین سو روپے
خروج ہو چکے تھے اور میں دوسروں پر کاغذ دار بن چکا تھا میں نے جھلا کر اپنی تقدیر کو بھری
ایک درجن گایاں دیں اور وہ کو سمجھ لیا کہ انڈیا میں سے بیلا دانی کو میرے لئے پیدا نہیں
کیسے لیکن سب نے اسے یہ کہہ کر تھپے جب میں ٹیکسی کے اڈے پر آیا تو حور سے پہلی سوار کی
حل وہ بیلا دانی تھی

وہ دستور کے مطابق پچھلی سیٹ پر اگر بیٹھ گئی اس بار میں نے آئیے کا رخ نہیں
بولا۔ اس لئے کہ جو چیز حاصل ہو اس سے کترانے کی کوشش کرنا دانش مندی ہے
— بلار نے اگلی سیٹ کی طرف بھٹکے ہوئے آہستہ کی سے پوچھا۔

”آج تم نے نئے کالٹ پہن بدھ؟“

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

”موت بظاہر خاموش رہتی ہے مگر وہ اپنے ہی پاس سے گزرنے والوں کی
ایک ایک حرکت کو سمجھتی ہے حب میں شادی کی دوسری صبح چنے میکے جا رہی تھی اس وقت
میں نے تھوڑی شرارت کو بھانپ لیا تھا تم آئیے میکے بار بار دیکھتے تھے اس روز بھی
رب الف و سترٹ پر جب میں پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آئی تو تم نے کیے کا رخ میری
طرف پھیر دیا۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟“

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”وتم درست کہہ رہی ہو جب پہلی بار تم وہیں بنی جیٹی تھیں اور جب میں پہلی بار ایجاب
وقرل کیلئے تباہے پاس آیا تو اسی وقت سے تمہارے خانی ہاتھوں نے میرے خیالات پر ہکا
پھیکے کر تم ان ہاتھوں سے آگے بھی بہت دیر تک نہیں ہو جو جب بات مکمل ہی گئی ہے تو میں صاف
طور سے کہہ دوں کہ میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں پچھلے کئی ماہ سے میں نے پانچ سو روپے
جمع کر لئے کیلئے بڑی جدوجہد کا ہے میں ساڑھے تین سو روپے تک جمع کر چکا تھا

لیکن ایسا تک ہی سہاڑا تھے تو دیا۔ اب میں دوسروں کے کاغذ دار بن گیا ہوں اس لئے اب
میں تمہیں خیا لوں کی دنیا میں حاصل کرتا ہوں اور جب خیال کا افسوس نہ تو ہے تو میں بڑی دینی
ادبیتوں میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ کیا تم مجھے ان ادبیتوں سے کسی طرح نصیحت دلا سکتے ہو؟

اس نے جواب دیا۔ ”پہلے تم اپنا فرض ادا کرو پھر پانچ سو روپے جمع کرو۔ میں تمہیں
بڑے شہر کے کسی بھی فٹ پاتھر پر مل جاؤں گی۔ اچھے بھے پر میں کلب جانا ہے گاڑی آگے بڑھاؤ
میں نے گاڑی آگے بڑھا دی مجھے اس کی صاف گونئی بہت عرصہ آدم تھا لیکن بدلتی
آخر برنس ہے اگر کوئی غریب آدمی میری ٹیکسی روک کر کہے کہ وہ یہاں ہے اس کے پاس پیسے
نہیں ہیں اور میں اسے ہسپتال پہنچا دوں تو میں کہیں اسے لفٹ نہیں دوں گا کیونکہ ٹیکسی لفٹ
میں نے کئے نہیں، کاروبار کرنے کیلئے ہوتا ہے وہ بل لفٹ میں نے کئے نہیں کاروبار کرنے کے
لئے نکلی تھی ایک کاروباری کی حیثیت سے مجھے اس کی بات کا برا نہیں ماننا چاہیے قاتلوں
حقیقت سے کیسے انکار کیا جائے کہ مرد اپنی ناکامی نہیں برداشت کر سکتا۔

میں نے ہتیر کر کہا کہ بہت جلد پانچ سو روپے اس کے منہ پر ماروں گا اس کیلئے میں دن
رات ٹیکسی چلائے گا۔ وقت گزرتا گیا پیسے جمع ہوتے گئے اور ضرورتوں کے چھوڑ دنا
سے نکلنے لگے ہم سے اور آپ سے اگر پوچھا جائے کہ اتنی آمدنی کہاں جاتی ہے تو ہم خواجہات
کا صحیح حساب نہیں بنا سکیں گے کیونکہ بہت سی ضروری چیزیں چھپے آتی ہیں اور نقب لگا کر
چل جاتی ہیں۔

سال کے بعد سال گزرا۔ وہ مجھ سے ملتی رہی اور بھڑکتی رہی۔ تین سال کے بعد میرے
پاس تین سو روپے جمع ہو گئے مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوئی کہ اس کا ہواؤ ان دنوں
گزر کر دوسروں پر پڑا گیا تھا۔ میں وقتی طور پر یہ بھول گیا تھا کہ جسوں کی منڈی میں جاؤں پھر کراہے
کسی بھی حالت میں اوپر کی طرف نہیں جاتا۔

وہ پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ تو میں نے اس کی طرف دیکھا وہ مر جاتی تھی۔ اس کے

باوجود ہاسی پھونک کا اثری اثری مس رنکت ابھی باقی تھی۔ اس پر ایک۔ اپکا سلیقہ ایسا تھا کہ وہ
کاغذی پھول کا طرح کھن گئی تھی اور کسی بیس سیٹ کا بہانے اس میں ابھی خاص کشش پیدا
کر دی تھی میں سے دیکھتے ہوا کہ میرے پاس ایک سو پٹے ہیں، حالانکہ حبیب میں تین سو
دھپے تھے بھاڑا تپ ہے تو اور گرا چاہیے۔ مجھے اس کا وہ غرور اب تک یاد تھا جب اس نے
مجھے طنز یہ لکھ دیا تھا کہ سو پٹے جمع کرنے کے لئے کہا تھا۔ وہ سر جھکا کر بول۔

وہ مجھے دوسو پٹے کی سہت ضرورت ہے میرا چالان ہو گیا ہے اگر صبح تک میں
نے ڈیڑھ سو پٹے نہیں بنائے تو وہ مجھے حشرات میں ڈال دیں گے۔
"اچھا تو پھر ڈیڑھ سو سے لا۔"

"بھئی مزید پاس کی سہت ضرورت ہے میری لڑکی دوسری جماعت میں ہے اس
کے لئے کتابیں خریدنی ہیں۔"

میں نے کہا ابھی بات ہے رات کے بارہ بجے اسی جگہ اگر ملن میں دوسو پٹے لیکر آؤں
گا اور تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔

اس نے کہا۔ ابھی دس بجے ہیں۔ اس وقت بھی رات ہے یہ دو گھنٹے کا انتظار میرے
لئے خواب بن جائے گا۔

میں نے حبیب سے سو سو کے نو نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔

اوہیں بیسول سے عبور نہیں ہوں! مجھے دوس سے عبور ہوں۔ وہاں بارہ بجے کے
بعد تیار ہوجاؤں گے میں اس وقت تمہیں وہاں لے جا سکتا ہوں، تم بھی اس محلے کی عزت
بن گئی تمہیں، بہت سے لوگ تمہیں پہچانتے ہیں۔

اور میں کسی سے نہیں ڈرتا مگر تم اس محلے میں رہتے ہو تمہیں ڈرنا چاہیے۔ اچھی
بات ہے میں دو گھنٹے تک انتظار کروں گا۔

یہ کہہ وہ ٹیکسی سے تر گئی۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا

تھا کہ جس گھر میں وہ زیادہ تر گئی تھی، امجد آباد میری بہن رتی ہے جو بھوکے ہاں سال گھر کے
بالکل سامنے ہے اسی لئے میں نے چھپا کر اپنے گھر لے جا، چاہتا تھا میں نے سوچا دو گھنٹے بعد
جب وہ میرے گھر میں آئے گا تو میں دوسو پٹے اس کے مزید پیچیدہ کر اسے بھی ملنے دوں گا
کہ دیکھو تمہیں شرافت کا زندگی اس نہیں آئی۔ جس شریف احمد کو تم سنا کر کہ چل گئی تھیں آؤ
میری بہن اس شریف آدمی کی بیوی بن کر سڑت کا زندگی گزار رہی ہے۔ میں بہت تھامیری
باقی اس کے دل میں نشتر کی طرح اتریں گی۔

دو گھنٹے بعد جب میں اسی فٹ پاتھر پر پہنچا تو وہ موجود نہیں تھی میں ٹیکسی روک کر اسے
فالے ہو کر میں چلے بنے چلا گیا۔ وہ میری ٹیکسی کو ابھی طرح پہنچائی تھی جب مجھ کو وہاں آئی ٹیکسی
کا دروازہ کھول کر بیٹھ جاتی چائے کی کڑی ہوئی ہے باہر آیا تو ٹیکسی بدستور حال تھی مجھے اس
پر بہت غصہ آیا کہ تمہیں کہا کرتی ہے۔ میں وہاں سے جڑ کر ایک منگڑ خریدنے کے لئے
تقریبی دو رو چلا گیا۔

جب میں سگریٹ کے کش لگاتا ہوا وہاں آیا تو ٹیکسی خالی تھی سب کچھ بہت غصہ
آیا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا وہ ایک فطرس دو ڈرائیو، مزید ایک گھنٹے تک انتظار کرتا
رہا مگر وہ نہیں آئی۔ میں جھنجھلا کر گھر واپس آ گیا۔ جس کا فٹ گھر کی تنہائی میں مجھے تڑپانا رہا
اور میں تڑپ تڑپ کر اسے گایاں دیتا رہا۔ دوسری صبح میں دیر تک سو نہا جب دوپہر کو
ٹیکسی نے کمر لڑک پرایا تو اسی وقت فیصلہ کر لیا اب وہ میری ٹیکسی پر بیٹھ جائے
گا تو نہیں بیٹھاؤں گا، اسے دو رو ہی سے دھکا دوں گا۔

رات کے نو بجے میں نے ٹیکسی کا میٹر بندھ دیا اور اسے دروازے کے سامنے کھڑی
کر کے پینے کے لئے چلا گیا۔ رات کے ایک بجے واپس آیا تو گھر کا دروازہ کھولنے وقت ٹیکسی کا
پچھلا دروازہ بھی کھل گیا۔ وہ نیم تارنگی میں کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اندھیرے کے دروازے
پر پہنچا۔ میں جلاسے دھکا دینا چاہتا تھا، اسے دیکھتے ہی سہم کر آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ

پھر لڑکھچتے ہوئے گھر کے اندر لڑکے دو روزہ بند کر دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری بہن کے سر اس دوائے سے دیکھیں کہ میں آنے کے بعد میں نے غصے سے پوچھا۔

”وکی تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا تھا؟“

”تمہارے جانے کے بعد مجھے تین سو وال ایک اس میں مل گئی تھی۔“

”تم اس طرح سر ہٹا کر کہہ رہی ہو جیسے بہت مظلوم ہو مگر میں سمجھتا ہوں کہ تم کتنی متکبر اور چال باز ہو۔“ تم سے پانچ برس پہلے جب مجھے تمہاری آواز کی تھی تو تم نے خالص لہجہ بول کر انداز میں مجھے ٹھکرا دیا تھا۔

وہ بول رہا کہ داروغہ کا رہا ہوتا ہے۔ اس میں مکاری بھی ہوتی ہے اور چال بازی بھی۔ تم نے غصے سے تو میری تمنا نہیں کی تھی۔ تم عورت کو مشین بنا کر یہ توقع کیوں کرتے ہو کہ اس کے سینے میں بھی دوا دھڑکتی ہوگا۔ کبھی میرے سینے میں دل دھڑکتا تھا، کبھی میں متنا کرتی تھی کہ کوئی مجھے جنت سے اپنا لے، اگلے لمحے ٹائم ٹیبل کے مطابق نکلنے والا کھانا آئے لیکن تم جیسے مرد وہ بچوں کے یکسر سے صرف عورت کے ہاں کے مزد جانتے ہو، اس کے سینے میں کتنا خوبصورت دوسرے یہ کس نہیں سمجھتے۔ جب مجھے فٹ پاتھ پر لے آنے پر تو پھر میرے کاروبار کی بجائے ابرا کیوں ملتے ہو؟ یہ دیکھو میں کاروبار میں کتنی دیانت دار ہوں۔ کل مجبور ہوئی تھی قح سے کہ تانہ کے لئے ننگی ہوں یہ نہ سمجھ کر میں تمہارے وطن میں عرفات پر جوکر یا پی صرد قح سے عورت کو کہیں آں ہوں میں نے داروغہ کی صفتوں کو پیش نظر رکھا ہے اگر انکار کرو گے تو وہیں چلی جاؤں گی۔

اس کی باتیں سن کر میں نرم پڑ گئی۔ وہ دوست کہہ رہی تھی۔ کاروبار میں انکار و اقرار کی سمجھ رہی ہوتی ہے۔ مجھے نہ نہیں مانتا چاہیے تھا۔ میں نے جیسے کہ دوسرے نکال کر اس کی طرف بڑھ دیے۔ وہ دلچسپ سے کہہ رہی تھی میں رکھنے لگی۔ یہ وہی پرس تھا جسے میں نے پہلے مارنیزب اللہ اسٹریٹ پر دیکھا تھا۔ شاید اس سے دو سال پہلے بھی یہ پرس اس

کے ساتھ رہا ہوگا۔ جب سے وہ اس ملتے پرانی مٹی وہ پرس میں اس کے متغیر تھا۔ اب اس کی طرح دفتر دفتر پرانا ہوتا جا رہا تھا۔ اس میں جو رنگ برنگے جوتے بیٹھے تھے وہ جوتے بچکر سے اکٹھے تھے۔ آدھی کی جیب پر پیرا پر۔ وہ پانی آدھنی کے مطابق پلکا ہوتا اور مڑھتا جاتا ہے۔

میں اپنی عادت سے مجبور ہوں، دفتر کا سوتھائے تر ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ میں نے طنز یہ انداز میں کہا۔

”یہ پرس شاید اس وقت بھی تمہارے ساتھ رہا ہوگا جب تم پہلے بار دہس بنا کر سرخ والے مکان میں آئی تھیں؟“

اس نے پلٹ کر کھڑکی کی جانب دیکھی۔ کھڑکی بند تھی لیکن چشمے تھوڑی سی وہ مکان نظر آئی جہاں وہ رہیں کر گئی تھی۔ اس نے نفرت سے ہونٹ مسکڑا کر کہا۔ ”اس مکان کی بات نہ کرو۔ وہ جگہ جہنم سے برتر ہے۔“

میں نے حقارت سے کہا۔ ”وہ کی آج کل تم جنت میں زندگی گزار رہی ہو؟ خبردار اس مکان کو جہنم کہنا بیکار ہے۔ وہ میری بہن کی جنت ہے جہاں تم شرافت سے نہیں رہ سکتیں، وہاں میری بہن عزت آبرو سے زندگی گزار رہی ہے۔“

اس نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا پھر دھچک چا پائی پر ہنسی ہوئی بولی۔

”وہ کی تم نے اپنی بہن کو وہاں بیاہ دیا؟ یہ کی بات ہے؟“ ”جب تمہیں خلاق دی گئی، اس کے چھ ماہ بعد میری بہن اس گھر کی عزت بن گئی۔ اس کی شادی کو ساڑھے چھ برس گزر گئے ہیں۔“ ”وہ تمہارے۔“ اس نے حیرانی سے کہا۔ ”اب تک تمہاری بہن کو بھی میری طرح فٹ پاتھ

پر آجایا ہے تھا

وہ جس دست کر ذیل کیسی

میں چیتے چیتے بھول گئی۔ رات کے تانے میں میری آواز میں نے کسرال تک پہنچ سکتی تھی۔ وہ مجھ سے مکران چوٹی بول۔

وہ تم سمجھ دار ہو۔ اچھا ہوا خود ہی غصے کو ضبط کر لیا۔ مجھے بھی افسوس ہے کہ میرے تہدی ہیں کے عشق ایسی بات کہہ دی۔ میں کیا کروں؟ میں بھی زخم کھائی ناگ کی طرح تڑپتی ہوں اور جرمی سامنے آئے اسے ڈس لینا چاہتی ہوں۔ پہلے میں ایسی ہیں تھی۔ پہلے میں کھتی تھی کہ موت کو صرف موت ملتی ہے نفرت بھی ملے تو وہ اسے جنت میں بدل دیتی ہے۔ پہلے پہل جب میں سو درس کی تھی تو میری زندگی میں ایک نوجوان آیا۔ وہ بہت خوبصورت تھا اسے دیکھ کر اس کی عبادت کرنے کو مجھ چاہتا تھا میں اسے خوش قسمت اور ایک دم سے پاگل ہو گئی۔ اس کی حوروں اور اس کی شخصیت کے سامنے اپنی ذات کو گم کر دیا محبت میں ایسا جو تپسے کو موت پڑنے لگا۔ اس کو مار کر مرنے پڑا۔ محبوب کی شخصیت کا ایک حصہ بن جاتا ہے اس کے بعد وہ کہہ اور نہ کہہ کر نہیں کرتی مگر بہت جلد محبت کا یہ پینا ٹوٹ گئی۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکا چلا گیا۔ سات سمند پار جانے کے بعد وہ کہیں گم ہو گیا، میں نہیں جانتی لیکن اس وقت تک میری معصومیت، میرا کوارا پن، اب کچھ ختم ہو گیا۔ اب صرف محبت کی تلخ اور شیریں یادیں رہ گئی تھیں میں نے سوچا تھا کہ اب یہ یادوں کے سہارے زندگی گزار دوں گی لیکن والدین میرے جذبات کو نہیں سمجھ سکتے تھے جوان لڑکی یا بیوی نہ جانتے تو وہ سوسائٹی میں سراٹھا کر نہیں چل سکتے وہ میری شادی کی فکر کر رہے تھے۔ اپنی دونوں مشرقی پاکستان میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ میں نہیں جانتی کہ کون نکاح اور کون بھاری ہے، اس ہنگامے میں جو لوگ میرے باپ کو قتل کر کے مجھے اٹھا کر لے گئے تھے، ان کا تعلق ان کی کسی قوم سے یا کسی ذات سے نہیں تھا میرے والدین بہاری ہیں لیکن میں پیدائش طور پر بنگال ہوں کیونکہ بنگال میں میرا جنم ہوا ہے اس

بنگال سے میں ایک بار بنگال لیں کا تہذیب دی ہوا۔ دوسری بار بھائیوں کا تہذیب دی ہو گیا۔ جب مجھے بنگال اٹھا کر لے گئے تو انہوں نے مجھے بھاری ڈکی سمجھ کر میری عزت کو کھنڈنا بنا کر دے دے میرے بھائی والدین کی مناصبت سے مجھے جانتے تھے جب بھائیوں نے میری عزت کو لٹی تو میں ان کی نظروں میں بنگال تھی کیونکہ میں نے بنگال میں تعلیم حاصل کی ہے میں بنگالی نہیں رہا والدین سے بولتی ہوں، اور وہ اچھی طرح بول نہیں سکتی و

وہ ایک عمری سامنے لے کر ذرا دیر کے چپ چوٹی پھر افسوس سے جیسی نکلا میں کہہ رہے تھے کہ لازم دوں؟ کوئی پاکستانی ہوتا تو میں اس کی طرف اچھی اشارے سے شرم دلاتا۔ وہاں سے یہاں تک میں نے یہی دیکھا کہ سب بنگالی، بھاری، بنگالی، سندھی، اور سرحدی ہیں اور ڈنٹ پاتھ لکھ دینا میں یہ قومیں بھی نہیں ہیں، حضرت رفیق احمد گاہک ہیں۔ پاکستانی کہیں سو رہے ہیں۔ میں کہے جاتا ہوں کہ مجھے فٹ پاتھ پر کھلا لایا ہے؟ میں نے کہا: کوئی بھی لایا ہو لیکن جب نہیں متراقت کر رہی گلاٹے کا حق ملا تو تم نے دلہن بننے کے بعد بھی اس زندگی کو بھٹکرا دیا۔ وہ ایک مرد آہ بھر کر بولی۔

”ہاں۔ میں دلہن بنی تھی اس لئے کہ ہر عورت کے دل میں دلہن بننے اور پھر مرنے کا اور مان بڑا ہوتا ہے۔ اس کا انکھوں میں ایک خیالی جنت کا خواب ہوتا ہے یہ اپنی انکھوں میں ایک خواب سمجھا کر اس سامنے ڈاکٹر میں سہاگ کی تھک پرائی تھی۔ اس رات میں کھڑا ہوا ہوسے سو رہے۔ میں نے دیکھا میرا شوہر اور میرا شوہر کا آدمی ہے مگر بہت قریب کرنے والا ہے اس نے مجھے بہت یاد کیا۔ میں نے بتایا کہ اپنی زندگی میں زندگی دیکھنے سے جو موت کا مرضی کے خلاف اسے جین لیتے ہیں مگر اس نے بڑی محنت سے میرا وجود کھنڈتے ڈنڈے کو حاصل کر لیا۔

”پھر تم نے ایسی محنت بھری زندگی کو کوئی چھوڑ دیا؟“

اسے ہماری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہ

ملاوین جاتی پولہ تم بیچ میں رہو۔ مسیح چاہے تک میں اس کی آغوش میں رہی
بہرہ من کر کے تیار دیتے چلائی۔ اس کے جانے کے بعد میری ساس میسر پاس آئی۔
اس نے بڑی محبت سے میرا حکام کر بڑی حاجت سے کہا۔

۱۰ میلہ رانی، اس تم اس گھر کی عزت ہو اس نے نہیں بھی اس سر کی عزت کا خیال رکھا
ہوگا مسیر بیٹا شریف احمد تادی نہیں کرنا چاہتا تھا جب سے وہ جوان ہوا تھا ہم اس
کے لئے فکر کرتے کہ گھر میں ہو کیے آئے گی۔ ہیں آئے گی تو توں میسر بیٹے کا امداد اڑیں
گئے کہ وہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ میں کس طرح اس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ یوں سمجھو کہ
میں اس کی سزا تھی کہ اجرم رکھنا چاہتی تھی لیکن جب وہ تیس برس کا ہو گیا اور مسلسل شادی سے
انکار کرتا رہا تو میسر کا دماغ نے ایک تجویز پیش کی۔ وہ تجویز ایسی تھی کہ میسر بیٹے کی لاش
وہ جاتی تھیں، ایک عورت ہو کر اس تجویز کو بھی پسند نہیں کر سکتی تھی پہلے میسر خاوند نے
مجھے بہت سمجھا پھر مجھے اور میسر بیٹے کو مارنے بیٹھے لگا۔ میں اپنے اوپر غلام برداشت
کر سکتی تھی۔ لیکن اسے وہ بیٹے کو لات جوتے کھاتے نہیں دیکھ سکتی تھی مجھے
ڈر، قادر اللہ بیٹا اس دن میرے بیٹے کو مار ڈالے گا آخر میں نے مجھ کو اس کی بہت حال
ل اور یہ شادی ہو گئی بھی تھیں وہ تھوڑے روز گزار کر نماز پڑھنے کے لئے گیا ہے وہ میرا
خاوند نعیم احمد تھا۔۔۔۔۔ ۱۱

میں تو اکثر ایک ایک بیک یوں دیکھتے چلائی جیسے بیلا رانی نے مجھے زور کا مٹی پھر ملدا
ہو اور اس کے ساتھ ہی میسر مہ پر غصہ کیا جو۔ اس وقت میرا سر محسوس رہا تھا۔
شراپ کے نشے میں تو کھوتا ہی ہے لیکن حالات کے حرامی نشے نے میرے سانسے
دب و دو کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ ہم سب کیسی حرامی زندگی گزار رہے ہیں۔ فٹ پاتھ
سے لیکر مٹریب گھرنوں کے آنکھوں تک ہم کیسی دوغلی حرکتیں کر رہے ہیں اور اس

کے ساتھ ہی اپنی خود اتنی پیشانی پر مسجدوں کا طرزائے نماز پڑھنے ہی جاتے ہیں۔
اس وقت میری نگاہوں کے سامنے بیلا رانی نہیں تھی، شمشاد مسہک کے بیچ پر بیٹھ کر ان کی لالہ
یکہ پتے کو گود میں کھلا رہی تھی۔

وہ کس کا بچہ ہے؟ چاروں طرف ایک ہی سوال گونج رہا تھا وہ بچہ کون ہے؟
وہ بچہ کسے اپنا باپ کہے گا؟ جو دلوں کے اسے باپ کہے گا۔ جو باپ کہے گا وہ سوتیلا
بھائی کہے گا۔ جو بوسہ دے وہ بوسہ دے جو میری کہے وہ سوتیلے ماں کہے گا۔ آغ صوف۔ ہم
اس دنیا میں کیسے کیسے رشتوں کا کھنڈر بن چکا کرتے ہیں، ہضم کرتے ہیں اور دھو کر اسے کر
نہ کرتے ہیں کہ ہم انسان ہیں۔

میں چکر اکر گر پڑا۔ مجھے معرفت آنا پڑا ہے کہ بیلا رانی مجھے سہارا دیکر چاد پائی
پرے آئی تھی۔ میں غصے، نفرت اور توہین کے احساس سے لاپرواہ تھی میری نفس میں میں تھیں
ملگے رہے تھے میری حالت ایسی تھی جیسے کوئی فوڈلے پروں پر کھڑا رکھ کر تھکوتے رہے
رہا ہو۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ہین کو ایک جھنڈ پکڑنے میں بھیجا تھا اور اپنے انہی
ہاتھوں سے اپنی ہین کے گامک کا گریبان نہیں پکڑ سکتا تھا کیونکہ اس میں میری ہین کی بدنامی
تھی وہ اپنے پتے کے ساتھ دنیا والوں کے سامنے تماشہ بن جاتی۔

میں مڑوں پر بیٹھ کر ایسی چلائی کہ دلدار فٹ پاتھ کا زندہ میکیوں کو اپنے منہ کی
انگوٹھ پر نیچے سے دلدار ملدی اپنی ہین کو اس سطح پر نہ چتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب
پہلی انگلی کھینچے تو پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کا کیسے کرتا ہے اس وقت میں پاتا تھا کہ کسی
طرح میری آنکھ سے آنسو نکل جائیں اور میں پیش پھوٹ کرین شروع کر دوں مگر نہ جلتے
آنسو میرے پتھر لے وجود کے اندر کہاں چھپے ہوئے تھے یہ کب جاگیں گے اور کب میری پٹیوں
کی دلیہ سک آئیں گے میں زندگی کے ہر درد کو کب سے گذرنا ہوں مگر آنسو میرا بے جا
آنکھوں میں نہیں آتے۔

جب انہوں نے قاضی کا سارا خیال بخدا کر کے صورت میں ابھرا۔ بیلارانی سے مجھے جو رک۔

وتمہیں تو سچا چاہ رہا ہے کیا میں ڈاکٹر بوجھوں؟
میں نے اس میں سر ہلایا۔ اس نے میرے جوتے اتار دیے اور دوسرے کر کے سے لگا کر مجھ پر ڈال دیے۔ لہذا مجھ پر تیز ہوتا تھا اور میں بڑبڑاتا جا رہا تھا منہ مجھے ہر شے تھا بیلارانی میرے قریب تھی۔ اس نے کہا۔
"میں سے پاس رہو گا دیکھیں میں انہیں کھاتو۔"

یہ نہیں اس نے وہ دو گویاں مجھے کیسے کھلائی۔ اس وقت مجھے بیلارانی جیسی صورتوں پر ہنس دینے سے حق میں ہی کی ٹیبلٹ ہوتی تھی جن میں اسپرڈ کی مچیاں ہوتی ہیں جن میں خواب اور گویاں ہوتی ہیں، جن میں ان کے ہر زخم کا علاج ہوتا ہے کاس کی دیر پہن کے برس میں بھی کوئی ایسی چیز ہوتی تھی جسے نکل کر وہ ہمیشہ کی فیز ہوجاتی مگر میرے صوفے سے میری ہنس نہیں مر سکتی تھی اور یہی دنیا کی بے حیائی نہیں مر سکتی تھی اسے مانتے تھے مجھے جیسے لوگوں کو مزہ پڑے گا لیکن میں کیسے مر سکتی ہوں۔ اپنی زندگی کے عزیز ہیں ہوتی۔ اگر مجھ سے تو اتنی حدی، اتنی آسانی سے مر جاتے تو بیلارانی جیسا پھول پیر کے گلزار میں سمجھنے کی بجائے صبح کے گلزار میں نہ چلا جاتا۔

صبح تک میں بخاری میں پھنکتا رہا۔ بیلارانی میرے پاس ہی حلالا کھولے چلا جانا چاہیے تھا صاحب اس کا خرید نہ والا بیلارانی تھا اور اسے اپنے استعمال میں ہیں لاسکتا تھا تو ایسی صورت میں ہمارے درمیان کوئی جھوٹا شے بھی نہیں رہ جاتا تھا وہ میرے گھر سے جاسکتی تھی لیکن اس وقت میں نے سوچا کہ وہ صبح تک رہ کر اور میرا تیار داری کے فرائض انجام دیکر دوسو روپے وصول کرنا چاہتی ہے وہ سو روپے کے کتنی بہت بڑی ہوتی ہے وہ صبح تک میرے پاس رہ کر کہہ سکتی تھی۔

دوسرے کے مطابق میں نے تھپتھپاتے تھوڑے گناہ دیے ہیں مگر تمہیں تو نہ دیکھ سکے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

لیکن صبح ساڑھے چھ بجے جب آذان کی آواز آئی تو میں نے پندیر کھولا اور اس میں سے دوسو روپے نکال کر میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
"ہمارا سودا ہو گیا۔ تمہارے گھر سے میری قیمت وصول نہیں کی گئی ہے میں یہ روپیہ نہیں لے سکتی۔"

یہ کہہ کر میں نے سو کے دو نوٹ میرے سر پر لٹکائے اور وہی بندک کے اپنے جگہ سے اٹھ کر چلی ہوئی ہوئی۔

وہ ابھی اندھیرا ہے مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے اگر نہیں احمد نے چوک یا تو میرا کچھ نہیں بچا ہے گا اس کا سر میرے ملنے سے ختم ہو جائے گا بشرطیکہ اسے شرم نہ لگے لیکن تم اس کے ملنے سے نہیں اٹھا سکتے کہ وہ تمہارا اصل بیٹو ہے۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔
دوسرے ڈر تھا کہ کہیں کوئی اسے دیکھ نہ لے اس خیال سے میں نے اپنے سر کے سر کے طرف سے ذرا سا تھوکر کاٹ آف کر دی اور سر نہ لے کر کڑا کھول دی۔ کڑا پر وہ چلا ہوا تھا اور کمرے میں اندھیرا تھا ہر سے کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا میں باہر کا مسٹر دیکھ سکتا تھا اس وقت گلی ویران تھی صرف ایک کت چل رہی تھی کہ دم تا لیکن جس وقت بیلارانی میرا مکان کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اندھیرا قدم آگے بڑھی اسی وقت مانتے میرا پہن کے مکان کا دروازہ کھلا۔ نعیم احمد سر پر ٹوپی رکھتے چلتے تھے تھپتھپاتے مسجد کی طرف جانے والا تھا۔ ہم دونوں کے مکان کے درمیان تقریباً بارہ گنا فاصلہ تھا۔
قریب سے وہ بیلارانی کو دیکھتے ہی ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ بیلارانی بھی رنگ کر کے دیکھنے لگی۔
پہلے تو نعیم احمد نے میرے گھر کے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسے تو قے تھی کہ

شاید میں مغرور نہ تھا۔ پھر اس نے کڑی جانب دیکھی مگر یہ بھی پرہیز سے کہیں بچے تھا اسے
 مدد آسکا پھر اس نے قتل عام سے بچنے چاروں طرف دیکھا جہاں سے اٹھنا ہوگا وہاں کوئی
 طرف سے بدنامی کا جینڈا نہیں لگتا اس تک نہیں آئے کہ تو وہ میلادانی سے نظر
 مدد کو اپنی طرف سے دیکھی پھر وہ پھر سے جوتے میں خیز خیز میں گھس گھس گئے
 میلادانی پشت میری طرف کی جانب تھی اس نے یہی اس کے چہرے کے تاثرات سے دیکھا
 مگر اسے میرا خیال تھا وہ وحشت کا اظہار کہ اس نے اس کی سخت پرہیز کر چل جائے گا
 لیکن وہ پنکھر پر ہاتھ رکھے ایک روئے اسے کھڑی ہوئی تھی اس نے ایک جھٹکے سے اپنی
 سامنے پھل ڈھکیں پھر میدان میں ایک ہاتھ سے پس کو جھٹکی ہوئی لپکتی اور بل کی آواز
 جہاں آمد کی آواز ہو گئی

اسے تو "اے" دیکھ کر نعیم احمد اک دم سے گھس گیا اور بدک کر مسجد کی
 طرف تیرا تھا جسے جے لگا۔ اسے لگاتے دیکھ کر میدان والی وہاں سے پلٹ گئی پھر کھڑک
 کے پاس سے بہت سگ سے ول

اس۔ مرد کو دیکھتے ہیں کہ ہر تہ ہے قمر کو عورت کے ساتھ صرف تنہا کے
 "وہ نہ ہو تنہا سے" اس سے عورت کے ساتھ جو ملے تو جھپٹا دیتا ہے۔ تمہارا دھڑ
 جھپٹا دیتا ہے یہی یہاں سے لیتے

وہ سن کر کوئی اور پس نہ ہوئی تھی وہ ہوتی چلی گئی۔ میں اتنی دیر بیٹھنے کی
 وجہ سے تھک گیا تھا نہ حال ہو کر بستر پر گر گیا۔ رات کے نصف شب سے بہت کمزور دنیا
 تھا۔ نہیں میں غلط کہہ رہا ہوں، اس دنیا کی پہلی چٹا لے سننے لگا تو پھر ڈر کر نکلیں گے۔

مجھے میدان کی رہنمائی دے رہی تھی۔ میں نعیم احمد کو دیکھ کر جھٹکی گئی تھا۔
 میرے جی میں تھا میں لڑا تھا ہوا نام جھٹکی اور اس کا گھر دبا دوا۔ لیکن میرے ہاتھ بہت
 کمزور تھے کیونکہ میں نے دولت سنگی میں ان ہی ہاتھوں سے اپنی بہن کو اس کے عشرت

کوسے میں بھیج دیا۔ مجھے سنیٹک سے فیصلہ تھا کہ کدو میں شرمناک سنیٹک نہ لگے
 گی۔ فیصلہ کر کے گئے میں بہن کے دروازے تک پہنچا تھا کہ کدو میں شرمناک سنیٹک نہ لگے
 وقت باہر سر چکے تھے۔

میں بہت دیر تک کدو میں کدو کا قندار اندر خیل ہی خیل میں نعیم احمد کو قتل کر دیا
 آدھ گھنٹے کے بعد نعیم احمد نے میرا رب مقدس آیتیں پڑھ کر کدو میں داخل ہوا، اس کے
 جے سے پریشانی کا ہر قسمی انداز میرے چہرے سے غور سے دیکھا تھا۔ کس نے گھٹکے
 ہی کہا۔

"تبدیل سے دیکھنے کا انداز بتا رہا ہے کہ میلادانی نہیں سب کچھ بتا رہی ہے۔
 میں نے غصے کی حالت میں غور کر دیا ہے۔"

وہاں وہ مجھے بتا رہی ہے کہ تمہارے بڑے شہنشاہ جو۔ کھڑے ہوئے غصہ
 میں نہیں زندہ نہیں چھوڑا۔

وہ ایک اور سی پر بیٹھنے کو شے بولا۔

"اچھا، برا کر تم چارو جو۔" نہ زیادہ چہرے لگتے ہوئے کدو پر ہاتھ ڈالتے ہو۔ اس
 طرف میں سکون سے کچھ باتیں کر سکوں گا۔ وہو میلادانی کو نسبت کدو سے نکلنے دیکھ کر عیبت
 پریشان ہو گیا جمل۔ میں یہ بھول گیا تھا کہ ایک ایک کدو باب سے شہر کا ہی
 ایک بار غور نہ کرنا ہے ٹیکسی میں تریں ہی نہیں سڑ کر آئی ہو۔ بلکہ کدو بھی۔ کدو بہت پلے
 ہی پتہ چل گیا تھا کہ میلادانی ہزاروں چٹکی ہے مگر نہیں اپنی ٹیکسی میرا سے میں نہیں دے
 چاہیے تھا۔

وہ میں کسی کو جانے نہیں چاہتا سوایاں خود ہی پتہ لگاتے بھلائی۔ اچھا کدو
 وہ لگتی اور اس نے قندار سے قندار کی چمکے کو نکال دیا۔ مگر تپا نہ خیریت چاہتے ہو
 تو ابھی میری بہن کو یہاں لے آؤ۔

دو تہاری بہن جہاں ہے۔ اسے دیں بسے دو۔ اس میں ہم دونوں کی بھلائی ہے
تم گھر پر باقی اٹھا دے گا۔ یہ مجھے بدنام کرنا چاہتے تھے تو میرے ساتھ تباری بہن بھی بدنام ہو گئی۔
شریف احمد ایک اپنی پردہ سے جس کے پیچھے تہاری شریف بہن عزت سے زندگی گزار رہی
ہے۔

میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔

دو اپنی باتیں نہ کرو میں تمہیں جاننے سے منہ ڈالوں گا۔

میں نے اسے اٹھ کر کونے سے پہلے یہ سوچ کر شادی کیجیے تہاری بہن ماں بننے والی
تھی اتنی بڑی دینا میں ایک میں تو سوچ رہی تھی بدنامی سے کیا ہے اگر میں اس گناہ کی گھڑی
کو بے گھر نہ لاتا تو کیا اس وقت بھی تمہاری طرح کیج کر کہہ سکتے تھے کہ تہاری بہن بدنام ہے
بہن ایک بانی کی رہی ہے اپنی سہاگن نے یہی باتیں کہیں کہہ سکتی اور آج بھی تم ایسی بات نہیں
کہہ سکتے۔ اگرچہ وہ آج بھی یہ کہہ سکتی مگر اس مٹھی پر چڑھے ہوئے چاندی کے ورق کی طرح
دھمکی اور عزت وار نہ لگے گی۔ اس مرتبہ چمک کے پیچھے وہ کیسے؟ میں کیسے؟
وہ کیسے؟ میں کیسے؟ یہ نہ دیکھو تم کیوں اور کیسے کا شتر لے کر نکلو گے تو یہ ماری دنیا
تمہیں بڑی گتوں نظر آئے گی۔

وہ جی تہاں ان حضور توں کو سمجھا نہیں جاتا۔ تم ابھی جاؤ اور میری بہن کو یہاں بھیجا دو۔
وہ اپنی جگہ سے اٹھا ہو ورا۔

میں نے اسے سمجھا دیا کہ تم ٹھیک جیسے وقت دوسروں کی بہنوں کو ایک جگہ سے
دوڑی دھکے پیٹتے ہو۔ انہیں اس کے گھر بھی واپس لے آئے کہ نہ ملے گی تہاری بہن کو تہاں سے
گھر بھیج دو گا۔

یہ کہہ کر وہ گھر سے باہر چلی گئی۔ اس کا ہاتھ میرے سینے میں خنجر کی طرح اتر رہا تھا
جو کہ گرتا رہا ابھی میرے منہ سے یہ کہہ آئے تھے کہ عزت کے بعد میری عزت حاصل ہو سکتی ہے۔

ہاں عزت حاصل ہوئی لیکن میں کس طرح شرافت سے زندگی گزار سکتا تھا؟ اور دوسروں
کو گراہی سے بچا سکتا تھا؟ یہ پتہ لانا جیسے مجھے نہیں میری ٹیکسی میں اگر بیٹھیں تو میں انہیں نصیحتی شروع
کر دیتا؟ نیک جہانیت خزانے اس دنیا میں بہت ہیں لیکن یہ بھی کہیں نہیں سہجے ہیں۔ پتہ لانا
کو اپنی ٹیکسی میں نہیں بھاؤں گا تو اس کے لئے پتہ لانا کے لئے دوڑنے پھرنے میں پتہ لانا تو بہرے کے
شریفوں کی دنیا میں کسے کہ تو میری کوئی شریف آدمی غیر شریف آدمی ہوا کہ اس کے ایک عورت کی عزت کی
سے ناٹھا اٹھا لے گا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس طرح بات میری بھیم میں آگئی۔ میں آپ کو
سمجھا تا ہوں اور میں اس دنیا کے ہادی اور مصلحین کو بھی سمجھا تا ہوں کہ تم اپنی غلطی سے جو وہ
بدعاشوں اور غلط کاروں کو سمجھا لے ہو۔ وہ اصل میں شریف آدمیوں کو سمجھا لے کر
اس دنیا کی زیادہ سے زیادہ غلطیاں شریف گھرانوں کی فہمیز سے نکل کر پتہ لانا ہے۔
نعم احمد جلد ہی شمشاد کو لے کر میرے پاس آئی۔ شمشاد نے چار رہی کے رٹے کو
اٹھنے دو دن سے پراکھڑی ہو گئی تھی میرے گھر سے کہہ کر رہی تھی۔ اس نے اجہا ہر سرتار
تھا کہ اسے تمام حالات کا علم ہو چکا ہے میں نے اسے دیکھ ہی مڑا لیا۔

”شمشاد! تم اندر آؤ اور میری غیبت کو باہر جانے دو۔ اگر میں بستر سے اٹھنے کے قابل
ہوں تو اسے دیکھ کر گھر سے باہر نکال دیتا۔“

شمشاد اندر نہیں آئی۔ نعیم احمد باہر نہیں گیا۔ اس نے کہا۔

وہ شمشاد سے تو اموں سے یہ تو ہے نہیں دیکھا کہ پتہ لانا میری زندگی سے نکل کر کہاں

پہنچا ہے؟ تو اپنی بہن کو میری زندگی سے نکال کر کہاں پہنچا نا چاہتا ہے؟ اس سانس
میں تیری کونسی عزت ہے کہ تو اس عزت کا تصور اس حد تک نہیں کرے گا کہ اگر حقیقت کی نظر
سے دیکھے تو یہ شمشاد پتہ لانا کی سطح پر زندگی گزار رہی ہے۔ اسے وقت مقرر کی ضرورت نہیں
سبب اڑا پڑے۔ انہوں نے کوئی سبب جو تو ایک شیشی کی جھلک تھا کہ اسے چھپا ہوا تھا ہے۔

اس طرح سیاہ چشمے کے گونے پر سے کاشمیری رومر جا لے کر ہر بات کو چھپانے کے

ایک خوبصورت نقاب کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے میری شوہر بہت جو میری عزت ہے اس سے زیادہ خواہد رت نقاب تیری پہن کو نہیں مل سکتا۔ اچھی طرح سوچ لے تو میں کو کچھ سے چین کروں گی زندگی بہاد کوٹھے کا۔

وہ ہر ڈیڑھ گھنٹہ کا ہر دم ٹمٹمکنے کے لئے بڑی عمدہ تجویز پیش کر رہا تھا۔ یہ بات بھی گھر کی چار دیواری سے باہر پہنچی تھی اگرچہ خاموش رہتا تو یہ راز میںیں دفن ہو جاتا تھا۔ ہم سب سہج کے عزت دار افراد کی طرح پھر سے زندگی گزارنے لگتے۔ میں نے غشا کو سواہر بھر دے دیکھا وہ پہلے درول۔

"مجھے اس رہ پیر سے والا ایک معلم ایک پروفیسر تھا۔ جب تعلیم دینے کے لیے اس کو پر پڑا دیں تو ایک کے بعد دوسری رہیں کھلتی ہوتی ہیں۔ مجھے دوسری راہ کا یہ دھرم ملا۔ یہ میری عمر میں سب سے بڑی کا مطلب بھوٹ اور فرضی ہے تو میرے جسم و جان کا حقہ خد ہے اس کے بعد کسی تیسرے ہاتھ میں نہیں جانا چاہتی۔ میں جہاں ہوں مجھے دینی پڑھنے سے لے۔ یوں بھی اب میں صرف تیری بہن ہوں اپنے کے کی ماں ہوں۔ یہ دنیا والوں کے لیے ناجائز بھی لیکن تم کو بھی اس کے لئے ناجائز نہیں ہوتا میں اس بچے کی زنجیر سے لپیٹا ہوا ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ۔ جو سے تو یہ گھر اور یہ عورت چھوڑ کر چلے جاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ اب ہماری نگاہیں میں کم کم بھٹی بہن کی آنکھوں میں آتی تو حیا ہو کہ وہ بیکار زندگی کے نشیے میں ایک دوسرے کو زندہ رکھیں۔

یہ گھر کروڑ چلا گئی۔ حیا کی بات کہ تم مجھے خیال آیا کہ جس سے وہ دردناک پرانی تھی اس سے ایک بار بھی مجھے اس کے نہیں ملائی تھی اور تب یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ میں ہم گناہ کا کچھتے ہیں وہ جانتے تھے کہ میں تو خود رکھتی ہیں لیکن حیا سے انکھ نہیں کھولتی۔ اتنی بڑی دنیا میں شرم اگر کہیں ہے تو صرف عورت کی آنکھ میں ہے۔



کبھی کبھی میری ٹیکسی جراثیم کا آلودہ بن جاتی ہے اس کے وقت میں گھر وند سے سواری اٹھا کر آگے بڑھاؤ سبیل کے چوڑے پتھر چاروں طرف سے پولیس کی جیپ کا دھن سے میری ٹیکسی کو گھیر لیا۔ پھل میٹ پر بیٹھ ہوتے تین آدمیوں نے ٹیکسی سے نکل کر مجھ کے کاکوشش کی لیکن پکڑنے لگے۔ میری ٹیکسی کی اگلی اور پھل میٹ کے درمیان ایک بڑا سا تھیلہ رکھا ہوا تھا۔ پولیس والوں نے جب مجھے بھی تھمکڑی پہنائی تو پتہ چلا کہ اس تھیلے میں چرس بھی ہے تو اسی میں سے تھانے کا طرف جانے کے دوران بڑی بڑی قسیر کھا کر تین ملائے کی کاکوشش کی کہ میں بھرم نہیں ہوں ان لوگوں کو میں نے پہلے نہیں دیکھا جو چرس کا تھیلہ رکھیں جا رہے تھے۔

ٹیکسی ڈیوڑ کب ایسا ڈاؤر شریف کے جگے جاتے ہیں، کسی نے میری سہائی کا یقین نہیں کیا تھا اس کا پتا اسے آتا ایسا ڈاؤر تھا کہ ان تین بھروں کی بڑی سے بڑی رشوت بھی کام نہ آسکی اس نے ہم سب کی باری باری بیان کر لی۔ جب میرے بیان دینے کے بعد ان کی آواز میں نے ٹیکسی کے ڈیش بورڈ سے میٹر کا سرٹیفکیٹ نکال کر بتایا کہ میں نے دس برس پہلے فرسٹ ڈیوڑن میں میٹر کی پاس کی تھی۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ حالانکہ مجھے ٹیکسی ڈرائیور بنا کر ایک ایسی جگہ لے گئے ہیں جہاں صرف چور بدعاش آتے ہیں۔

تھانے کا پتہ جہاں واقعی شریف آدمی تھا۔ وہ میری تعلیمی صلاحیتوں سے اور میری باتوں سے متاثر ہو گیا۔ اس نے کہا۔

میں ماننا ہوں کہ ماہر لوگ ٹیکسی میں جھانسنے سے پہلے ان کا سامان چیک کرنے کا دستور نہیں ہے۔ ٹیکسی ڈیوڑ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کی گاڑی میں بیٹھنے والے غیر قانونی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں پھر بھی اکثر ٹیکسی ڈرائیور دانستہ بھرموں کا ساتھ دیتے ہیں انڈیا ٹیکسیوں کو جرائم کا آلہ بناتے ہیں اگر کوئی شریف آدمی تھانے شرافت کی ضمانت دے گا تو میں نہیں چھوڑ دوں گا۔ اس وقت تک نہیں حالات میں رہنا پڑے گا کہ ٹیکسی آدمی ہر قسم کے اس کا نام اور پتہ بتاؤ دیں گے یہاں بلواؤں کا

میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ سب تو کیا نام اور یہ کیا فائدہ اس دنیا میں شریف آدمی
 فائدہ دیتے ہوئے ہیں جو کہ جس کی طرف سے گزرتا آیا پہل وہاں کوئی شریف آدمی کبھی
 غصہ یا بدیہی قاتل کے پیچھے سے ات نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ جو بیکار کتا کہ آدمی خود
 شہر تو ہے شریفوں کی صحبت میں جاتی ہے میں نے کہا۔

حاجت میں میں دیا میں تمہا میں میرے دروازے کا بارہ حقہ ٹیکسی میں بیٹھ کر
 پورے گھر پرچہ شہر میں وہ شریف آدمی تھا یا اپنی فیملی کے ساتھ سال ڈیڑھ سال سے
 یہ وہاں رہنے میں ہیں وہ تھا۔ مالک مکان ہزار ہا فوٹوں سے اسے مکان خالی کرنے

یا اسے مکان میں رہنے کے لئے نہیں وہ اپنے مکان کو فروخت کر کے بھڑکتا
 بہت کچھ اس کے لئے تھا وہ اپنے لئے رہتا ہے وہاں ہے کبھی اس کی بیٹی کی شادی کئے
 میں اس کے لئے تھا۔ اسے اسے اسے کہ جب تک ہر ایک مکان اور ایک گھر میں اس کے

اسے یہ وہ بہت تعلقات پیدا کریں اس وقت تک ہم مکان بدو اور حملہ بند کر دیتے تھے
 ان کے وہ شریف آدمی تھا۔ جیسے حالت میں جو ہماری تفرات کے خاتمہ ہو سکتے ہیں۔
 یہ صورت میں اسے نہایت سچنے سے طلب کر سکتے ہوں مجھے سوچنے کا موقع دینے

میں نے اسے سوچنے کے لئے غارت میں بد کر دیا گیا یہ میرے لئے بڑی شرم کی بات
 تھی یہ تو بڑی باتیں یہ سب ہی تو یہ آدمی سے دوستی نہیں کر سکتا تھا اگر دوستی اور
 تعلقات پیدا ہی کئے تو اس نے یہی ترستے پیچھے چھپ جاتی دولت رکھ دی۔ مجھ میں نہیں آتا کہ

وہ شہر والے وہاں میں جو سب سولہ شریف آدمی پہچانے جاتے ہیں؟
 یہ وہاں کے لوگوں کو وہاں کے کھڑے تھا وہاں میں بیلا والے آگئے۔ اس کے ساتھ ایک
 اچھا تواری دوست جو تھا اسے جو انے قاتل کے خراج کو ملایم کرنے کے بعد بیلا دانی

لاہور شہر کو تہہ پہنچا۔
 حاجت میں یہی رہی ہے۔ میرا نام مصحف الدینی ہے۔ ابھی میں لیبیلہ چوک سے گزرا تھا

تو نیوے ٹیکسی ڈرائیور کو آپ گروڈار کو کہہ رہے تھے۔ میری بیوی نے مجھے بتایا کہ شہر سے
 بہت اچھا مکان ہے اس نے ایک بار میری بیوی کو غزروں سے پکایا تھا۔ ابھی ہم اس خیال سے
 یہاں آئے ہیں کہ شاید ہم کسی طرح شہر سے کاہن کا بدلہ چکا سکیں ہم غریب آدمی ہیں وہی
 پیسے اس کی خدمت نہیں دے سکتے۔ جس طرح ممکن ہو یہ یقین دلا سکتے ہیں کہ شریف آدمی
 چری کا دھند نہیں کرتا ہے۔

قاتل کا پناہ دینے چھوڑا۔ "تم کہاں بیٹھے ہو؟"
 "اگر وہ ایک خبر میں"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"ہم ٹرک پر مصلیٰ پکارتے ہیں"

میں نے ایک سہاوی قاتل کا پناہ دینے کہا۔

"سراپ اس علاقے میں نئے آئے ہیں لیکن یہ بیلا دانی اس قاتل میں کئی بار آچکی
 ہے یہ پیشہ کرنے والی عورت ہے ہمارے قاتل نہیں آتا کہ یہ میں نے جو ان سے شادی کر چکی ہے
 قاتل کے اپنا لینے کو کہ بیلا دانی اور مصحف الدین کو دیکھا بیلا دانی نے جلدی سے
 کہا۔

"میں نے پہلے ہی بڑی عورت تھی مگر مدد کی قسم میں چھ ماہ سے ایک خاندان جیوی بن
 کر مصحف الدین کے ساتھ شرافت کی زندگی گزار رہی ہوں اگر میں پہلے کی طرح جوتی تواسی دیر ہی
 سے یہاں نہیں آتی۔ کیا میں نہیں جانتی ہوں کہ یہاں کے تمام سہاویات کے جلتے ہیں یہاں میرا جوت
 پکڑا جا سکتا ہے جو جو میں جوتی نہیں ہوں اس نے اپنے خلاف کے ساتھ آئی ہوں"
 قاتل کے انچاری نے کہا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ شرافت کی زندگی گزار رہی ہو لیکن ہم نہیں جانتے کہ تم کب
 تک مستقل مزاجی سے عزت سے زندگی گزارو گی۔ ابھی تم آزمائشی وقت سے گذر رہی ہو۔

مجھے تعجب ہے کہ اس تعہد کی کوئی ضمانت کسی طرح کا عین وہابی قابل قبول ہوگی تم دونوں
اگر تیس کے کام نہ چاہتے ہو تو کسی ایسے شخص کو لاؤ جو اس معاشرے کا اپنے علاقے کا معترف ہو
شریف امان ہو۔

میں نے معذرت کے پیشے سے معذرتی کو دیکھ - وہ مایوس ہو کر کبھی میری طرف نہ
کبھی مصعب دین کی ویب دیکھ رہی تھی مصعب دین کی نگاہوں کے لیے ہر بار ہی تھی کہ اس نے بھی اس
معاشرے میں کوئی معترف اور شریف ہمارا نہیں دیکھا ہے یہ عجیب سی بات ہے کہ کانٹوں کے درخت
میں پھونکا حرم خود سے سامنے نہ آئے گی میں سوچ کر آجلی اور شفاف کہیں ہوں ہی ہر مہر ہے
میں - وہ کہہ کر اس کو ٹپکے سے دشا دامن دالہ شریف آدمی نظر کوئی نہیں آتا - آخر
شریف دین سے پتہ چلتے ہیں۔

میدر اور مصعب دین وہاں سے اٹھ کر اس معترف آدمی کی تلاش میں چلے گئے میں یہودی
کے متعلق سوچے گا۔ میں نے اسے کبھی منڈوں سے نہیں بچایا تھا وہ خود بخود میرے نگرہ
حصار کا وجود ٹھٹھے کی تھی یہ بھڑک اس نے صرف تمہیں دار کو متاثر کرنے کے لیے جوڑت
کہ وہ پڑھیں کہ یہ کتاب تمہارا ہے کہ وہ مصعب دین سے شادی کر چکی ہے۔

ایک ٹھہر بعد میں نے ملاخوں کے پیچھے سے نعیم احمد کو دیکھا۔ وہ ایک بغل میں
خوف دے اور دوسرے ہاتھ میں ہتھیار کے دستانے کی ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھا۔
ہر بار پکھن کی طرح معید ہاں تھا۔ جو اس کی شخصیت اور کردار کو اجلا کر دے اور باہر تھا
میں نے پیشہ کا دع اور غضب رسیدہ مختصر سی دہائی اس کے شریف اور ایماندار ہونے کا
سرنیفیکٹ میں نے یہ یقین وہ حسب معمول ذریعہ مقدس آیتیں پڑھ رہا تھا میں جین کو
کہنا چاہتا تھا کہ یہاں سے مقدس آیتوں کو چھین کر کلام پاک کو مذاق نہ بنائو۔ کیا
یہ حیات لینے والے تانے بچے کہ ہے جیسا غریبوں کے لئے تانے لگئی ہے؟

مگر میں کچھ دیکھ سکا کہ میری زبان کہتے ہیں اس کے ساتھ میری بہن بھی بننا

ہو جاتی ویسے ہی کی ہم سب اپنے جھوٹ کو ہی ثابت کرنے کے لئے اور اپنی جھوٹ عزت کا برم
دیکھتے تھے خدا کی قسم اور کھیم پاک کہ قسم نہیں کہتے ہیں؟ وہ بھی مقدس آیتوں کو کھرا تھا۔
اس نے ایک نظر بھر پر ڈال - میرے قاتل کے انچارج کو سلام کرتے ہوئے مصافحہ کیا
اس کے بعد ایک کرسی میں بیٹھ کر فاضل کو کوسے جوتے کی

بندے کو شیش نعیم احمد کہتے ہیں۔ خاکداری کے بارے میں پہلے پتے کا لائی ٹی
ممبر وہ اس کے بعد چیز میں رہ چکا ہے یہ دیکھنے پر ہی کا عزت ۔۔۔۔

وہ فاضل سے ایک ایک کا تذکرہ کر دکھائے گا۔ وہ کا عزت بتا رہے تھے کہ وہ

پانچ تھکے کا سبکداری و لاہور غلمس مذہب ہے۔ اس نے چیز میں بننے کے بعد محلے میں پانی
کے ٹپکے لگوانے میں پارٹری اسکول کھولا ہے مسجد کا تعمیر میں حصہ لیا ہے محلے کی ایک آل کو
آج ہی نعیم احمد کہا جاتا ہے غرق اس دنیا میں نیک کام کر رہے ہیں بعد موت میں جانے
کے تمام اہم سرنیفیکٹ حاصل کر چکا ہے۔

ساتھ اہم سرنیفیکٹ دیکھ کر قاتل کے انچارج اس کی شخصیت سے متاثر ہونے لگا
نہ نہ سکا۔ اس نے پوچھا۔

وہ آپ شیدے کو کیسے جانتے ہیں؟

نعیم احمد نے جواب دیا - شیدے کا گھڑہن مسیٹر بیٹے کی شریک جلت ہے
حالات غلطے کیسے ڈراؤر بنایا ہے وہ نہ شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس
پتے میں نے اس کا بہن کو بڑی عزت آبرو کے ساتھ اپنی بہن بنایا ہے۔

قاتل کے انچارج نے مطمئن ہو کر کہا۔

وہ بات شیدے کو پہلے ہی بتا چاہیے تھا کہ وہ آپ جیسی معترف ہستی کا شے ہے

ہے لیکن میں سمجھا ہوں کہ بعض لوگ اتنے خود کو جوتے ہیں کہ بہن اور بیٹی کے مسائل و افوا
کو قاتل کے پھر میں میں بلا کر زحمت نہیں دیتے ہیں بہر حال آپ شیدے کو ساتھ یہاں بھی لگاؤ

کیس میں حبیب بھی شیدے کے طالب ہو، اسے عدالت میں حاضر کرنا آپ کی ذمہ داری ہو گی ؟
فیہم احمد نے ذمہ دار لگائے لی اور میں رہا کر دیا گیا۔ حوالات کے آہنی دروازے سے
نکلنے وقت یہ عقدہ حل ہو گیا کہ اس معاشرے کے شریف آدمی صرف کیریکچر سرٹیفکیٹ میں پائے
جاتے ہیں۔

میں نے فیہم احمد سے بات نہیں کی۔ تقریباً دو برس سے میں نے اس کی اور اپنی بہن کی
صورت نہیں دیکھی تھی۔ میں نے وہ عرصہ چھوڑ دیا تھا مجھے یہ معلوم تھا کہ مجھ سے زیادہ کینڈا آدمی
مجھ سے زیادہ مشہور ہیں بن کر میری مہانت کے لئے آجائے گا۔ مجھے اس کا احسان نہیں لینا چاہتا
تھا اس طرح حوالات میں رہنا چاہیئے تھا مگر اس کج نیت سے تھا نے میں اگر بھی بڑی معصومیت
سے کہہ دیتا تھا کہ میری بہن اس کے گھر ٹیپ ہے ایسی صورت میں، میں اس کی رشت داری سے انکار نہیں
کر سکتا تھا۔ تھا بیدار کے سامنے میرے انکار کو کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔

میں فیہم احمد کے ساتھ تھا جسے میرا اپنی ٹیکسی کے پاس آیا۔ وہاں بیلارانی پچھلی سیٹ
پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فیہم احمد میرے ساتھ سامنے والی سیٹ پر آ گیا۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے
ہوئے پوچھا

”بیلارانی تم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ میرے یہی بہت ہے کہ تم میری
بہن روکی میں بے تک یہاں موجود رہیں۔“
بیلارانی نے خوشی سے ہنک کر کہا۔

اور اسے وہ امیری کوشش کامیاب نہ ہوئی اس شریف مرنے کو میں ہی تو
پکڑ کر لے کر چلا آیا؟

میں نے حیرانی سے عقب نمائیے میں نے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
وہی فیہم احمد کو تم یاد کر لائی ہو ؟

”اسے شیدے! تو نے بھی گھاس کھا لی ہے۔ مجھ جیسی ٹیکسی کے بکاسے سے بھلا کوئی

شریف آدمی گھر سے نکل کر آ سکتا ہے ؟ میں نے معصوم الذہن کو قاصد بنا کر اس کے پاس پیغام
بھیجا تھا کہ تیرا سالا شیدے حوالات میں ہے۔۔۔۔۔

میں نے غصے سے کہا۔ ”جو اس مت کر۔ میں اس بد معاش کا سالا نہیں ہوں۔“
۵۵ بولی۔ ”تیرے انکار کے خلاف حقیقت تو نہیں بدل جائے گی تو گرم کیوں کرتا ہے

چل تجھے سالا نہیں کہوں گی پہلے میری بات تو سن۔ تیرا بہنوئی۔۔۔ نہیں پھر مجھ سے
بجول ہو گی اسے تیرا بہنوئی کہوں گی تو پھر سالا بن جائے گا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ حواس دشمن کو دنیا
والوں کے سامنے کن دشمنوں سے پکارا جائے ؟ میں یہ کہہ رہی تھی کہ یہ سالا فیہم تیری ضمانت کئے
بیاب آئے جسے انکار کر رہا تھا یہ

فیہم احمد نے عاجزی سے کہا۔

”دیکھ بیلارانی! میں عزت دار آدمی ہوں اس لئے گال نہیں دے۔ کیا تو میری عزت ہانت
ہیں کر سکتی ؟“

”کیا تو میری طرح تھکے آگیا تھا ؟ میں نے معصوم الذہن کے ذہن سے دھک دی تھی کہ
شیدے کی ضمانت نہیں لے گا تو میری تیری پرمانی کا پول کھول دوں گی حملے والوں سے کہوں گی
کہ وہ تیرے جوان بیٹے کا معائنہ کر لیں اور اس حقیقت کو سمجھیں کہ بیلارانی اور شش وکی نمود میں ایک
ایک بچہ کہاں سے آیا ہے ؟“

میرے منہ پر میرا ایک بار طعن پڑا۔ بیلارانی کے ساتھ میری۔۔۔ بہن کا نام آ رہا تھا
میں نے ایک جھٹکے سے ٹیکسی روک دی۔ پھر اپنا سر اسٹیرنگ پر ٹیک دیا کیونکہ میرا سر جھکا ہوا تھا
جو کسی لئے میدان سے رشتے قائم ہو چکے تھے۔ میں اٹھ کر کہاں تک جھٹکا سکتا تھا میں ایک عزت دار
بد معاش کا سالا کہلانے سے انکار کر سکتا تھا لیکن بیلارانی اس سچال سے انکار نہیں کرنا پڑتا تھا
کہ اس کی بیٹی اور میری بہن کامیاب آپس میں سو تیے بہن بھائی ہیں اور ایک ہی فیہم احمد کی اولاد ہیں۔
فیہم احمد نے ہم دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔

”خدا کیلئے مجھے جسے دو میں یہاں سے رکھنے میں چلا جاؤں گا۔ تم دونوں کے ساتھ بیٹھ کر مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس دنیا کا سب سے ذلیل انسان ہوں۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس سے تو یہاں کر سکتا تو یہ کروں گا تو شمشاد وہ بے نیلے سے رشتہ توڑنا ہوگا۔ رشتہ توٹنے کے بعد شمشاد میرے ٹکڑے ٹکڑے کی تو میں دیا داؤں کو کیا کہوں گا کہ میری بہو کہیں جا رہی ہے؟ کیوں جا رہی ہے؟ کس کا بچہ لیکر جا رہی ہے؟ خدا کیلئے تم دونوں میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مجھے بے غیرت بن کر نیک نام بننے دو۔“

میں نے دروازے کی طرف اُٹے روڑے سے دھکیلتے ہوئے کہا۔

”جا، جاگ یہاں سے۔ ذلیل کیلئے انہ میری کوئی بہو ہے۔ نہ تجھے میرا کوئی رشتہ ہے تو صرف بیلا رانی کی دھمکی سے گھبرا کر میری ضمانت کئے آیا تھا۔ جا اب یہ تجھے دھمکی نہیں لے گی۔“

وہ دروازہ کھول کر جہنم دگا تو میں رانی نے کہا۔

”دھمکی کیسے نہیں دوں گی؟ تیرے۔ جب بھی عدالت میں تیری پیش ہوگی، یہ اتنا کچھ تیرے فاضل کی حیثیت سے فرو دئے گا۔ نہیں آئے گا تو اس کی ترافت کی ایسی جیسی کر کے رکھ دوں گی۔“

”وہیں آؤں گا تو جب بھی بدلتے گی میں چلا آؤں گا۔ اس نے غرور کرنا کہا۔ مگر تو میرے غمخیز بننا۔ خدا کیلئے میری عزت رکھ لینا۔“

وہ عزت کی ہیک ان سے نہ بکھڑا ہوئے عزت تھی میں نے بیٹھنے کے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے پیچھے چھوڑا ہوا آئے بڑھ گیا۔ بیلا رانی سے کہا۔

”شیشے! اتنی زندگی گزرنے کے بعد بیکھر میں نہیں آنا کہ کیسے زندگی گزاریں؟ کس سے جنت کریں اور کس سے نفرت کریں؟ کس کی عزت کریں اور کس کی بے عزت کریں؟ میں نے جھنجھلا کر نعیم احمد کی وجہ عزت کی کہ ہے۔ اس میں گھوکھلا پن ہے کیونکہ میں بالواسطہ اس کی عزت

کرتی ہوں یعنی اس کی رانی ہوتی ہے تو میرے پاس ہے میں اس کی بیٹی سے جنت کرتی ہوں۔ میں اس کے شریف خون کو باز میں نہیں لاسکتی وہ میری بیٹی ہے میں اسے عزت ابرو سے دہیں بنا کر دھخت کرنا چاہتا ہوں۔ سوچا ہونے تو میں اس شیشہ کی عزت کا بصرہ کھینچا ہوں سوچا چاہتا ہے تو تو بھی میرا ہاتھ سے بہن کی خاطر گریباں نہیں دے سکتا۔ دنیا کا ملک کے مدفنے اس کی عزت کرنے پر مجبور ہے ہم لوگ جو عزت ملے اس میں اس طرح دوسروں کو عزت دے دیتے ہیں۔ عزت کی بات آتی تو مجھے خیال آتا کہ اب وہ بھی عزت کی زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی ہے میں نے اس سے پوچھا۔

”کیا حق تو نے مصطفیٰ الدین سے شادی کر لی ہے؟“

”ہاں شادی تو ہو گئی ہے مگر حق تو گنہگار ہے نا میں عینیت سے نہیں کر سکتی۔“ اس بات کا مطلب کیا ہوا؟

”مطلب یہ کہ مصطفیٰ الدین کے ماں باپ بگے ہو بننے کے لئے راضی نہیں تھے اس کا باپ بیت دو لوند ہے پھلوں کا شکر برپا ہے مصطفیٰ الدین بھرے جان دیلا ہے جب اس نے ماں باپ کی بات نہیں مانی تو اس کے گھر سے نکال دیا گیا۔ وہ میرے عشق میں ثابت قدم نکلا۔ اس نے جنت نہیں دی۔ اس میں یہ عرصہ اس نے بیکر بیکر کیا کہ میں نے پانچ دھڑکے سے تیرے کر لی تھی۔ میں اپنی ران کی موند کے ساتھ ایک دو وقت کے غافلہ کرتی تھی مگر ایک کاش میں گھٹسے نہیں نکلتی تھی اگر ایک عورت پانچ مرد کے ساتھ ملتی تو پچھلے لہجے سے تو بہ کر لے اور آئندہ پارسا اور وفادار بن کر رہے تو مرد پانچ عورتوں سے، لیکن سے اہل تھلا سے اپنے گھر کی جنت آباد کر لیتا ہے۔ مصطفیٰ الدین اپنے گھر سے کچھ پیسے بیکر نکلتا۔ اس نے اپنی بیویوں سے پرانا ہنرہ خریدا ہے اور فٹ پاتھ پر میل بیکر کرنا ہے۔ ہم نے اس کی ایک کمرے کا مکان کر لے کر دیا ہے اس گھر میں میری بیٹی مونا کی معصوم باتیں ہیں اور میرے محنت کرنے والے مرد کا پیار ہے۔ ہاتھ شیشے میں ہیں نہیں کر سکتی کہ۔۔۔ جب وہ دن بھر کی عزت

کی لائی لاکر میری تحصیل پر رکھتا ہے تو میں اپنی ہی نظر میں کتنی سحر ت واری ہوئی بن جاتی ہوں ؟
 میں نے تو اسے یہی پرچا کر تو اس کی پوری بن چکی ہے یا نہیں ؟

”ہاں۔ ایسا بڑی سے ہی چکی ہوں مگر کسی ایمان والے قاضی نے میرا نکاح نہیں
 پڑھایا۔ وہ کہتا تھا کہ پہلے اپنے والد باپ کو یا کسی نزدیک کو ساتھ لاؤ مگر اس کے بازو کاٹ
 پاتھ کی عورت کو اپنی بہن میں مانا جیتے تھے ہم ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد
 تیسرے قاضی اور مولوی کے پاس گئے لیکن سب یہی سمجھتے تھے کہ مصباح الدین بکھ کیس سے
 بوجھ کر لایا ہے اور چوری چھپے نکاح پڑھنا چاہتا ہے انہوں نے کہا کہ پہلے کورٹ سے
 اجازت حاصل کریں، جب اجازت مل جائے گی تو شرعی طور سے نکاح پڑھا دیا جائے گا۔
 کورٹ میں جانے کے لیے وکیل کی ضرورت تھی اور وکیل کے لیے فیس کی ضرورت تھی۔ ابھی
 مصباح الدین سے پھل بیچے کا چھوٹا سا دار بار شروع کیا تھا۔ اتنے پیسے حاصل نہیں تھے کہ ہم
 وکیل اور عدالت کے چقرم پرستے۔ جب ہماری سمجھ میں نہ آئی تو ہم حکم صادر کر گھر میں آجیتے۔
 میں نے مایوسی سے کہا۔

”مصلیٰ اکیا یہ دنیا نہیں چاہتی ہے کہ میں شریف عورت بنوں ؟

وہ سخت سے بول۔ ”نہیں مصلیٰ، اللہ تعالیٰ حسب اپنے نیک بندوں کا استحقاق
 ہے تو انہیں ایسی ہی آزمائشوں سے گزرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔
 میں تو بڑی سے بڑی آزمائشوں سے گزر چکا ہوں گی مجھے اپنی پرہیزگاری نہیں ہے۔
 تیری فکر ہے۔ قریباں ایک ہی کمرے میں مجھ سے رہا اور سوتا ہے۔ نہیں، سوتا نہیں ہے
 رات بھر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہتا ہے مگر کلاس سے پہلے میرے ساتھ سونا گاہ سمجھتا
 ہے۔ یہ تو ملتیں جاگ جاگ کر سارے بچتے گا۔ آدمی کو تاں بھی شریف نہیں ہونا چاہیے کہ
 کسانے کی پلیٹ سے غصہ رکھ کر جو کچھ پیٹ کر میں دلتا ہے۔
 ”مگر مصلیٰ، یہاں کا نا احرام پڑتا ہے۔“

وہ تو کسی طرح مجھے حلال کرے۔۔۔۔۔

”مجھے گہری نیند سے جگنے لگا۔ سوچنے لگا۔ میں کی گاہوں میں دیکھ کر حلال کرنے
 کی شدید خواہش تھی۔ اس نے اپنی خواہش سے جو رو کر کیا۔

”مجھے حلال کرنے کی ایک ہی ترکیب ہے کہ میں خودی دو جاہل غریب غنی بن جاؤں
 خداوند کریم مجھے نکاح آگاہ ہوگا شرافت کی زندگی گزارنے کیلئے ایک بیتی ہے جو کام کر
 وہ خدا کو منظور ہو جائے۔ بول اس طرح نکاح قبول کرے گی۔“
 ”ہاں ہزار بار قبول کر دی گی۔“

”ہزار بار نہیں قبول تین بار۔“ قبول۔ کیا ہوگا۔ چلے آؤ گے۔
 ہم دونوں نے وضو کیا۔ ہاتھ کر کے گا ایک دیوار پر کعبہ کا سمت قرآن مجید پڑھنے
 لگے۔ ہم نے میں، ہم لاہور میں کعبہ کے چٹے مصلیٰ اتین جاہل غریب غنی بن جائے گی۔
 سو وہ فاتحہ اور چاروں تسلی اپنی طرح پڑھی، ہمیں پڑھنے کے بعد بھی نہیں۔

”بائی زیب النساء، طرف بیٹا مائی، مصلیٰ اتین دو حسین الدین تھیں اپنے نکاح میں
 بعض دین بہر۔۔۔ اسے دہائی تو یہ پوچھنا ہی نہیں کہ ہر ایک رقم کتنی ہوگی ہر وقت
 میرے پاس سو سو روپے ہیں۔“

میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ”میرا ریت بڑھ چکا ہے۔
 وہ ایک دم سے چمک کر کھڑے ہوئے۔ ”میرے کھڑے ہوئے کھڑے ہوئے کھڑے ہوئے کھڑے ہوئے
 وقت ایسا نہیں گھنٹا چاہیے۔ میں نے خاموشی سے کہا۔
 ”مصلیٰ، یہ صاف کر دے۔ پتہ نہیں کہ میری زبان پر کچھ آگئی تھی کہ میری
 رقم بڑھ چکی ہے۔“

اس نے کہا۔ ”لیکن میں نے یہ بڑھ چکا ہے صبح دس بجے تک نہ کھائی۔
 ”میں میری اس رقم سے طاقن سے آؤں گی۔“

”نہیں بیلا از میں عورت کی کمائی کھاتا ہوں اور نہ ہی میں تجھے دی ہوئی مہر کی رقم
داش کے لئے واپس لوں گا۔ شادی سے پہلے وال روٹی کی فکر ضرور کی ہے۔ یہ پیسے داش کے
لئے رہیں گے۔“

”اگر نقد رقم نہیں ہے تو مہر حقیقی کی کیا ضرورت ہے جو توڑا دیا جاتا ہے ایسی مہر
موجوں ہونا چاہیئے میں جب میں مطالبہ کروں گی تو مجھے وہ رقم ادا کر دینا۔“

”اور جو نہ۔ میں شادی کی پہلی ہی رات عورت کے پیسے اپنے فتنے رکھنا نہیں چاہتا
شرح عورت کے مطابق انسان کی حیثیت دیکھ کر مہر کی رقم مقرر کی جاتی ہے اس وقت میری
حیثیت نقد رقم کی صورت میں نہیں بلکہ مال کی صورت میں یہ پل وغیرہ ہیں ان میں کچھ پھل
میں تیرے مہر کے لئے مخصوص کر دوں گا پھر تیرے حق کے پھل جیسے جیسے فروخت ہوتے
رہیں گے، میں ان کے پیسے لاکھتے دیتا رہوں گا۔“

میں نے یہ بات منظور کر لی۔ پھر اس نے نکاح پر بھڑکتے ہوئے کہا۔

”والا بنیب النساء، عارف بیلا رانی ای تم مصلح، دین ولد معین الدین کو اپنے نکاح میں
بمومن ایک درجن ملے، ایک سیر سیب اور دو درجن کیلے بطور مہر معقول قبول کرتی ہو؟
کہو میں نے قبول کیا۔“

میں نے تین بار قبول کی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے وہاں سے اٹھایا اور اپنے
بستر پر لاکر بٹھایا پھر اس نے اپنی انگلی سے سائین لیس سائین کی انگلی نکال کر میری انگلی میں
پینائی اس کے بعد گھونگھٹ اٹھا کر میرا چہرہ دیکھا۔ مجھے پیار کی اور مجھے اپنے پیٹ سے
لگا لیا اتنی لمبی عمر گناہ کے بعد پہلی بار ایک سیٹھ مر دے مجھے زندگی کی سستی مستر تھی دیں
خدا کی قسم یہ دنیا، اس لئے خوبصورت ہے کہ ابھی یہاں مصلح الدین جیسے اصلاح کرنے والے
اور زنت کی عادی ہوئی عورتوں کو عزت دینے والے موجود ہیں۔

”شیدے! میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ دنیا والوں کی نظروں میں ہمارا نکاح سہ چکا

سہ چکا نہیں مگر میں مطمئن ہوں کہ اس نکاح کے بعد میں اپنی بیٹی کے ساتھ ایک شریف آدمی
کی پناہ میں آگئی ہوں۔“

میں بیلا رانی کی باتوں سے اور مصلح الدین جیسے اصلاحی جذبہ رکھنے والے نوجوان سے
بے حد متاثر ہوتا ہوں۔ میں نے کہا۔

”بیلا! تم نے یہ اچھا کیا کہ مصلح الدین سے شادی کر لی۔ اس طرح تمہارے زیادہ تر
بیٹی سونا کو تحفظ حاصل ہو گئی ہے۔ جب وہ جوان ہوگی تو مصلح الدین کی سرپرستی میں کوئی اسے
غلیظ نظر میں سے دیکھ نہیں سکے گا۔“

”میری مونا بہت اچھی ہے بہت خوبصورت ہے ابھی چھ برس کی لڑکی ہے مجھے اس کی
فکر کھانے جا رہی تھی، اب تمام فکر دل سے اٹا دوں۔ میں سر جاؤں گی، اب بھی مصلح الدین
باب بن کر کسی شریف گھرانے میں آسکے گا۔ میرا آخری تنہا ہی ہے کہ میری لڑکی رانی کو ایک
اچھا گھر اور ایک اچھا شوہر ملے۔ تم اسے دیکھو گے تو اس پر بڑیا دے گے گا۔ کیا تم میری لڑکی رانی
کو دیکھو گے؟“

”وہاں میں اس معصوم کی کو ضرور دیکھوں گا۔ جس کی حفاظت کئے کہ نہ مار
نزدک سے تو بہ کر لی ہے اور اس بچی کے اطراف شرافت کی مضبوط دیواریں کھڑی کر رہی ہو۔
اس لئے تو میں اس کی شکل طرف جا رہا ہوں۔“

بیلا رانی نے حیرت سے کہا۔

”ارے ہاں! مجھے تو باتوں میں یاد ہی نہ رہا کہ تم میرے ہی گھر کی طرف جا رہے ہو
میں نے مصلح سے کہہ دیا تھا کہ وہ گھر میں رہے یہ مجھ کو مونا یاں اکیلے ہے یہ سوچ کر کتنی خوشی ہوتی
ہے کہ میری بیٹی کی حفاظت کئے کہ اس کا ایک باپ موجود ہے۔“

وہ مجھے اپنے گھر لاکر رہنے بلانے لگی۔ پانچ منٹ کے بعد میں نے اس کے گھر کے سامنے
ٹھیکسی روک دی۔ مصلح الدین نے باہر نکال کر میں دیکھا اس نے میری سلامتی پر ہلکا سا دھڑکتے

ہوئے مصافحہ اور گھر کے اندر لے گیا وہ ایک چھوٹے سے کمرے اور چھوٹے سے آئین کا
گھر تھا اس گھر میں چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں تھیں اور جو سب بڑی چیز تھی وہ مونا کو بیاتھا
وہ معصوم بچی ایک چارپائی پر سو رہی تھی۔ وہ صرف چھ برس کی تھی مگر قد میں ماں کے
کا ذکر کے برابر ہو کر آ جا رہی تھی۔ بچے یوں بھی معصوم ہوتے ہیں مگر فیڈ میں اور بھی معصوم نظر
آتے ہیں یہ ان کی زندگی کا وہ دور تھا جسے وہ ان کے خوابوں میں صرف پیریاں اور شہزادے
تھے ہیں اس پر وہ گاکوئی میدان معصوم خوابوں کو مروج نہیں کرتا۔ میں تو بڑی دیر کے لئے زندگی
کی تمام حد فتر سے نکل کر ایک ایسی خوبصورت دنیا میں آ گیا تھا جہاں صرف نئی نسل کے نئے
منوں کا معصومیت ہوتا ہے۔

میں وہاں بہت دیر تک ٹھہر کر باتیں کرتا رہا۔ ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر چائے پینے کے
بعد میں بے حیدریت سے بیٹھے نکال کر خوابیدہ مونا کی مٹھی میں رکھ دیے اور میلا مانی سے کہا۔
"یہ صرف تم دونوں کا نہیں میری سہیلی ہے مجھے بناؤ کہ یہ کس اسکول میں پڑھنے
کا لئے لے لی ہے میں روز صبح یہاں آیا کروں گا اور اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر اسکول پہنچایا کروں
گا یہ اسکول کسے کپڑے پہنے گا اس کے ٹی بے میں نی کی ہیں ہوں گی اور ہم تینوں ملکر اسے
ایک نئی اور صاف ستھری زندگی کا درس دیا کریں گے"۔

بیدار کے آنکھوں میں آنسو آئے وہ آنسوؤں کی جھللاہٹ میں اپنی بیٹی کے روشن
مستقبل کو دیکھ رہی تھی اور اس کے مستقبل تک جو راستہ گیا تھا اس راستے کو آنسوؤں
سے دھو رہی تھی۔



کبھی کبھی بڑی ٹیکس سیاست کا اٹھارہ بن جاتی ہے۔ ملک کے ایک سرے سے دوسرے
سرے تک پہنچے ہوئے تھے جیسے جلوسوں کی ہنگامہ آرائیاں کا وہ بار زندگی کو معطل کر دیتی
تھیں شاہراہوں اور گلیوں کے نقشے بدل گئے تھے جہاں زندگی کی رونق تھی وہاں ماسی زندگی

کو ختم کرنے کے لئے گولیاں چلائی جادو کی قیس۔ تیس برسوں میں کتنے ہی بار انقلاب آنے اور عوام
کی حالت بہتر بنانے کا قریب دیا گیا مگر فریب کے ساتھ ساتھ گولیاں بھی چلائی گئیں اب پورے
انقلاب کے لئے چرخہ روشن کئے جا رہے تھے اور یہ چرخہ اس غیر جوں کے ہوئے روشن ہو رہے تھے
یوں کہ سڑکی پر وہی مائے جا رہے تھے اور کرفیو کے اوقات میں آمدنی اور مائیں کے بغیر وہی
بھوکے سر پہ تھے جنہیں کھانے کے لئے کھانا تھا وہ اپنے گھروں میں مائیں کی بائیاں
جا رہے تھے جنہیں کھانے کے لئے کھانا تھا وہ اپنے گھروں میں مائیں کی بائیاں
جا رہے تھے وہ کرفیو کے منبری موانع کو اور حل لینے کے لئے سڑکوں پر پہنچ گئے کسے تھے
دیانت داری سے انقلاب لاسنے کے کم تھے اور کرفیو بڑھانے والے کیا وہ تھے یہ بات
لوگوں کے سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ انقلاب لاسنے سے پہلے عوام کے ذہنوں میں تعمیری انقلاب
لاسے کی ضرورت ہوتی ہے جب تک مغربی اور جہالت سہنے گی اس وقت تک کوئی بھی
نظام سچیائی سے قائم نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔

یہ نہ بھی موقع سے ذمہ دار اپنی ٹیکسی کا میٹر خراب کر دیا تھا کیونکہ ان دنوں
لوگ حواس باختہ تھے جیسے کے دوران ادھر سے ادھر جا رہے تھے اور مجھے مذاق
کرایہ دیتے تھے میری ٹیکسی میں دونوں طرف کے پاسی کارکن واقف تھے اور ایک جگہ
سے دوسری جگہ جاتے تھے اور تمام راستے میں تقریر کر کے انھیں گھنٹوں کو تھمتے پھر آپس
میں بحث کر کے دو دواں جھڑپے میں پڑ جاتے تھے کہیں کس پارٹی کے ساتھ ہوں میں ایک ناخدا ہوں
جو سوویوں کو لینے کے سزا دے گا مگر ساحل پر پہنچا ہے میں کرائے کے مسئلے میں توڑی
میں بے ایمانی تڑپوں مگر انہیں منجر ہادی میں کبھی ٹوٹا نہیں میں نا پنے ہی جیس میں کس پارٹی کے
ساتھ تھا جو میری طرح توڑی کیا ہے ایمانی جو لیکن اتنی ایماندار ہو کر عوام کے جان و مال کے
ساتھ اٹھیں بغیریت ساحل پر پہنچا دیا کرے۔

اگر میں پہلی مدت پر بیٹھے والوں سے یہ بات کہتا تو وہ میری پشت میں چھرا گھونپ

ہیتے وہ صرف یہ مٹا چاہتے تھے ان کے سامنے آنے والا ہر شخص ان کی پارٹی کا تھا
 دیے والا ہے۔ پس ٹیکسی کو سد مت رکھنے کے لئے، وہ اپنے جسم کو توڑ پھوڑ سے بچانے کے لئے
 جو پارٹی سوائی بن کر میرے سامنے آتی تھی میں اسی کا ساتھ دے گا ورنہ کتنا تھا موقع عمل کی
 مناسب سے کامیاب لیڈر کے وعدوں کی طرح میرے وعدے بھی بدلے جاتے تھے
 اتنی بات کے باوجود مجھے نقصان نہ پہنچا ایک دن میری ٹیکسی ان ہنگاموں کی صف میں
 روک سی پادریوں کے ٹکڑوں کے درمیان میری ٹیکسی گئی تھی۔ میں نے وہاں سے ٹیکسی نکال
 یہاں کے بہت کوشش کی مگر میں خود پتھر کی زد میں آئی۔ مجھے مجبوراً ٹیکسی سے نکل کر
 بھاگنا پڑا۔ میں پوئیس کی طرف سے لائیں چارج شروع ہو گیا۔ لوگوں کو دھمکانے کے
 لئے ہونے والے بھی کئے گئے ڈرننگ کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی تھوڑی دیر بعد جب میدان
 صاف ہو تو میں نے دیکھا ایک جلتی ہوئی دکان کے سامنے میری ٹیکسی بھی جل رہی تھی۔

میرا ہنگاموں میں کس طرح ٹ جاتے ہیں یہ میرے لئے کا منظر دیکھ کر سمجھیں
 آئندے میں سے اس رس پیپہ وہ ٹیکسی قسطوں پر ملتی ہوئے آٹھ برس تک میں
 اس قسطیں مڑا، قسطیں ادا کرتے کرتے وہ ٹیکسی کھارہ بن گئی تھی وہ چار پرٹی
 تھی میں اس کا علاج کرتا تھا وہ میں سوجاتی تھی میں اسے تھلا، تھلا وہ روٹھ جاتی تھی میں
 کا جانے میں ہے جا کر سے مٹا تھا کوکھتا تھا میں پر خرچ کرتا تھا ایک نخر مل بیوی کی طرح
 وہ رٹھنے کی، دین دیکھا کہ میری جیب سے پھار پائی کرتی تھی وہ جیسی بھی تھی، میری تھی
 مگر میری نہیں رہی تھی میرے سامنے اس کی جلی ہوئی لاش پڑی تھی۔

میں نے اس کے قریب جا کر دیکھا وہ ہر سے، دروازے سے اس قدر جل گئی تھی کہ اب
 وہ موت کے قابل نہیں رہی تھی اسے موت کرنے کا مطلب یہ تھا کہ میرے سامنے سے
 سے ایک نئی ٹیکسی مٹا دیتی یعنی سے دوبارہ مرگ پر لانے کے لئے کم از کم دس ہزار
 روپے کی ضرورت تھی میں وہاں سے ہر بھاگ کر ایک کبڑے کے پاس پہنچا کبڑے سے اس کا

سوا کرتے وقت میرا دل رورہا تھا۔

کبڑے نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس آہنی ڈھانچے کی قیمت اتنی کر دی کہ میں
 نے اسے چھ ماہ تک نہیں سمجھا دو گھنٹہ کے بعد جب میں اس ٹیکسی کی طرف واپس آیا تو اتنی
 دیر میں وہ ادھی رہ گئی تھی جو کبڑے کا کم کے رہ گئے تھے وہاں میں کھول کر کے گئے تھے اب وہ
 ایک بوڑھی عورت کی طرح تھی کھوکھلی چوڑی تھی کوئی اس پر نظر نہ پڑتا تھا گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔
 اسے فروخت کرنا تو دور کہ بات تھی میں نے قبل کو اسے ایک لاکھ عمارت اور اسے مرگ پر چھوڑ
 کر آئے تھے بڑھ گیا۔

میں بہت دیر تک ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کہاں جاؤں؟
 کیا کروں؟ میں شربتوں سے پوچھا چاہتا تھا کہ وہ میری ٹیکسی کو جہاں کر اور میرے منہ سے دو
 روٹیاں چین کر کونسا غلاب لانا چاہتے ہیں یہ وقت اور یہ پہلے گزرا جائے گا کوئی نہ کوئی
 ہارٹی اقدار سنبھالے گی مگر امن وامان کے بعد کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ غریب اور غریب
 ہو گئے ہیں اور بگاڑی ہے حیاتی اور کرپشن اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔

میں بھٹکتا ہوا میدان کے دو خانے پر پہنچ گیا۔ ان دونوں پر گھر کے دروازے پر سنا
 چھایا ہوا تھا۔ اس دروازے پر بھی موت کی کسا خوش تھی۔ اب پہلے میرا گاڑی کی آواز سن کر
 مونا دوڑتی ہوئی دروازے پر آ جاتی تھی کسی میرا ہاتھ پکڑ کر گھر میں سے جاتی تھی کبھی سکون کا کہیں
 اٹھائے میرے پاس ٹیکسی میں اگر بیٹھ جاتی تھی۔ جب سے وہ بھی میری ٹیکسی میں بیٹھے تھے تھے
 میں نے فٹ پاتھ کی ٹیکسیوں کو بھی سیٹ پر بیٹھا چھوڑ دیا تھا مسلسل دو برس تک میں نے کسی بگاڑ
 عورت کا چہرہ نہیں دیکھا صرف اس معصوم بچی کا چہرہ اچھی نظر دیکھا۔ ہا جو میری صلیح الدین اور
 بیلا مال کی بیٹی تھی۔ ہم تینوں اس معصوم بچی کی حفاظت کرتے تھے اور وہ بچی ہم میں ایک صاف شہری زندگی
 گزارنے کا جذبہ پیدا کر رہی تھی۔

اس روز مونا دروازے پر نہیں آئی کیونکہ اس نے دروازے پر گاڑی کی آواز نہیں سنی تھی

دو بھئی روزی کا در بعد میں ایک معصوم بچی کو اپنی طرف بلانے کا پل تھیرنا کھلونا تھا جس سے
میری بھئی اور میں نے اس کا کھونا چھین لیا تھا میں دو روہ کھول کر امداد چلا یا ۔ شام کا وقت تھا
کہ میں دو روہ میں تیار کی بھیل ہاتھی ایک چار دیوڑی پر مسلح الدین بیٹا ہوا تھا اسی چار دیوڑی کے
میں سے یہ بونا سر جھانکے یعنی ہونہر تھی دو روہ سے پر اہٹ ہوئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا کھانے دیکھنے پر
وہ دو روہ بولی اور دو روہ بولی کر کھڑے ہو گئی ۔ پھر دو روہ کے درمیان سسکیاں لے کر کہنے لگی
اور چاہتی تھی بہت درد مند رہے تھی صبح سے گئی ہیں ابھی تک نہیں آئیں
تو چپ چاپ پرے سے بیٹھ کر دیکھ رہی تھی کہ وہ کب آئیں گی کہ وہ کب آئیں گی کہ وہ کب آئیں گی
ہی اسی اس اندھ سے میرے پاس آئے تھے جسے بہت سے لوگ بھی جی ماننے کے لئے کہے چاہا ہی
اپنے کھے چور کر کے جاتیں ہی بہت خرس میں تھے چور کر کے جاتی ہیں
بعد وہ روپائی نو مہرے کا روٹ بیک کئی تھی مگر ہمارے دو پیاسے خائے دیو اور
سے بہت دور ایک محصور ہو کر بھولی گویا مار کھاتا وہ یا تو کھوکھری چار دیوڑی میں رہتی تھی یا
میرا بھئی میں بیٹھ کر اسی وقت جاتی تھی اس کے آگے جو رہتا ہے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا ۔ میں
وہ سے پیشے میں کے سر کو بھلا ہوا اور چھو کو قہقہے ہوتی ہیں دیتا رہا پھر میں مسلح الدین کے
قریب زد دینے سے پرکھ کر کئی طرح پر ہوا تھا ۔ سنے صوف دیوے گھا کر گئے دیکھا
میں کے ہونٹوں پر چھینکے ہوئے مسکرتی تھی میں نے خیریت پوچھی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا ۔
مونا نے ۔

”تو بہت بیمار ہیں باتیں ہیں کر سکتے ہیں“

”کھجے بیمار ہیں“

”جب سے رہہ لٹ لٹا گیا ہے باہر لوگ لوٹتے ہی ہیں اور مارے ہی ہیں“

وہ میں جانتی تھی راس ٹھیک رہا وہی دیا میں کہ ہر روز ہے اس کے لئے وہ آفصل
سے کھے کھتے نہیں مگر میں نے پوچھا ۔

”تم نے کیا کیا ہے؟“

”چاہا ہی کھانے کے لئے نہیں ہے خود وہ میرے پیوی بھی کھانے کے لئے تھا
سے ابھی ابھی کھاتے ہیں ۔ صبح اسی کھڑی تھیں کہ وہ آپ کو ہی جاد ہی کیا ہے
بھئی سے لیکر اسی کی ۔ آپ تو اسے ٹھوکر دے دیں ایک نہیں آئیں ۔
میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ۔
”فکر کر دینے میں ابھی تھک رہی ہے کھانا اور کھانے دو روہ کے کرتا ہوا تم
والی دن روشن کرو نہ میرا ہوا ہے“

یہ کہہ کر میں نے دو روہ کے کھانے کے برتن لیا اور گھر سے باہر چلا گیا تھوڑی دیر بعد
کیا سب روپیاں اور دو روہ کے روپے لے کر توڑ ڈال نظر آئی ۔ وہ آگے آگے جا رہی تھی
اور میں پیچھے تھا میں نے آواز دیا چاہا تھا ۔ اس وقت وہ اپنے گھر کے دروازے میں داخل ہو گئی
جب میں دو روہ سے کھرب پیچھا تو اندر سے اس کا دروازہ کھلی ۔ وہ مونا سے کہہ رہی تھی
”میں تھک رہی ہوں چاہا ہی تھے ۔ کھانا لے کر دھیر دھیر پیسے دیے ہیں دیکھو
میں تھک رہی ہوں کئی چیز لے کر آئی ہوں“

اس کا باتیں سننے ہی میں دو روہ کے باہر ٹھٹھک کر کھڑ ہو گیا وہ جھونک رہی تھی کہ
مجھ سے محفلت ہو چکی ہے اور جو پیسے اس کے پاس تھے وہ میں نے اپنی شے تھے ہر وہ کہاں
سے لائی تھی ۔ مونا کا آواز سنائی دیا ۔

”اتنی کتنی مادی چیزیں ہیں چاہا ہی بھی میرے لئے کھانا اور تو کھانے دو روہ
لے گئے ہیں“

”آؤ ۔ اس کا گھبراؤ ہوئی میں آواز سنائی دیا ۔ کیا شہید ہے یہاں آیا ہے؟“
میں کمرے کے اندر آئی ۔ بیلا لالیک دم سے گھبرا کر کہیں نہ کہیں اور کبھی مسلح الدین کے کھانے
میں کھانے نہ لیاں بند تھی مگر کان کھٹکتے تھے وہ سب کچھ سن چکا تھا اور بہت کچھ سمجھ چکا تھا ۔ اس کے راسک

جس میں ایک بلیوں میں سے کسی نے تھوڑی سی دھچک دینے سے بھاگ کر رہا تھا یا راک اور قنات
کے بل بوتہ پر اس کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہو گیا تھا۔ تنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آتی نظر آتی
تھیں پھر ایک جھلک سے اسے سر ہٹا کر خون کی تھک کر دی۔ میلانی جیتی ہوئی اس سے پلٹ گئی
”ہیں بھلے اتم مجھے سلاطین سمجھو میں حرام کے پیلے نہیں لاتی ہوں۔ میں نے یہ
پیسے شیدے سے ادا کر دیتے ہیں۔ شیدے تم جیسا تم کوں کھڑے ہو؟“

وہ مصعب الدین کے پاس سے دوڑتی ہوئی میسرے پاس آئی اور بے جھجھوڑتی چلنے لگی
”شیدے کا عیش زہر سے ماز کر رہا ہے پیسے تم نے دیے ہیں۔ تم نہیں بولو گے تو
میری دیانت جلنے لگی۔ یہ کنی، خون کے تھک کر چکا ہے۔ ڈاکٹر سے کہہ دے کہ اس کا مکمل علاج
میں ہو گا تو یہ۔“

وہ میسرے پاس سے دوڑتی ہوئی پھر مصعب الدین کے پاس غش اور اس سے لپٹ
کھینچنے لگی۔

”جیسا میں تمہیں سر سے نہیں دوں گی دیکھو میں تمہارے لئے کتنی دوا میں لے کر آئی
ہوں۔ میں نے مردہ کی کھال سے حصے۔ میری مردہ کی لاش رکھو میری ہونا کے لئے پتے ہو جوت
سارے تیل میری سمجھ میں آئی تھیں۔ میں مصعب الدین کے قریب جا کر اسے سمجھانے
لگا کہ میں لاتی کی کوبہ ہی ہے اس کی دوا میں میسرے پیسوں سے آئی ہیں۔ خون دینے کا یہ چہرے
مردوں اور بچوں پر کسے ہونے ہو کہ پونچھ کر لیتی مگر تیرا اس سے نکل چکا تھا۔ میرا جھوٹ
اس کے آگے آگے اس نے سمجھ لیا۔ میں نے پھر تیرے گردی۔ میں رو رہی کہ کھڑی ہو جاؤ پھر چہرہ کی
”شیدے حاکم سے ڈاکٹر کو ملو۔ دیکھو غلطیوں نے میرے مصعب کا ایک حال بنا دیا ہے
میں۔ حاکم سے پتہ کر لے ڈاکٹر کو ملا سکتے ہیں گھر سے باہر آئیے۔ میرے
پیسے میں لای آئی۔ میں سے کہہ سکتا

”تم مصعب الدین کو چھوڑ کر۔ آؤ میں ابھی ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔“

وہ میسرے سے چلتی ہوئی ہوئی

”ابھی میں اس کے ساتھ رہوں گی تو کچھ دیکھ کر اسے اور ٹھیکہ پہنچے گی۔
”میلانی دیکھنے لگا کہ اسے پہل نہیں آ سکتا میں بھی شریک نہ رہوں گی بیٹھ میں آگیا تھا
خود میں میں ٹھوس دیکھتا تھا۔ پرسوں ہاں چکر باہر یا تو سوچا کہ کچھ کمال کر لیں پھر ہونا کے سینے
کچھ چیزیں خرید کر لے جاؤں گا۔ مگر آج میری ٹھیکہ کی جلا دی گئی ہے آمدنی کا جو واحد ذریعہ تھا وہ
ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔“

”شیدے! ان میاں کی بچہ مولنے ہیں بڑا کر دینے سے مصعب الدین کا بڑا ٹرہ لوٹ گیا
چہرے تو ڈاکٹر کی کھڑکیوں کو کھولنے سے مار پیٹ کے لئے ہتھیار بنائے۔ اس نے اپنی آخری
پابندی کو بچانے کی انتہائی کوششیں کیں۔ اسی دوران قانون کے محاذ پر آئے کسی کی پیشانی پر
یہ نہیں لکھا ہے کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ قانون کے محافظ سبھی کا ایک دھامی سے دھنکنے
لگے۔ انہوں نے داخلہ کے کتبے سے مصعب الدین کے سینے پر گولی ضرور لگائیں۔ تیرے وہ
خون کی تھک کر چکا ہے دواؤں سے مفاہوتہ ہے مگر کچھ دنوں کے بعد پھر خون تھکے لگتا
ہے اس کے دل کے پاس کوئی دم چٹ گئی ہے اگر تو جس سے علاج نہ ہو سکا تو وہ خون ترسکتے
تھوڑے سے مر جائے گا۔“

یہ کہہ کر وہ دوڑنے لگی مدد لینے آپٹل سے آنسو پونچھنے لگی۔

”وہ بہت خود دار ہے شیدے۔ کہتا ہے میری مر جاؤ۔ دیکھو دواؤں کو بغیر مار ڈالو
مگر فٹ پاتھر پر نہ جاؤ۔ حاکم کا ایک پیہ میں لادیں تو میں مر جاؤں گا۔ میں نے کام کرنے کی بہت
کوشش کی مگر کام کہاں ملتا ہے کارخانے بند پڑے ہیں دو چار دن کے لئے کھلے ہیں تو وہاں
نئی کام دیا ہوا کسی نے غنیمت بخش نہیں نکلتی۔ کسی گھر میں ہانڈی برتن دھونے کا کام بھی نہ مل سکا
تھکے دنوں میں نے پانی پی کر اور بونا کو ایک وقت کھلا کر دن کاٹے ہیں۔ میں جو کچھ کھا سکتی
ہوں اور مصعب الدین کی خودداری کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتی ہوئی ہنگامی معصوم کی کو مرنے دیتے

کھے دیکھ سکتی ہوں۔ اپنے مجازی خدا کو داناں کے بغیر کس طرح مرتے دیکھ سکتی ہوں۔
 دوا میں بند ہو جاتی ہیں تو خون جاری ہو جاتا ہے۔ یہ بہت مجبور ہو گئی تھی شید سے یہ بہت مجبور
 ہو گئی تھی اس نے پھر فٹ پاتھر پر ملٹی دیکھتے دو دن سے میں نے یہ بات مصلیٰ سے پچھا رکھی
 ہے میں نے سوچا اگر میں دھوکہ دے کر ایک شریف آدمی کو زندہ رکھ سکتی ہوں تو اس کی شرافت
 کو زندہ رکھنے کے لئے مجھے ذلت پر اتر آنا چاہیئے۔ ہاں میں ذلیل ہوں جب وہ اچھا ہو جائے
 گا تو میں اپنے آپ پر حق کو ناک مگر میں اسے غول حق سے نہیں دیکھ سکتی۔
 وہ کہتے کہتے اس طرح اپنے لنگے جیسے مریوں کی مضافتے کر کے آ رہی ہوں میر ۵۰
 زدا دم لے کرول۔

میر مصلیٰ کے متنازعہ کو قائم رکھنے کے لئے رات کو گھر سے نہیں نکل سکتی تھی اس نے دن کو
 فٹ پاتھر پر ملٹی میں نے سوچا ہنگاموں میں لوٹ مار کے دوران کوئی مجھے بھی ٹوٹ کر بچاؤ تھا
 تو کم انکم میں چھپ چھپ میری تھیل پر رکھنے کا مگر لوٹ مار کے وقت جہاں نے ٹکڑوں کے
 تھان، بیٹیو اور لڑکی سیٹ، ہتھ آئے ہیں وہاں پرانی مین کو اٹھا کر کون سے جاتا ہے؟
 اس کی آج میں کر رہی تھی اس پر نظر ڈالی تو وہ واقعی کھڑے نظر آئی۔ وہ بالکل میری
 اس کیسی کی طرح تھی جس کے اندر سے لوگ اپنے کام کے کوئی پرزے نکال کر لے جاتے تھے اور
 پچکے ہوئے ڈھانچے کو چھوڑ دیتا تھا۔

جس ڈکھڑے وہ مصلیٰ الدین کا علاج کر رہی تھی وہ نہیں ملا۔ ہم دوسرے ڈاکٹر
 کو سے کرا گئے۔ اس نے مصلیٰ الدین کو دیکھتے ہی کہا۔

”اس کی حالت بہت نازک ہے اسے دو دنوں وقت انجکشن لگانے کی ہے میں جو
 جو دوا میں رکھ کر رہے رہا ہوں انہیں فوراً کیکر آؤ۔“

میرا لے اپنے لائی ہوئی دوا میں سے ایک ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹر کے علاج
 اور اس کی تجویز کردہ دواؤں سے مستحق نہیں ہوتا، اس لئے دھیر سا دی دواؤں میں سے

صرف ایک دوا کا کامدیا۔ باقی دواؤں کا کسٹ خود لکھ کر دیا۔ اپنی فیس اور انجکشن کے
 پندرہ روپے بچے کو دے دیا۔ کچھ دوا لے کر چلا گیا۔
 مصلیٰ الدین آنکھیں بند کرنے چپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ میرا ملا نے مجھے ایک حرف
 لے جا کر کہا۔

”میں جو پیسے لائی تھی وہ دواؤں میں ختم ہو گئے۔ اگر وہ کاناہیہ وہ دواؤں میں
 لے کر نہ دوا میں جسے کہ تو میرا خیال ہے میں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔
 میں نے اپنی جیبیں کھول کر پیسے نکالے میرے پاس انٹاشین پیسے تھے میں نے وہ
 روپے لے لیتے ہوئے کہا۔“

”میرا یہاں اکلیا گیلے گا، میں یہاں بھاتا ہوں تم یہ پیسے لے کر جاؤ۔ اگر دوا میں
 واپس نہ چو سکیں تو نہی دوا میں خرید کر لے آنا۔“

وہ پیسے لے کر چلی گئی گا میرے منہ کے پاس اگر اسے پیسے سے پچکاتے تھے کہا۔
 ”جو پیسے تم کھا کھا لو۔ قہری آدمی دوا میں لیے گئی ہیں۔ اب تب بھڑے بول چے
 ہو جاتیں گے۔“

وہ باپ کے پاس سے اٹھ کر چٹال پر آکر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کے سامنے کالے کی چڑی
 رکھ دی پھر اس کے پاس میں گھر کر پہلا فقوالی اپنے ہاتھ سے کھلایا، اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ
 سے پھر اٹھا کر آہستہ آہستہ کھلنے لگی۔ میں لالین کی روشنی میں اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔
 میں نے شادی نہیں کی۔ میرا کوئی اولاد نہیں ہے مگر وہ مجھے اپنے ہی بچہ کا محو نظر آ رہا
 تھا بچے کھاتے وقت میں کتے معصوم اور مہرے کتے آواز نکالتے تھے، اس کی بے
 ٹھوڑی نے مجھے دنیا جہاں کی ٹھوڑی میں جہاں گویا۔ کیسی نہیں تھی۔ دیکھ نہیں تھا مصلیٰ الدین میرا
 تھا اور میں بیکار تھا مگر زندگی کی ضرورت میں جو چیزیں تھیں ان میں مزید دواؤں اور انجکشن کے لئے
 دواؤں کو کپڑے کیٹھ، مونا کی تقسیم کے لئے اور اس کا معصوم ہنس کر دائم اور قائم رکھنے کے لئے

صبح و شام پیسوں کی ضرورت تھی پیسے کہاں سے آئیں گے؟ اس عمر میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے فروخت کر کے کچھ دنوں کے لئے زندگی کو بھلایا جاسکتا تھا۔ میں ٹیکسی سے چھوٹ کر پیدل ہو گیا تھا اور ہم سب پیدل کفن دوڑ تک چل سکتے تھے؟

مصطفیٰ الدین اچانک کھانٹے لگا۔ میں دوڑا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے سینے کو سہلانے لگا۔ کھانسی کے دوران پھر اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبل رہی تھیں وہ دھشت زدہ نظروں سے اس اندھیری دنیا کو دیکھ رہا تھا شاید اس اندھیرے میں وہ بیلارائی کو تلاش کر رہا تھا اور انکار میں سر ملاتے ہوئے رات کی رانی کو اندھیرے میں جھگٹنے سے روک رہا تھا اس کے سر چٹختے گا انداز بار بار تھا کہ وہ خود مار رہے ہے جیانی ایک بیک پیج قبول نہیں کرے گا۔

وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس نے کھانٹے کھانٹے پھر خون کی تھک کی اور ایک دم سے ساکت ہو گیا۔ میں نے غم اگر اس کی بعض دیکھی۔ کان ملک کو اس کے دل کی دھڑکنوں کو سننے کی کوشش کی مگر کچھ سنائی نہ آیا۔ بیلارائی کے لئے دھڑکنے والا دل ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا تھا پتہ نہیں مونا نے مسیگر چپ کے کیے پڑھ لیا۔ وہ کھانا چھوڑ کر دوڑتی ہوئی آئی۔

”چاچا جی! کیا ہو گیا انوکو؟ ابو پھر خاموش ہو گئے؟“

وہ ہانپتے بچتے ہوئے لہو کو پچھنے لگی اور اسے آواز دینے لگی۔ جب میں نے اسے بتلایا کہ وہ اس کی آوازوں سے بہت دور چلا گیا ہے تو وہ باپ کے چہرے کو اپنے سینے سے لگا کر دھاتیں مادہ کر ڈالنے لگی۔ اسی وقت بیلارائی کمرے میں داخل ہوئی میری آنکھیں خشک تھیں کیونکہ یہ پتھر ٹری آنکھیں رونے لگی تھیں مگر بیٹی کو ماتم کرتے دیکھ کر اس کے ہاتھوں سے دو اینچ چھوٹ گئیں۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سر کو جھکالیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آکر مصطفیٰ الدین کی تلاش پر گر پڑی۔

کمرے کی محدود فضا ماں اور بیٹی کی آہ و بکاس سے گونج رہی تھی۔ مختلے کے پڑوس والے تھوڑی دیر میں آسٹے لگے۔ عورتوں نے آکر آفسوس کا اظہار کیا، صبر کر لیتیں گی، پھر ہمیں

چلی گئیں کیونکہ بارہ بجے سے کرفیو لگنے والا تھا۔ سبھی کو کل شام تک کے لئے روک کر رکھ کر تھی۔ کچھ لوگ مختلے کے دواؤں میں کیلاشیں لے کر آتے تھے، جو ہنگامے میں مانسے گئے تھے ان کے کفن و دفن کے لئے چند دن یا دو دن کا تھا۔ مجھے بھی خیال آیا کہ پاس میں چوٹی کوئی نہیں ہے اور مصطفیٰ الدین کی تجویز دیکھیں کہ مسئلہ دسویں ہے میں نے بیلارائی کو دیکھا آسٹے دیتے اور میں کرتے وقت کسی بات کا ہوش نہیں تھا وہ ہوش دھواس میں رہتا تھا، اب بھی اس کے پٹے سے کچھ نہ نکلتا کیونکہ اس کے پاس کچھ ہوتا تو وہ دواؤں کے لئے مجھ سے پیسے لے کر نہ جاتا۔

میں پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ دو دو رنگ خیالی دوڑ لگا کر کس جہان پہنچاں گئے سے کچھ رقم اُٹھا مل سکتی ہے یا نہیں؟ مگر ایسے وقت کوئی صبر مان نہ کرتا تھا۔ میں گھر پر گھومنے سے باہر آیا۔ باہر قوتے ہی یاد آیا کہ اب میری ٹیکسی کا ڈھانچہ ماسٹروں پر آگیا۔ میں اسے اپنے پوتے فروخت کر کے مصطفیٰ الدین کے لئے کفن خرید سکتا تھا۔

اب میری جیب میں اتنے پیسے نہیں تھے کہ میں ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں تک جاسکتا۔ مجبوراً میں میں بیٹھ کر چار شاہین وہاں پہنچا تو ٹیکسی کا ڈھانچہ غائب ہو چکا تھا۔ وہ کہاں گیا؟ اس کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا کیونکہ اس علاقے میں آٹھ بجے کرفیو لگنے والا تھا اور اب ٹیکسی بھنے ہی والے تھے۔ تمام کلائیں بند ہو چکی تھیں۔ آٹا کوٹال جو ہلکے جالے تھے وہ نہیں بنا سکتے تھے کہ میری مردہ ٹیکسی کہاں لے جا کر دفن کر دی گئی تھی۔

میں لوپ پھتا کر واپس آ گیا۔ اس وقت تک بیلارائی کو ہوش آ گیا تھا کہ مصطفیٰ الدین کو مرنے کے بعد بھی پیسوں کی ضرورت ہے جب تک پیسے نہیں ہوں گے، تجہیز و تکفین کی رسمیں ادا نہیں ہو سکیں گی میں نے اسے بتایا کہ میں اپنی بناؤ بھر کوشش کر چکا ہوں، آپس سے چھوٹی کوڑھیاں حاصل نہیں ہوئی۔ اگر تین گھنٹے کے اندر ہم کفن وغیرہ خرید کر ڈال سکے تو اس کے بعد کرفیو لگ جائے گا۔ کرفیو کے اوقات میں بھی مردے کو دفن کرنے کے لئے خصوصی اجازت مل جاتی ہے لیکن پہلے سے کفن وغیرہ خرید لینا ضروری ہے۔

اب کیا ہوگا؟ بیلا رانی پریشان ہو کر مصلح الدین کی طرف دیکھنے لگی وہ زندگی کے تمام مسائل سے غات مائل کرچکا تھا مگر بیلا رانی کے لئے مسکن بن گیا تھا وہ جلتے ریس واپس سے مدد مانگنے چلی گئی۔ میں بھی باہر نکل کر کچھ کوشش کرنا چاہتا تھا مگر موانع میرا ہاتھ پکڑ رہا تھا۔

یہ مسئلہ سے سینے سے لگا لیا۔ وہ ایک لاش کے ساتھ تنہا کمرے میں نہیں رہ سکتی تھی۔ بڑی عمر کی عورتیں میں اپنے سگون کی لاش کے قریب تنہا بیٹھتی ہوئے ڈرتی ہیں اور ہونا ایک ایسی عمر کی عورت تھی۔ وہ تو بچی تھی، زندگی کا تجربہ میں اتنا ہی تھا کہ اس نے پہلی بار اپنے گھر میں ایک انسان کو خون صحرے کر مارتے دیکھا تھا۔

میں اسے چور ڈر نہا سکا۔ ایک گھنٹے کے بعد بیلا رانی خالی ہاتھ واپس آگئی اور اپنے آنچل سے انور پر پھپھتی ہوئی کہنے لگی۔

اب اپنی اپی پریشانوں کا رد و کار نہ ہے میں مصیبت یہ کہتے ہیں کہ یہ ہلکے ختم نہیں ہوں گے اسی لئے ہر ایک کو کل کی فکر ہے۔ ایسے میں کون دو چار روپے کی مدد کرنا ہے؟ اور کیا دو چار روپے میں کہیں کفن کیا ہے؟ ہم کتنے دروازوں پر جا کر کفن کھانے چندہ مانگ سکتے ہیں۔ پہلی پہلے ہی دو لاشوں کے لئے چندہ اکٹھا کیا جا رہا ہے اور یہ کتنے انوس کی بات ہے کہ جس شخص نے میرے اور میری بیٹی کے لئے پانا گھر چھوڑ دیا اپنے خون کے رشتے توڑ دیے، میری زندگی کا راستہ جوڑ دیا۔ ہمارے لئے فاقہ پر ہجر لگتا تھا اور پولیس والوں سے کہیں مارا کھانا دیا اور کبھی انہیں رشوت دیکر ہمارے لئے کوٹریں لگا کر عین بچتا رہا۔ اب وہاں سے خون تھوکتا ہوا اگر صرف ایک کفن کا مطالبہ کر رہا ہے۔ زندگی میں کچھ نہیں مانگا۔ مرنے کے بعد رنگ بدلے تو میں اسے چندے یا خیرات کا کفن پہناؤں؟

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر دھنسنے لگی۔ میں نے کہا۔

یہ انور زندگی میں کچھ نہیں دیتے اس کے کمرے کے بعد کیا دیں گے؟ صرف پیسہ ہی سب کچھ دیتا ہے اب یہی دیکر راستہ وہ لگے کہ مصلح الدین کے والدین ملک و غیر منہادی۔ بیلا رانی کے سر اٹھا کر انور بڑی لاکھوں سب کے دیکھ کچھ دے رنگ سوچ رہی تھی۔

”ہائے، میں اپنے مسئلے کے آخری وقت میں کام لانا سکی تم ٹھیک کہتے ہو اس کے دھنن کو معلوم ہوگا تو اسے عزت سے کفن نصیب ہوگا اس کے مال باپ رنجوڑ لاش میں رہتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو، ہم ایک گھنٹے میں انیس کے کمرے میں آجائیں گے۔“

”میں تم سے ملنے کیسے جا سکتا ہوں؟ یہاں عورتیں کیل نہیں رہتی۔“ وہ پریشان سے مرنے کو دیکھ کر بولی۔ ”میں بھی تنہا نہیں جا سکتی۔ جلد جگہ فوج کے پاسی راستہ روک کر پوچھیں گے کہ اس کی میت سے اتنی رات کو تنہا گھوم رہی ہوں؟ وہ تنہا نہیں جا سکتی تھی۔ سرنا کو بھی تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا وہ پہلے ہی لاش کے پاس سے ہٹ کر میرے پاس آگئی تھی۔ میں نے کہا۔

”ہم تینوں ساتھ چلیں گے۔ لاش تنہا رہ سکتی ہے ہم دروازے کو باہر سے بند کر دیں گے صرف گھنٹے آدھے گھنٹے کی بات ہے اگر ہم کسٹوں میں جائیں گے تو جلد دیں۔ آجائیں گے کیا تہا سے پاسی دو اونٹوں سے کچھ پیسے لے لیں؟“

”تہا سے اتنا نہیں روپے میں سے صرف تھوڑے دے گئے ہیں۔ کیا اتنے جانے کا کرنا ہو جائے گا؟“

”چلو جانے کا کرنا تو ہو جائے گا۔ واپس میں ہم مصلح الدین کے والدین کے ساتھ ہیں۔ میں مرنے کا ہاتھ تمام کر رہا تھا۔ بیلا رانی نے دروازے پر آکر مصلح الدین کی لاش پر اور اعلیٰ نظر ڈالی۔ وہ اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔ اس نے دروازے کو بند کر کے باہر سے تلا ڈال دیا۔ پھر ہم گھنٹے کی تلاش میں چل پڑے۔ اسی عمر کی پرانوں کی

اندروقت تھی۔ دوسرے دن تمام گھروں میں بندوبست کیے گئے فروری سالانہ کی خرید و فروخت ہو رہی تھی میں ہمارے کارکن مل گیا تین تین اون کو کہتے ہیں بھلنے کے لئے میں نے میرے ایک پیپر لے لیا۔ اور میں دیکھو ان میں ایک پہنچا دیا۔
سیاسی برتاؤوں کے معاملہ دیکھو ان میں ایک ایسی بگڑی تھی جہاں سب کے سب نہیں جانتے تھے اور نہ ہی خبردار پابندیاں عائد کی جاتی تھیں۔ وہاں راتوں کو کچھ بھی خاص روٹی بیتی تھی وہاں خاتون سے کہنے دھوئے شراب پونے اور ویسی آریہ راتوں میں لکھنے کے لئے قائم کر کے تھا وہ عیاش طبقہ لوگوں کی تلاش میں مڑھک پر جھٹکتے رہتے تھے ہم مسلح عدین کے گھر پہنچے تو کوئی کے پوکارے بنایا کہ صاحب رگ لالہ چلے گئے ہیں بنگلے ختم ہونے کے بعد واپس آئیں گے۔

میں اور بیلانی ایک دوسرے کا منہ کھینچتے ہم پورے یقین کے ساتھ جاب گئے تھے کہ والدین اپنی نامور ماں اولاد سے کتنی ہی نفرت کریں مگر آخری ہمارے کا دیدار ضرور کرتے ہیں اور تجویز و تحقیق کی آخری رسوم میں اور کرتے ہیں لیکن ہم مسلح الدین کے والدین تک اس کے مرنے کا خبر بھی نہیں پہنچا سکتے تھے۔

ہم مایوس ہو کر وہاں سے روٹ گئے۔ واپسی کے لئے پورا کڑا نتیجہ ہونا میرے بازو سے ہلی چل رہی تھی اس ہی منٹ کے ساتھ چلتے وقت احساس ہو کہ میری بیت بوڑھا ہو چکا ہوں اور ہر طرف سے قتل و غارت ہو رہی ہے کہ ایک جوان جو نے والی بیٹی کا بھی سہارا نہیں ہی سکتا۔ بیلانی بڑی بڑی باتیں کہتی جیسے ہوش و حواس کھو چکی ہو۔

”میرا منہ کھلیں مرگے“ وہ سوال کر رہی تھی اور خود ہی جواب دے رہی تھی۔
”اے میرے مرگے“ وہ خود دہراتا۔ ”یہ زندگی میں وہ کام کا ایک پسہ بھی قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہم ایک گلی سے نکل کر سڑک پر آ گئے اور ایک قتلے کے پاس نیم تاریکی میں کھڑے ہو گئے جہاں کچھ نہیں تھا۔ کچھ کہاں جاؤں اور کیا کریں؟ وہ بدستور بڑبڑا رہی تھی۔

اس کے بڑبڑانے کے دوران وہ شرابی اور کھڑاتے ہوئے تھے وہ میرے منہ سے ایک کلمہ بھی نہیں چاڑھا۔ مگر میں نے تھکیا میں کھینچنے کاوش کر رہے تھے ایک ہی جھوٹی کان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح ہاتھ درمیان سے نکلی اور ان کے سامنے پہنچ گئی وہ دو تونڈے جیسے اضمین نے خود پلٹے نکلے تازہ ہوا کی کھانے کی پہچان نہیں تھی تھے کی حالت میں وہ بیٹھ جانے کا شر کا حساب نہیں کر سکتے تھے اس لئے خوش ہر سرور اٹھ کر نکلے گئے۔

اسی وقت ایک اسکوٹر موٹر گاڑا ہوا اہل سے گذرا۔ اس کی ہینڈل کی دھڑکی کچھ پر سے ہوئی ہوئی۔ اس پر سے چھپتی ہوئی خود نیم تاریکی میں ایک کئی کے منہ کو بھاگ کر لے ہوئی گاڑا گئی۔ اچانک ہی سو دار کے دیووں کو نے اشارہ پلٹنے کا پہچان کر لیا۔

وہ پچھلے ہونے لھا پائے کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے نئی ٹیکسی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ چھتر زان میں ایک کئی اپنی شاخ سے لوٹ کر غلطی سے گاڑی کی زبردیا میرے سے اٹھ کر لے لے گاڑی پر پہلے بار۔ زندگی میں پہلی بار میں چوٹ چوٹ کر بیٹھ گیا۔

میں کسی کھٹے بے حیاں کانفرنس خریدنا تھا۔ ایک خود دار انسان کے لئے ایک مریضانہ ہونے پھول کے لئے، یا ایک معصوم وزیر کی کے لئے.....؟

